جامع طوس المخرب و لعله بنى فى القران الرابع للهجرة

قبر الغزالى المزعوم
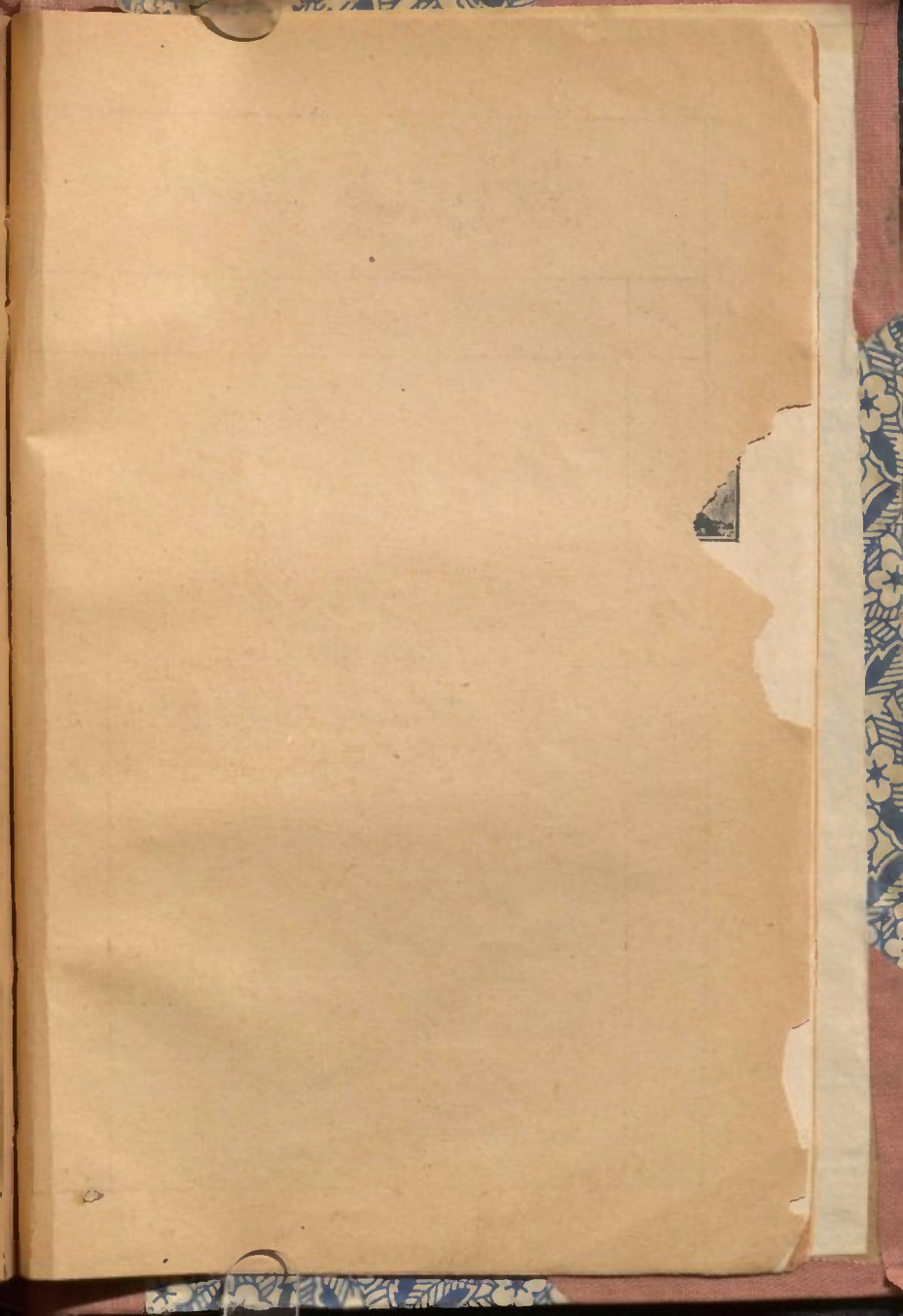
الغزالی

فہرستِ مضامینِ الغزالی

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	گیارھویں صدی۔	۱
۲	پیدائش اور تعلیم۔	۳۴
۳	تعلیم۔دِلی تبدیلی اور گوشہ نشینی۔	۸۲
۴	سیاحت۔ مابعد زندگی اور موت	۱۰۱
۵	اُس کی تصنیفات۔	۱۳۷
۶	اُس کی اخلاقی تعلیم	۱۶۳
۷	امام غزالی بحیثیت صوفی کے	۱۸۸
۸	امام غزالی کی تصنیفات میں یسوع مسیح	۲۲۸

تصویرات

نمبر	تصویر	صفحہ
۱	طوس واقع فارس کی قدیم مسجد کے کھنڈرات۔ جن کا زمانہ غالباً گیارھویں صدی سے شروع ہوتا ہے +	شروع میں
۲	طوس میں ابوحمید غزالی کی جو قبر مانی جاتی ہے +	〃
۳	دمشق کا مشرقی دروازہ	۳۷
۴	دمشق کی جامع مسجد کا اندرون۔ مرکز میں محراب ہے جو نماز کی سمت بتا رہی ہے اور داہنی طرف بڑا منبر ہے +	۶۸
۵	یروسلم میں چٹان کا گنبد جیسا کہ لوتھرن گرجا سے نظر آتا ہے +	۱۰۱
۶	امام غزالی کا قلمدان جو پیتل کا بنا ہوا ہے اور جس کے اندر چاندی کا پانی پھرا ہوا ہے اور جو قاہرہ کے عربی عجائب گھر میں محفوظ ہے	۱۳۷

الغزالی

اوّل
گیارھویں صدی

تاریخ کے سرکردہ اشخاص کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ یہ میدانوں سے اور زیریں پہاڑیوں سے بہت بلند ہوتی ہیں اور چونکہ وہاں سے دور تک زمین کا نظارہ نظر آتا ہے۔ اِس لئے یہ بھی بہت دُور سے دکھائی دیتی ہیں۔ اسلام کا تاریخی مطالعہ کرتے وقت چار نام خاص طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو خود محمدؐ صاحب ہیں۔ دوسرے بخاری صاحب جنہوں نے احادیث کے جمع کرنے میں شہرت حاصل کی۔ تیسرے اَل عشریؒ صاحب جو منقول تھیالوجی کے عالم اور معقول تھیالوجی کے مخالف تھے۔ اور چوتھے امام غزالیؒ صاحب جو مصلح اور صوفی تھے محمدؐ صاحب کے بعد اسلام کی تاریخ پر جس نے بڑا نقشہ جمایا

وہ غزالی صاحب ہی ہیں - سیوطی صاحب کا قول ہے -
کہ "محمد صاحب کے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو ال غزالی ہوتا"
اسلام کی اگر کوئی خوبی دیکھنی ہو تو غزالی صاحب کی زندگی
اور خاص کر اُن کی تصنیفات میں دیکھ سکتے ہیں - احادیث
کے بوجھ اور رسمیات کے تقاضا سے بچنے کی مسلمانوں کے
لئے اگر کوئی راہ ہے تو وہ تصوف ہے - جنھوں نے قرآن
کی تعلیم اور رسمیات کے طومار میں کوئی گہرے روحانی معنی
نکالے اُن میں سے کوئی امام غزالی پر سبقت نہیں لے
گیا - جمال الدین صاحب کا قول ہے کہ "وہ زندگی کے
قطب اور سبھوں کے لئے تازہ پانیوں کے مشترکہ چشمہ تھے
اہل ایمان کے پاکیزہ گروہ کی جان اور رحیم خدا سے ملاپ
حاصل کرنے کی راہ - مسلمان علماؤں میں سے وہ اپنے
زمانے اور سارے زمانوں کے لئے لاثانی اور بے نظیر
گزرے ہیں - ایک دوسرے مصنف کا یہ قول ہے -
جو تقریباً اُن کا ہم عصر تھا " یہ وہ امام ہیں - جن کے نام
سے سینہ پگھلتا اور روحیں تازہ دم ہوتی ہیں - جن کی
تصنیفات پر دوات کو فخر ہے اور کاغذ خوشی سے تھرّاتا
ہے اور جس کا پیغام سنتے وقت عالم خاموشی چھا جاتا اور
سر خم ہو جاتے ہیں"۔

ایک مشہور فاضل احمد السید آل یمنی - الزبدی نامی نے جو امام غزالی کے ہم عصر تھے یہ فرمایا۔ "میں ایک روز بیٹھا ہُوا تھا کہ یک لخت مجھے یہ دکھائی دیا کہ آسمان کے دروازے کھُل گئے اور مُقدّس فرشتوں کی ایک گروہ اُتری - اُن کے ساتھ ایک سبز لبادہ اور قیمتی گھوڑا تھا۔ وہ آن کر ایک خاص قبر کے پاس کھڑے ہوگئے اور مدفون کو قبر سے نکالا - وہ سبز لبادہ اُسے پہنایا اور گھوڑے پر اُسے سوار کیا اور آسمانوں سے گزرتے گئے - حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں سے عبور کر گئے اور ساٹھ حجاب پھاڑ کر نکل گئے - اور مجھے معلوم نہیں کہ آخرکار وہ کہاں جا پہنچے - پھر میں نے اُس کی بابت دریافت کیا - تو یہ جواب ملا - یہ امام غزالی ہے - یہ اس کی وفات کے بعد ہوا - خدا تعالےٰ اُس پر رحم کرے"+

اُس کے بارہ میں ایک یہ قصہ بھی آیا ہے -" ہمارے زمانہ میں ایک شخص مصر میں تھا وہ امام غزالی کو ناپسند کرتا اُسے بُرا بھلا کہتا اور اُس کی ہجو کیا کرتا تھا - اُس نے نبیؐ کو خواب میں دیکھا (خدا اُسے برکت دے اور اُسے سلامتی عطا کرے) ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) اس کے آس پاس تھے اور امام غزالی اُن کے سامنے بیٹھے

تھے اور یہ کہہ رہے تھے - اے رسُولِ خُدا یہ شخص میرے خلاف بکتا رہتا ہے - اس پر حضرت نے حکم دیا کہ چابک لاؤ - سو امام غزالیؒ کی خاطر اُس شخص کو چابکوں کی مار پڑی - جب یہ شخص خواب سے بیدار ہؤا تو چابکوں کے نشان اُس کی پیٹھ پر موجود تھے - وہ شخص رو رو کر یہ قصہ بیان کیا کرتا تھا "+

اگر کسی کو ایسی تعریف مشرقیانہ لفاظی اور مبالغہ آمیز معلوم ہو تو ایک مغربی عالم پروفیسر ڈنکن - بی - میکڈانلڈ صاحب کے الفاظ سُن لیجئے - صاحب موصوف نے غزالی صاحب کی زندگی اور تصنیفات کا مطالعہ جس قدر کیا اسلام کے کسی دوسرے مغربی عالم نے نہیں کیا - یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اگر امام غزالیؒ کی تاثیر اسلام پر نہ ہوتی تو اسلام کس قدر زیادہ جور و تعدّی کا مرتکب ہوتا - لیکن اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ اُنہوں نے اسلام کو صرفی نحوی جھمیلوں سے چھڑایا اور پکّے مسلمانوں کے آگے ایسی زندگی کا امکان پیدا کر دیا جو خدا میں چھپی ہو - اُن کو ایسی ایذا پہنچائی جیسے کسی بدعتی کو پہنچاتے ہیں - اور اب وہ مسلمان جماعت کے فاضل اجل مانے جاتے ہیں "+

اگر ہم امام غزالی اور ان کی تعلیم کی وقعت سمجھنا چاہیں

تو ایک لحظہ کے لئے اپنے آپ کو اُس زمانہ میں لیجائیں۔ جس میں وہ زندہ تھے۔ ہم کسی آدمی کا حال بخوبی سمجھ نہیں سکتے جب تک کہ اس کے اردگرد کا حال معلوم نہ ہو۔ تاریخ کے وسیع جال کی ایک تار سوانح عمری ہوتی ہے۔ اِس میں زمانہ فراخ اور طویل ہے اُن تاریک زمانوں میں امام غزالی کا تعلق مشعل برداروں کی چھوٹی گروہ سے تھا۔

طوس۔ (علاقہ خراسان۔ ملک فارس) میں ۱۰۵۸ء میں وہ پیدا ہوئے اور ۱۱۱۱ء میں رحلت کر گئے۔ جب یہ پیدا ہوئے اُس وقت کے قریب طغرل بیگ نے بغداد کو فتح کیا۔ ہنری چہارم شاہنشاہ تھے۔ نکولس دوم پوپ تھا۔ مغرب میں نارمن فتوحات کا آغاز تھا۔ اور مشرق قریبہ میں ترکوں نے ایشیا کوچک کو پامال کیا تھا۔ مغرب میں امام غزالی کے دیگر ہم عصر یہ تھے۔ پوپ ہلڈربرانڈ ابی لارڈ۔ برنارڈ۔ ان سیلم اور پیٹر فقیر (Hermit)۔ جس وقت کے قریب امام غزالی نے اپنی مشہور کتاب تصنیف کی۔ اُس وقت گاڈفرے بُوایلان یروشلم کا بادشاہ تھا۔ غزالی صاحب اِس وقت اِس مسئلہ کے حل کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے کہ جن لوگوں کا دِل خدا کی پیاس میں تڑپ رہا ہے اُن کے لئے اِسلام کیا کر سکتا ہے۔

ان سے تقریباً دو سو برس پہلے الکندی نے مسیحی دین کی حمایت کے لئے ہاروں رشید کے دربار میں معذرت نامہ لکھا تھا۔ اور ان سے دو سو برس بعد اے منڈل صاحب شمالی افریقہ میں شہید ہوئے +

جن دنوں میں بصرہ اور اُس کا حریف شہر کوفہ عمر خلیفہ کے ظفریاب عربوں کے زیر حکومت آئے۔ اُس وقت سے اسلامی دنیا کی حالت بالکل بدل گئی تھی۔ گیارھویں صدی کے عباسی خلفا ماقبل زور و طاقت کے محض سایہ ہی کے طور پر تھے اور یہی حال مشرق کے سلاطین کا تھا۔ صرف دینی فوقیت باقی رہ گئی تھی۔ طغرل بیگ سلجوق کے پوتے کو کم زور خلیفہ القاسم بامراللہ نے تاج پہنایا۔ اس نے فتح پر فتح حاصل کی۔ عزت پر عزت اُس کو ملی۔ سب لوگ اُس کو مشرق و مغرب کا بادشاہ کہہ کر سلام کرتے تھے۔ اور خلیفہ نے اپنی بیٹی کا نکاح اُس سے کر دیا۔ اِس کے بعد المقتدی کے عہد سلطنت میں سلجوق ترکوں نے یروسلم کو تسخیر کیا +

نولاکی صاحب لکھتے ہیں کہ "۱۰۰۰ء کے قریب اسلام کی حالت بہت خراب تھی۔ خلفائے عباسیہ دیر سے حالت ہیجمدانی میں پڑے تھے۔ عربوں کی طاقت

مدت سے ٹوٹ چکی تھی - بہت سی چھوٹی بڑی اسلامی ریاستیں پیدا ہو گئی تھیں - ان سب ریاستوں میں زور آور فاطمیہ خاندان کی ریاست تھی لیکن وہ شیعہ تھے - اِس لئے وہ بھی سارے مسلمانوں کو رشتہ اتحاد سے نہ باندھ سکے ÷

اِن خانہ بدوش ترکوں نے سخت بربادی ڈھائی - وسیع ممالک کی سرسبز تہذیب کو پامال کیا اور نوع انسان کی تربیت و ترقی میں ایک شوشہ سے بھی مدد نہ کی - البتہ محمدی مذہب کو انہوں نے زبردست تقویت دی اِن گنوار ترکوں نے دین اسلام کو سرگرمی سے قبول کر لیا کیونکہ یہ اُن کی عقل کی رسائی کے اندر تھا اور غیر مسلم دُنیا کے مقابلہ میں یہ اسلام کے بڑے بھاری حامی بن گئے - انہوں نے سلجوق خاندان کی زبردست سلطنت کی بنیاد ڈالی اور شمال میں دیگر ممالک کو اسلام کے لئے فتح کر لیا - سلجوق سلطنت کے زوال کے بعد بھی یہ پرانے علاقوں میں برسر حکومت رہے - اگر اسلام کی جنگی طبیعت کو ترک سرسبز نہ کرتے تو شاید صلیبی جنگ کی فوجوں کو زیادہ مستقل کامیابی کا موقعہ ملتا ÷

طغرل بیگ کو شاہی شہر نیشاپور میں (۱۰۳۸ء)

سلطان کا لقب ملا - بقول مورخ گبن - طغرل بیگ اپنے سپاہیوں اور اپنی رعیت کا باپ تھا - مستقل اور عادلانہ انتظام کے ذریعہ فارس غدر کی مصیبت سے بچ گیا - اور جن ہاتھوں سے خون ٹپک رہا تھا وہی عدل اور امن عامہ کے متولی بن گئے +

زیادہ دہقان یا زیادہ دانا ترکمان اپنے آبا و اجداد کے خیموں میں زندگی بسر کرتے رہے - دریائے آکسس سے لیکر دریائے فرات تک اِن جنگجو قبیلوں کے محافظ اُن کے اپنے اپنے سردار تھے - لیکن جن ترکوں کا تعلق شاہی دربار سے تھا اور جو شہروں میں بود و باش کرنے لگ گئے تھے وہ تجارت وغیرہ کے ذریعہ زیادہ شائستہ بن گئے تھے اور عیش و عشرت کی وجہ سے نرم مزاج ہو گئے تھے - ان لوگوں نے فارسی لباس - زبان اور طور طریقے اختیار کر لئے - اور نیشاپور اور رے کے شاہی محلوں میں ایک سلطنت کی شان و شوکت پائی جاتی تھی - عربوں اور فارسیوں میں جو صاحبِ لیاقت تھے ان کو سرکاری عہدے ملتے اور عزت حاصل ہوتی اور ترکی قوم نے بحیثیت مجموعی سرگرمی اور خلوص قلبی سے دین محمدی کو قبول کر لیا +

سلجوقی سلاطین عظیم میں سے پہلے سلطان نے دین اسلام کی سرگرمی کے ساتھ اشاعت کرنے میں شہرت حاصل کی وہ نماز میں بہت وقت خرچ کرتا تھا اور جس جس شہر کو فتح کیا وہاں اُس نے ایک نئی مسجد تعمیر کی۔ اس نے لشکر جرّار کے ساتھ خلیفہ بغداد کی مدد کی اور موصل اور بغداد کے لوگوں کو اطاعت کا سبق سکھایا۔ جب خلیفہ نے اپنے دشمنوں سے نجات پائی تو طغرل بیگ کی ہمشیرہ سے شادی کر کے رشتہ اتحاد کو مضبوط کیا۔ ۱۰۶۳ء میں طغرل بیگ کا انتقال ہوگیا اور اس کا بھتیجا الپ ارسلاں اُس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اس لئے مشرق قریبہ کے سارے مسلمان نماز عام میں خلیفہ کے نام کے بعد الپ ارسلان کا نام پڑھا کرتے تھے +

مؤرخ گبن نے اُس کے عہد حکومت کی حقیقت ایک جملہ میں بیان کر دی ہے "لکھو کھا ترکی سوار کوہ طارس سے لے کر ارض روم تک چھ سو میلوں تک پھیل گئے اور عربی نبی کے آگے ۱۳۶۰۰۰ مسیحیوں کی قربانی شکر گذاری کے لئے گذرانی۔ اس "بہادر شیر" نے کیونکہ الپ ارسلان نام کے یہی معنی ہیں۔ شدّت کی سختی اور فیاضی دکھائی۔ مسیحیوں کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ اُس نے دشمنوں

کو تو قتل کیا - لیکن عالموں اور دولتمندوں اور مقبولان
نظر کو بڑے بڑے انعام و اکرام عطا کئے آرسلان دین اسلام
کے لئے لڑائیاں لڑتا تھا اور میدان جنگ کا ویسا ہی مشتاق
تھا جیسے وہ لوگ تھے جن کا ذکر مور صاحب نے مفصلہ ذیل
الفاظ میں کیا ہے :-

"اُس مقدس خونی نسل میں سے ایک جو خون ریزی
اور قرآن کے گرویدہ تھے - جن کا یہ عقیدہ تھا کہ غیر مسلموں
کا خون بہانے ہی کے ذریعہ وہ سیدھے بہشت کو جائینگے -
جو ٹھہر جاتے اور بے جوتی اتارے اپنے گھٹنے جھکاتے اور
خون بھرے ہاتھوں کو دعایں خدا کی طرف اُٹھاتے اور کلام
اللہ کی کسی آیت کو پڑھتے ہیں جو ان کی خون سے لبریز
تلوار پر کندہ ہے" ÷

جب آرمینیہ کا صدر مقام ۶ - جون ۱۰۶۴ء کو اُنھوں
نے تسخیر کیا تو اس سارے علاقہ کو سخت بے رحمی کے
ساتھ برباد کیا - کہتے ہیں کہ "خون کی ندیاں بہ گئیں - اور
اس قدر خونریزی ہوئی کہ لاشوں سے گلی کوچے رُک گئے -
اور مقتولوں کی لاشوں سے دریا کا پانی سُرخ ہوگیا" - دولتمند
باشندوں کو شکنجے میں کھینچا - گرجاؤں کو لُوٹا اور پادریوں
کی زندہ کھالیں اتاری گئیں - اس وقت امام غزالی چھ

سال کے تھے +

۱۰۷۲ء میں الپ ارسلان قتل ہوا - اُس کا بڑا بیٹا
ملک شاہ اُس کا جانشین ہوا - اُس نے اپنے باپ کی
فتوحات کو دریائے آکسس کے پار بخارا اور سمرقند تک
توسیع دی - حتیٰ کہ اُس کے نام کا سکہ چل گیا اور ملک
چین کی سرحدوں پر جو تاتاری سلطنت تھی وہاں دعاؤں
میں اُس کا نام لیا جانے لگا - "چین کی سرحدوں
سے لے کر اُس نے اپنی حکومت کو مغرب اور جنوب میں
کوہستان جارجیا تک پھیلا دیا - اور قسطنطنیہ کے قرب
وجوار تک جا پہنچا اور یروسلم کے مقدس شہر اور عربی فیلکس
کے مصالح پیدا کرنے والے جنگلوں تک اُس کی رسائی
ہو گئی - حرم کی عیاشی میں مبتلا ہونے کی بجائے یہ چوپان
بادشاہ امن اور جنگ کے وقت ہمیشہ میدان کارزار میں تھا"
نظام الملک اس کا وزیر تھا - اور اُسی کے رسوخ کی
وجہ سے علم و سائنس کی ترقی ایسے اعلےٰ درجہ تک ہوئی -
جنتری کی اصلاح کی گئی - سکول اور کالج قائم ہوئے - اور
بادشاہ کے مقبول نظر ٹھیرنے کے لئے علمانے ایک دوسرے
سے بڑھ چڑھ کر کوشش کی - تیس سال تک نظام الملک
خلیفہ کا مورد الطاف رہا اور دین و سائنس میں اُس کی

زبان الہام کی طرح سمجھی جاتی تھی - لیکن ترانوے سال کی عمر میں اس معزز مدبر ملک کو جس کے ذریعہ امام غزالی کی خاص قدر ہوئی بادشاہ نے موقوف کردیا - اُس کے دشمنوں نے اس پر الزام لگائے اور بعض جوشیلوں نے اُسے تہ تیغ کیا - نظام کے آخری الفاظ نے اُس کی معصومیت ثابت کی - مالک کی زندگی کا آخری حصہ قلیل و ذلیل گزرا +

عربی زبان کا ہر جگہ رواج ہوگیا - اور مشرق قریبہ کی ساری زبانوں میں وہ سرایت کرگئی - جس قوم سے عربوں کو واسطہ پڑا اُسے کم و بیش اُنھوں نے عربی بنا لیا - چینری (Chenery) صاحب کا قول ہے کہ "اِس رسوخ کی وسعت کا اندازہ اس طرح سے لگ سکتا ہے کہ فردوسی کی فارسی کا مقابلہ سعدی کی فارسی سے کیا جائے فردوسی گیارھویں صدی عیسوی کے ابتدائی حصہ میں زندہ تھا - اُس کی فارسی عربی الفاظ و محاورات سے مبرّا ہے - حالانکہ گلستان کی فارسی جو ڈھائی سو برس پیچھے لکھی گئی عربی الفاظ و محاورات سے پڑھے - یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ سعدی نے بعض اوقات پے در پے عربی آیات اور عبارات کو درج کیا ہے - اس سے

ظاہر ہے کہ مصنف کو معلوم تھا کہ اُس کتاب کے پڑھنے والے عربی سے خوب واقف تھے"۔ تجارتی سڑکیں ہر جگہ جاتی تھیں ۔ مشرق میں ہندوستان اور چین کے ساتھ اور ادھر مصالح دار جزیروں یعنی ملیشیا کے ساتھ راہ و ربط تھا ۔ قافلوں کے ذریعہ تجارت وسطی ایشیا اور شمالی عرب کے ایک سرے سے لے کر مغرب کی منڈیوں تک جاری تھی ۔ ہسپانیہ کی آمد و رفت فارس کے ساتھ تھی ۔ آل حریری نے بصرہ کی تعریف اِن الفاظ میں کی ۔" یہ وہ جگہ ہے جہاں جہاز اور اونٹ جمع ہوتے ہیں سمندری مچھلی اور چھپکلی ۔ ساربان اور ملاح ۔ مچھوے اور ہل چلانے والے ایک دوسرے سے ملتے ہیں"۔ الغرض اُن سارے ممالک کے لئے جو دریائے دجلہ اور فرات سے سیراب ہوتے ہیں ۔ بندرگاہ بھی تھا اور منڈی بھی ۔ مغرب میں اسکندریہ پر یہی لفظ صادق آتے ہیں +

ہمارے پاس اِس امر کی شہادت ہے کہ عرب اور چین کے درمیان دریائی بچھڑے اور ہاتھی دانت کی تجارت ہوتی تھی ۔ چینی سیاح کی ایک بڑی کتاب موجود ہے جو بارھویں صدی میں عرب کے ساتھ تجارت کے بارہ میں لکھی گئی جس کا ترجمہ حال ہی میں بمقام پیٹرو

گراڈ شائع ہؤا ہے۔ یہ اور بھی قابل لحاظ امر ہے کہ سکنڈے نیویا میں ہزاروں کوفی سکّے ملے ہیں اور تقریباً اُن سب کی تاریخ گیارھویں صدی سے ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ کے اس دُور و دراز حصّے سے بھی مشرق قریبہ کا تعلق تھا +

اِس زمانہ کے علم و ادب اور تاریخ سے ظاہر ہے کہ اُس وقت اخلاقی حالت گری ہوئی تھی اور دین و اخلاق میں جدائی ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ زمانہ حال کی اسلامی حالت بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آل ہروی جیسے عُلما تھے۔ جنہوں نے قرآن کے اعجاز پر تفسیریں لکھ ڈالیں۔ لیکن خلوت میں مے نوشی۔ نشہ بازی اور بادہ گوئی کے مزے اُڑاتے تھے۔ شراب۔ معشوق و غزل کا ذکر نہ صرف عام علم و ادب اور نظم میں پایا جاتا تھا۔ بلکہ فضلائے دین اور فلاسفران مذہب کی زبان پر چڑھا ہؤا تھا۔ ہوآرٹ (Huart) صاحب نے اپنی کتاب "راہب خانوں کی کتاب" (Book of the monasteries) میں یہ بیان کیا ہے۔ "ہم یہ فراموش نہ کریں کہ جب مسلمان مسیحیوں کے حجروں میں داخل ہوئے تو وہ مذہبی جذبات کی تلاش میں وہاں نہ گئے۔ بلکہ محض اس تلاش میں کہ وہاں مے نوشی کا موقع ملیگا۔ کیونکہ محمدی شہروں میں

شراب کا استعمال منع تھا۔ شعرا محض شکر گزاری سے اُن مبارک جگہوں کی تعریفیں گایا کرتے تھے جہاں جام شراب کا حظ اُنہوں نے اُٹھایا تھا۔ جن لوگوں نے اس بد اخلاقی عامہ کے خلاف زبان یا قلم اُٹھائی اُن کو طرح طرح کی ایذائیں اُٹھانی پڑیں۔ چونکہ ریاکاروں کا دربار میں زور تھا۔ اِس لیے مصلحوں کی کوئی نہ سنتا تھا۔

ابن ہمدون (۱۱۱۰ء سے ۱۱۶۷ء) کے بارہ میں لکھا ہے کہ بغداد کی خرابیوں کو دیکھ کر جب اُس نے برملا حملہ کیا تو دبیر سلطنت کے سرکاری عہدہ سے وہ موقوف کیا گیا اور قید میں ڈالا گیا۔ جہاں سے اُس نے جان دے کر رہائی پائی۔ سزائیں بھی سخت ملا کرتی تھیں۔ قرآنی شریعت کے مطابق چوری کی سزا میں اعضا کاٹے جاتے اور یہ سزائیں ایسی عام اور کثرت سے تھیں کہ ٹنڈے لنگڑے اشخاص کی نسبت یہی گمان ہوتا تھا کہ ضرور اس نے کوئی جرم کیا ہوگا۔ جس کی پاداش میں اس کو یہ سزا ملی۔ کہتے ہیں کہ آل زمخشری کا ایک پاؤں موسم سرما میں برف سے گل گیا تھا۔ اِس لیے چلنے پھرنے کے لئے اُسے لکڑی کی ٹانگ استعمال کرنی پڑتی تھی۔ لیکن ساتھ ہی وہ گواہوں کی تحریری شہادت کا سرٹیفکیٹ لئے پھرتے تھے تاکہ وہ ثابت کریں کہ وہ کسی حادثہ سے لنگڑے

ہو گئے تھے نہ کہ کسی جرم کی پاداش میں +

اَل بیہقی جس نے بغداد کے دربار کی تاریخ لکھی - اُس کا بیان ہے کہ دینی سرگرمی کے ساتھ اکثر شراب کی ممانعت کے اسلامی قانون کو بُری طرح سے نظر انداز کیا جاتا تھا - نہ صرف سپاہی اور اُن کے افسر نشہ بازی میں مبتلا تھے - بلکہ سلطان مسعود مے سے مخمور رہتا اور اُس کے رفیق متوالے ہو کر دستر خوان ہی پر لوٹ پوٹ ہوتے تھے - صوبہ خراسان کے صدر مقام غزنی کا ایک نظارہ یوں دکھایا گیا ہے -

"پچاس پیالے اور شراب کی صراحیاں خیمے سے باغ میں لائی گئیں اور جام کی گردش چاروں طرف شروع ہوئی - امیر نے فرمایا - "درست انداز سے یکساں پیالوں میں ہم درستی سے نوش کریں - وہ سرور میں آئے اور مطرب گانے بجانے میں مصروف ہوئے - درباریوں میں سے ایک نے پانچ پیالے ختم کئے - ہر ایک پیالے میں تقریباً آدھ سیر شراب آتی تھی - لیکن پیالے نے اُس کے دماغ کو پریشان کر دیا - اور ساتویں نے اُس کے ہوش و حواس اُڑا دئے - اور جب آٹھویں کو ہاتھ لگایا تو نوکروں نے اُس کو گٹھڑی باندھ کر الگ کر دیا - پانچویں پیالے کے بعد ڈاکٹر کو دور کر دیا - خلیل داؤد دس پیالے چڑھا گیا -

سپاہی روزنے نو ختم کئے پھر اُن کو اُٹھا کر گھر لے گئے۔ ہر شخص فرش پر لُڑھک رہا تھا یا اُس کو لڑھکا رہے تھے۔ حتیٰ کہ سلطان اور خواجہ عبدالرزّاق باقی رہ گئے۔ خواجہ اٹھارہ پیالے چڑھا کر اُٹھا اور کہنے لگا کہ اگر بندہ درگاہ نے ایک اور پیالہ پیا۔ تو عقل بھی جاتی رہیگی اور آنحضرت کی عزّت کا خیال بھی بھول جائیگا۔ اس کے بعد مسعود تن تنہا شراب پیتے رہے اور جب ستائیس بھرے پیالے نوش کر چکے تو وہ بھی اُٹھے۔ پانی اور مصلیٰ منگوایا۔ وضو کیا اور ظہر کی نماز اور مغرب کی نماز اکٹھی کر کے ایسی سنجیدگی سے ادا کی کہ گویا ایک قطرہ شراب اُس نے نہ پیا تھا۔ پھر اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے محل کو روانہ ہوئے"۔

مسعود ۱۰۴۰ء میں مارا گیا۔ اُس کے بیٹوں اور اولاد نے اسلامی دنیا کے اِس حِصّہ پر ایک صدی سے زیادہ سلطنت کی۔ لیکن غزنی جو سلطنت کا دارالخلافہ تھا وہ ملک شاہ کی سلطنت کی ایک ماتحت ریاست کا صدر مقام بن گیا۔

گیارھویں صدی وہ زمانہ تھا جب مغربی یورپ کی قوموں نے اپنی حکومت اور تہذیب کو استحکام دینا شروع کیا۔ اُن کا رسوخ وطن میں اور وطن سے باہر پھیلنے لگا۔ گو عوام الناس اب تک وحشی حالت میں تھے۔ خاندانوں اور رؤسائے ملک کے درمیان کسی قدر ترتیب و تہذیب

اور تمدنی ترقی نمایاں ہوئی ۔ لیکن ایک مؤرخ نے ذکر کیا ۔
کہ شاید یہ اس زمانہ کا خاصہ تھا کہ وحشیانہ ظلم اور ابتری اور
نفسانی جذبات کے جوش و خروش کے ساتھ ساتھ دینی زبردست
احساس بھی پایا جاتا تھا ۔ اس احساس نے اکثر وہم ۔ جوش
ثواب کے کاموں کے بجا لانے اور خاص کر مسیح کی مقدس قبر
کا حج کرنے کی صورت پکڑی ۔ اِس مقدّس شہر تک پہنچنے کی
کوشِش میں ہزاروں نے اپنی جان صحت اور دولت تلف
کی ۔ اِسی قسم کی دینداری ۔ جان نثاری آج تک سرگرم روسی
حاجیوں میں پائی جاتی ہے ÷

جب ایشیا کوچک اور شام کو ترکوں نے فتح کر لیا تو
یروشلم کی آمد و رفت کی راہ منقطع ہو گئی ۔ ۱۰۷۶ء میں (اَل
غزالی کی عمر اٹھارہ سال تھی) ترکوں نے اِن مسیحیوں میں
سے تین ہزار کو تہ تیغ کیا ۔ اور مابعد حکومت نے اِس سے
بھی زیادہ جور و ظلم کو روا رکھا ۔ یہ ذکر آیا ہے کہ معزز صدر
اُسقف کو بالوں سے پکڑ کر گلیوں میں گھسیٹتے پھرے ۔ اور
پھر اُسے زندان میں ڈال دیا ۔ ہر فرقہ کے پادریوں کی بے
عزتی کی اور کمبخت حاجیوں سے ہر طرح کی بدسلوکی عمل
میں آئی" ÷
مسیحی حاجیوں کے ساتھ ایسی بدسلوکی کا حال سُن کر

سارے مغرب میں غیض و غضب بھڑک اٹھا۔ پیٹر فقیر (Hermit) خود یروشلم کو گیا اور یورپ کو واپس جاکر قوموں میں آگ بھڑکا دی۔ اس کا نتیجہ پہلا صلیبی جنگ تھا۔ جس میں پوپ اربن دوم نے ہاتھ بٹایا۔ تین لاکھ ادھورے مسلح اور نیم لباس دہقان دریائے رائن اور ڈینیوب کو عبور کرکے یورپ سے روانہ ہوئے ان میں سے صرف تیسرا حصہ ایشیا کے ساحلوں تک پہنچا۔ وہاں وہ سب کے سب مر کھپ گئے صرف اُن کی ہڈیوں کا مینار باقی رہا جو اِن کے افسوس ناک قصّہ کا بیان کرے +

جو صلیبی جنگ گاڈفرے آف بوُایلان (Godfrey of Bouillon) کی سرکردگی میں ہوئی وہ باقاعدہ جنگی مہم تھی جس میں یورپ کے جوانوں نے حصہ لیا۔ کہتے ہیں کہ بتونیہ کے میدانوں میں ایک لاکھ سوار سر سے پاؤں تک مسلح اور چھ لاکھ پیادے جمع ہوئے۔ اس شمار میں شاید کچھ مبالغہ ہو اور مری اور کال نے ان کی تعداد گھٹا دی ہو۔ تو بھی تین سال سے کم عرصہ میں اس کی اس مہم کا مقصد حاصل ہوگیا۔ ۱۰۹۷ء میں اُنھوں نے نقایا کا محاصرہ کیا اور اُس کو تسخیر کرلیا۔ پھر اُنھوں نے انطاکیہ پر لشکر کشی کی اور سات مہینوں کی محنت کے بعد شہر کا محاصرہ کیا۔ ۱۰۹۹ء میں

اُنھوں نے یروسلم کا محاصرہ کیا اور چالیس دنوں کے محاصرے کے بعد یہ مقدس شہر تسخیر ہؤا۔ "بے رحم اہل فرنگ نے اِن دکھوں اور مصیبتوں کا جو مسیحیوں نے ترکوں کے ہاتھ سے اُٹھائے تھے سخت انتقام لینے سے دریغ نہ کیا۔ یہودیوں کو اُن کے عبادت خانوں ہی میں جلا دیا۔ اور ستر ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ تین دن تک شہر میں لوٹ مار اور قتل عام ہوتا رہا۔ حتّٰی کہ مقتولوں کے سڑنے سے بیماری پھیل گئی"۔

گاڈفرے اور اُس کے جانشینوں نے اپنی حکومت کو دُور تک توسیع دی۔ حتّٰی کہ صرف چار شہر شام میں مسلمانوں کے قبضے میں رہ گئے یعنی حلب۔ دمشق۔ حامات اور حمص مسلمان ہر جگہ غم و شرم کھا رہے تھے اور بڑے آرزومند تھے کہ اپنے دین پر سے یہ ذلت کا داغ دھو ڈالیں۔

۴۹۲ھ میں بقول میور صاحب یروسلم کی تسخیر اور وہاں کے باشندوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کی وجہ سے سارے ملک میں پریشانی پھیل گئی۔ واعظ جا بجا یہ افسوس ناک قصہ سناتے پھرتے تھے۔ انتقام کا جوش پھیلاتے اور لوگوں کو مشتعل کرتے کہ عمر کی مسجد اور رسولِ خدا کے معراج کی جگہ کو کافروں کے قبضے سے

چھڑائیں - خواہ کسی دوسری جگہ اس میں ان کو کامیابی ہوئی ہو۔ لیکن مشرق میں تو یہ کوشش ناکام رہی کیونکہ وہ تو اپنے جھمیلوں میں پھنسے ہوئے تھے اُن کو مقدس زمین کی چنداں پروانہ تھی - کیونکہ ان دنوں میں خلفائے فاطمیہ برسرحکومت تھے - جلاوطنوں کے گروہ جو بغداد میں پناہ لینے کے لئے بھاگے جا رہے تھے وہ عوام الناس سے مل کر یہ چلا رہے تھے کہ اہل فرنگ کے ساتھ جنگ کرنی چاہیئے - لیکن نہ تو سلطان نے اور نہ خلیفہ نے اُن کی فریاد کی طرف توجہ کی۔ دو جمعوں تک باغی یہی چلاتے رہے - آخرکار اُنہوں نے اس مسجد کبرٰے پر حملہ کیا - ممبر کو اور خلیفہ کے تخت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ایسا شور و غل کیا کہ لوگ نماز نہ پڑھ سکے لیکن اس کا خاتمہ یہاں ہی ہو گیا اور کوئی فوج نہ نکلی"۔

خود مسلمانوں کے درمیان بحث و تکرار کا بھرمار تھا - اس وقت تو چار صحیح الاعتقاد فرقے اکٹھے نماز پڑھتے اور اور امن و امان سے رہتے ہیں - لیکن اُن دنوں میں اکثر سخت بحث مباحثے ہوتے ایک دوسرے کے خلاف کتابیں اور رسالے لکھے جاتے اور مختلف فرقوں کے درمیان عداوت اور دشمنی شدت کے ساتھ پائی جاتی تھی - فارسی مؤرخ میرخوند نامی نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے - جس سے ظاہر

ہوتا ہے کہ خلافت کے آخر کے قریب دشمنی کہاں تک ترقی کر گئی - جب چنگیز خاں کا مغل لشکر شہر رے کے سامنے نمودار ہوا تو اُن کو پتہ لگا کہ شہر میں دو حریف فریق تھے - ایک فریق شافعی مذہب کا تھا - دوسرا حنفی مذہب کا - شافعی فریق نے فوراً چنگیز خاں کے لشکر سے پوشیدہ خط و کتابت شروع کی اور یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ حنفی فریق کو تہ تیغ کرینگے تو وہ شہر کو اُن کے حوالے کر دینگے - مغلوں کو تو خونریزی سے کیا دریغ تھا انہوں نے خوشی سے اس شرط کو قبول کیا اور جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو بے رحمی کے ساتھ حنفیوں کو قتل کیا ؛

جب باہمی دشمنی و عداوت کی گرم بازاری تھی اور جنگ و خونریزی کا زمانہ تھا اُن دنوں میں الغزالی کے آخری ایام زندگی گزرے - اسی وجہ سے اُن کو بعض باتوں کے لئے ہم معذور رکھینگے جو دوسری حالت میں ناقابل برداشت اور قابل نفریں ٹھہرتیں - کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ جنگ کا جوش انسانی عقل کو اندھا کر دیتا ہے اور حملہ آوروں میں کسی خوبی کو دیکھنا ناممکن ہو جاتا ہے ؛

ہم ہرگز فراموش نہ کریں کہ ایام طفولیت ہی سے الغزالی صاحب کو مشرقی مسیحیوں سے قریب تعلق پڑا - مسلمانوں

کی فتوحات کے وقت مسیحی دین فارس میں قائم ہو چکا تھا اور
نستورین کلیسیا نے مسلمانوں کے سخت حملہ کا مقابلہ کیا ۔
حالانکہ زردشتی دین اُس حملہ کے سامنے تقریباً معدوم ہو گیا۔
عربوں کی آمد مسیحیوں کے لئے صرف اتنی ہی تھی کہ مغلوں کی
جگہ عرب اُن کے حاکم بن گئے۔ نستورین مسیحی خلیفوں کے رعایا
ہو گئے ۔ اُن کی اُس وقت یہ بُری حالت نہ ہوئی جو آج کل
پائی جاتی ہے ۔ وہ غیر ملکوں میں مسیحی دین کی اشاعت کرتے
رہے ۔ اور خلفائے عباسیہ کے عہد سلطنت میں مشرق میں
تہذیب کی مشعل اُنہوں نے روشن رکھی ۔ ان کو اجازت
تھی کہ اپنے گرجاؤں کو بحال کریں ۔ لیکن نئے گرجا نہ
بنائیں ۔ بلا اشد ضرورت اُن کو اسلحہ لگانے اور گھوڑے
پر سوار ہونے کی ممانعت تھی اگر راہ میں ان کو کوئی مسلمان
مل جائے تو اُن کو حکم تھا کہ گھوڑے پر سے اُتر پڑیں اور
حسب معمول جزیہ ادا کریں تو بھی جب تک خلفا بغداد میں
(۷۵۰ء سے ۱۲۵۸ء) برسر حکومت رہے نستورین مسیحی
فریق نہایت زبردست غیر مسلم گروہ تھا اور اپنے حاکموں کی
نسبت اعلےٰ تہذیب و شائستگی کے مالک تھے ۔ دربار میں
وہ طبابت ۔ کتابت اور دبیر کا کام سر انجام دیا کرتے
تھے ۔ اور اِس وجہ سے اُن کو بہت رسوخ حاصل تھا

اور دینی امور میں اپنے خادمان دین اور بشپوں کے انتخاب و تقرر میں اُن کو پوری آزادی تھی۔ عربی علم کا آغاز جو ہسپانیہ میں ہُوا اور وسطی زمانوں میں جس نے بہت فروغ حاصل کیا بہت کچھ بغداد کے نسطورین مسیحیوں سے ہُوا۔ اُنھوں نے اپنے عرب حاکموں کو وہ یونانی تہذیب و تعلیم پہنچائی جو شامی ترجموں میں اُن کو میراث میں ملی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خلفا اُن کو سارے مسیحی فرقوں میں سے اعلےٰ و افضل سمجھتے تھے اور بعض اوقات نسطوری بشپوں کو سارے مسیحیوں پر حکومت عطا کی +

گیارھویں صدی کے ابتدا میں اَل بیرونی نامی خیوا کے ایک مسلمان مصنف نے بیان کیا ہے کہ خلیفہ کے زیر حکومت مسیحی فرقوں میں سے نسطوری فریق سب سے زیادہ مہذب تھا۔ اُس نے لکھا کہ مسیحیوں کے تین فرقے تھے ملکی۔ نسطوری اور یعقوبی۔" ان میں سے شمار میں سب سے زیادہ ملکی اور نسطوری تھے۔ کیونکہ یونان اور قرب و جوار کے سارے ممالک میں ملکی مسیحی آباد تھے اور شام عراق۔ مسوپتامیہ اور خراسان میں کثرت نسطوری مسیحیوں کی تھی" +

الغزالی نے پہلے بیس سال خراسان میں گزارے۔

اب یہ سوال رہا کہ آیا انجیل کے مطالعہ کے ذریعہ مسیحی دین سے اُنہوں نے واقفیت حاصل کی ؟ ہمیں معلوم ہے کہ گو فارسی ترجمے انجیل کے موجود نہ تھے لیکن عربی ترجمے موجود تھے اسی وجہ سے الغزالی کی تصنیفات میں مسیح اور اُس کی تعلیم کی طرف بہت اشارے ہیں اور معدودے چند ایسے مقام ہیں جن کو ہم ٹھیک طور پر اقتباس کہہ سکیں - جیسا کہ بعد میں ذکر ہوگا - انہوں نے خود بیان کیا " میں نے انجیل میں پڑھا" +

یہ ظن غالب ہے کہ الغزالی نے انجیل کا عربی ترجمہ پڑھا ہوگا - ڈاکٹر کل گور (Kilgore) صاحب نے انجیل کی عربی نسخوں کا جو نویں صدی کے تھے اور عہد عتیق کے ترجموں اور نئے عہد نامہ کے حصوں کا ذکر کیا - جو نیوم زبان میں ۹۴۲ء سے پیشتر ہوئے - شامی زبان سے عہد عتیق کی بعض کتابوں کے ترجمے دسویں صدی سے علاقہ رکھتے ہیں - دوسرے ترجمے ستروں کے ترجمے سے اور قبطی ترجموں سے اور توریت کے بعض نئے ترجمے جنہوں نے سامری توریت اور مسوریٹ نسخوں کو استعمال کیا شامی اور عربی زبانوں میں ڈگلت (Diglot) نسخے بکثرت ہیں - چاروں اناجیل کا نسخہ جس کے چند

اوراق برٹش عجائب گھر میں اب محفوظ ہیں وہ ایسے ڈگلٹ نسخوں کا عمدہ نمونہ ہیں۔ نت ری ان صحرا کے شامی راہب خانے بنام مقدس میری ڈاے پرا (st. mary die para) سے تشندرف صاحب اس نسخے کو یورپ لے گئے۔ گیارھویں صدی کے آغاز میں تطبیق اناجیل اربعہ (Tatian's Diatessaron) کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا۔ یہ وُہی شامی تطبیق اناجیل اربعہ ہے۔ جس نے مسیحی کلیسیا کی اِس امر میں مدد کی کہ ہمارے نجات دہندہ کے بارہ میں بڑے بڑے امور کو سمجھ لیں۔ اُسی صدی کے وسط میں رومن کیتھالک یا ملکی یونانیوں کی کلیسیائی عبادت کے استعمال کے لئے زبور کی کتاب کا ترجمہ ہوا۔ چونکہ اس کا ترجمہ یونانی ترجمہ سے ہؤا تھا اور جس جگہ یہ طبع ہؤا اُس کی وجہ سے یا حلبی زبور (Aleppo psalter) کے نام سے موسوم ہے۔ اب یہ دلچسپ سوال باقی رہا کہ آیا امام غزالی نے اپنی سیاحت کے وقت یا خراسان میں رہائش کے وقت نئے عہد نامے کی تحقیقات کی یا نہیں ؟

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہودیوں نے اپنی تورات کا ترجمہ ۸۲۷ء میں فارسی زبان میں کیا۔ اِس لئے فارسی مسیحیوں کی اِس غفلت کو ہم معذور نہیں رکھ سکتے۔ اُن کے

بشپوں کو اس کے لئے کافی وقت ملا کہ فارسی عربی زبان میں
بڑے بڑے علمی رسالے لکھیں بلکہ ارسطو کی تصنیفات کا ترجمہ
بھی کریں لیکن مسلمانوں کی خاطر اپنی کتاب مقدس کا ترجمہ
نہ کریں - البتہ الکندی اور اُس جیسے دوسرے جن میں سے
اکثروں کے نام اور تصنیفات کھو گئیں وہ خلفا کے دربار میں
اپنے دین کی شہادت دینے سے نہیں شرمائے - بقول ڈبلیو
ٹی - وائٹ لے صاحب "کلیسیا اپنی نواحی کے مسلمانوں پر
اثر ڈالنے میں قاصر نہیں رہی - حالانکہ حکم یہ تھا کہ اگر کوئی
مسیحی کسی مسلمان کو اپنے دین میں شامل کرے تو وہ جان سے
مارا جائے - البتہ ایسے حکم پر اکثر اوقات عمل نہیں ہوا - تو
بھی دمشق اور بغداد میں اسلام نے مسیحی کردہ تاثیر میں نشوونما پایا"
مگر اُس زمانہ کی مسیحیت نہ تو خالص مسیح کا دین تھا نہ اُس کی
محبت اور بے تعصبی کے نمونہ پر تھا - باہمی عداوت اور بدگمانی
کی وجہ سے دیندار مسیحیوں اور دیندار مسلمانوں میں راہ و ربط
مسدود تھی - مسلمانوں سے لوگ ڈرتے تھے اور مسیحیوں کو حقیر
جانتے تھے - مسلمانوں کی نگاہ میں یسوع کے پیرو اللہ کے دشمن
تھے ۔

اُس زمانہ کی شرعی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مسیحیوں
کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا تھا - مسلمانی معنی میں وہ کافر سمجھے جاتے

تھے ۔ اور محض جزیہ ادا کرنے کے ذریعہ ہی اُن کی جان بخشی ہوتی تھی ۔ اِس جزیہ کے دینے کے ذریعہ اُن کو چند حقوق مل جاتے تھے۔ شافعی فرقہ کا نہایت مشہور معلم شرع آل نواوی نامی ۱۶۲۷ء میں بمقام دمشق تعلیم دیا کرتا تھا ۔ اُس نے یہ قانون ٹھہرایا تھا ۔"جو کافر جزیہ ادا کرے اُسے محصول لینے والا نفرت کی نگاہ سے دیکھے ۔ محصول لینے والا بیٹھا رہے اور کافر اُس کے سامنے کھڑا رہے اور اس کا سر اور بدن جھکا رہے ۔ کافر اپنے ہاتھ سے روپیہ ترازو میں ڈالے اور محصول لینے والا اُسے داڑھی سے پکڑے رکھے اور اُس کی گالوں پر طمانچے مارتا جائے ۔ کافر اپنے گھر اپنے قرب و جوار کے مسلمانوں کے گھروں سے اونچے بنانے نہ پائیں ۔ بلکہ اُن کے برابر اونچا بھی نہ بنائیں ۔ لیکن یہ حکم اُن کافروں کے لئے نہیں جو الگ محلے میں رہتے ہوں ۔ ہمارے سلطان کی کافر رعیت گھوڑے پر سوار نہ ہو ۔ البتہ گدھے اور خچر پر سوار ہو سکتا تھا خواہ اُن کی قیمت کتنی ہی کیوں نہ ہو ۔ وہ اعکاف اور لکڑی کی رکاب استعمال کرے ۔ لوہے کی رکاب استعمال کرنا اُسے منع تھا ۔ اور زین استعمال کرنا بھی ۔ اگر راہ میں کوئی مسلمان جاتا ہو تو آپ سڑک کے کنارے ہو جائے ۔ اور مسلمان کو گزر جانے دے ۔ کوئی اُسے عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے نہ کسی مجلس میں وہ صدر

نشین ہو۔ وہ اپنے لباس کے لئے رنگین کپڑا استعمال کرے اور کمر بند کپڑوں کے اوپر باندھے۔ اگر وہ کسی حمام میں داخل ہو جہاں مسلمان ہوں یا اگر اُن کی حاضری میں وہ اپنے کپڑے اتارے تو کافر اپنے گلے میں لوہے کا طوق ڈالے یا جست کا یا غلامی کا کوئی دیگر نشان پہنے۔ وہ مسلمانوں کو ناراض نہ کرے نہ اپنی جھوٹی تعلیم سنا کر نہ عزراہ یا مسیح کا بلند آواز سے نام لیکر نہ برملا شراب پینے یا سؤر کا گوشت کھانے سے۔ کافروں کو منع تھا کہ گرجاؤں کے یا عبادت خانوں کے گھنٹے بجائیں یا اپنی بد دینی کی رسوم برملا ادا کریں" +

پروفیسر مارگلوتھ صاحب لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کے عہد حکومت کے مسیحی جماعتوں کی ٹھیک ٹھیک تاریخ لکھنا مشکل ہے۔ کیونکہ ان جماعتوں کو اپنی حالت لکھنے کا موقعہ نہ تھا اور نہ ایسا کرنا خطرہ سے خالی تھا۔ اور مسلمانوں کو اِس کی طرف توجہ کرنے کی پرواہ نہ تھی۔ عموماً اُن کی حالت ویسی ہی تھی جیسی یونانی اور روسی عالموں نے عورتوں کی بیان کی ہے یعنی یہ کہ وہ لازمی زحمت تھی۔ چونکہ وہ بے اسلحہ ہوتے تھے۔ اِس لئے اُن کا مال و دولت ہمیشہ معرض خطر میں تھا۔ گو یہ سچ ہے کہ مطلق العنان ریاستوں میں جہاں حاکم مختار مطلق تھا ساری رعیت کا یہی حال تھا تو بھی غیر مسلم رعایا نہ صرف

بادشاہوں سے ظلم اُٹھانی تھی بلکہ انبوہ مردمان سے بھی جہاں کہیں کوئی مصیبت آتی تو مسیحیوں پر الزام آتا اور جن ممالک کا انتظام باقاعدہ تھا وہاں بھی مصیبت کے ایام میں مسیحیوں پر الزام تھوپا گیا"۔

اِس زمانے میں مسیحیوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں عمل میں آئیں اور جو بدحالت پائی گئی اس پر پردہ ڈالنا ہی بہتر ہوگا۔ لیکن امام غزالی کی کتاب "احیا" میں ایسی خوفناک حالت کا ذکر ہے۔ جس کی طرف مارگلوتھ صاحب نے اشارہ کیا۔" ایک شہوت نفسانی جس کا نام نہیں بنایا ایک وقت مسلمانوں میں ویسی ہی عام تھی جیسی قدیم یونانیوں میں اِس شہوت کا شکار اکثر کمبخت مسیحی نوجوان ہوتے تھے۔ مؤرخ یاقوت نے اڈبیہ یا عرفہ کے ایک نوجوان راہب کا بیان کیا ہے۔ جس پر ایک سعد نامی فقیہہ عاشق ہو گیا۔ اس مسلمان کا بار بار اس نوجوان کو ملنے جانا راہبوں کو ایسا بُرا لگا کہ اُنہوں نے اُس کی آمد ورفت بند کردی۔ اِس پر سعد کو ایسا رنج پہنچا کہ ایک روز وہ راہب خانے کی دیوار کے باہر مُردہ پایا گیا۔ مسلمانوں نے یہ مشہور کیا کہ راہبوں نے اُسے مار ڈالا اور حاکم نے یہ تجویز کی کہ وہ نوجوان راہب جس کی وجہ سے یہ حادثہ

ہؤا پھانسی دیا جائے اور جلا دیا جائے اور اُس کے رفیقوں کو بید لگائیں - لیکن راہبوں نے ایک لاکھ درہم ادا کر کے مخلصی حاصل کی" ۔

نہ صرف مسلمانوں کی اخلاقی حالت ایسی تھی بلکہ گیارھویں صدی میں مسیحیوں کی اخلاقی حالت بھی ویسی ہی خراب تھی ۔ ایک رومن کیتھالک مورخ نے اُس زمانہ کو لوہے کا زمانہ کہا ہے جو ہر طرح کی نیکیوں سے معرّا تھا - اور جست کا زمانہ جس میں ہر طرح کی بدی کی کثرت تھی - "معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اُس وقت سویا پڑا تھا - جس وقت جہاز پر لہریں زور مار رہی تھیں اور سب سے بدتر امر یہ تھا کہ جس وقت مسیح سو رہا تھا کوئی شاگرد بھی ایسا نہ تھا جو فریاد کر کے اُس کو جگائے - کیونکہ وہ خود خواب غفلت میں سوئے پڑے تھے" ۔

پوپیت کے دشمنوں نے شاید اِس صدی اور ماقبل صدی کے پوپوں کی بدیوں اور خرابیوں کا بیان مبالغے سے کیا ہو - لیکن کلیسیا ہی کے مورخوں کا بیان ہے کہ کلیسیا کفر نفسانیت اور شہوت پرستی میں غرق تھی - جب آٹھو اوّل قیصر جرمنی روم میں آیا تو اُس نے بزور شمشیر چند اخلاقی اصلاحیں جاری کیں لیکن بقول ملنر صاحب (Milner) آٹھو کے قوانین کا نتیجہ یہ ہؤا کہ پوپوں نے شکنجہ اور شراب خوری کی بدیاں چھوڑ

کر لالچ اور مکاری کی بدیوں کو اختیار کر لیا۔ دُور اندیشی کی روش اور حکم کی اطاعت جو بدیوں کی کثرت کے باعث جاتی رہی تھی وہ بتدریج پھر بحال ہو گئی۔ لیکن اس کا آغاز گیارھویں صدی کے آخری حصے میں ہوا" +

اِس صدی میں مشنری سرگرمی ہنگری۔ ڈنمارک۔ پولینڈ اور پرشیا کے اُن حصوں ہی میں محدود رہی جہاں پہلے انجیل کی بشارت نہ ہوئی تھی۔ بریمن کے آدم (Adam) صاحب نے ۱۰۸۰ء میں یہ لکھا "ڈنمارک کی تند خو قوم کی طرف دیکھو کہ وہ اب مدّت سے خدا کی تعریف ہیلویاہ گاتے ہیں۔ اُن دریائی چوروں کی طرف نگاہ کرو۔ اب وہ اپنے ملک کے پھلوں ہی پر گزران کرتے ہیں۔ اُس دہشت ناک علاقہ کو دیکھو۔ جہاں سراسر بُت پرستی ہوتی تھی اب وہ مبشرانِ انجیل کو خوشی سے قبول کرتے ہیں" +

اہلِ پرشیا اس ساری صدی میں برابر بُت پرست رہے۔ یہ ذکر آتا ہے کہ جو اٹھارہ مشنری اُن میں خدمت کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے وہ مقتول ہوئے۔ یورپین قوموں میں سے غالباً یہ آخری قوم تھی جنہوں نے سب سے پیچھے مسیحی دین کو قبول کیا +

مسیحیوں کی تاریخ میں مغرب میں اِس صدی کا سب سے

افضل شخص اَن سلم (Anselm) تھا۔ یہ تقریباً اُسی وقت پیدا ہُوا جس وقت کہ الغزآلی پیدا ہُوا تھا۔ اور اُس نے ۱۱۰۹ء میں وفات پائی۔ اُس کی زندگی بہت باتوں میں اُس کے ہمعصر کی مانند تھی۔ دونوں عالمان الہیات اور دونوں صوفی تھے۔ اور دونوں نے اپنی روحوں کے لئے اطمینان حاصل کرنے کی خاطر دنیا اور اُس کی تحریصوں کو ترک کیا۔ دونوں نے اپنے اپنے مذہب کی حمایت میں معذرت نامے لکھے۔ اور دونوں بے دینی اور فلسفے کے دشمن تھے۔ اِن دونوں نے اپنی تصنیفات اور وعظوں کے ذریعہ نہایت تاثیر کی۔ الغزآلی نے اسلامی دینی زندگی کی ترقی و تجدید کی کوشش اپنی کتاب احیا کے ذریعہ کی۔ اور اَن سلم نے اپنی مشہور کتاب (Curdeus Homo) لکھی۔ اور دین کو استحکام دینے کی خاطر انہوں نے فلسفوں کی تردید کی +

اِس قرینے میں یہ یاد رکھنا دِلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اَن سلم صاحب کی مذکورہ بالا مشہور کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوگیا ہے اور جو مشنری مسلمانوں کے درمیان کام کرتے ہیں وہ اُسے استعمال کرتے ہیں۔ اور الغزآلی صاحب کی کتاب بنام "اقرارات" کا انگریزی میں ترجمہ ہوگیا اور یہ اُس کی خلوص دلی اور دینداری کی شہادت ہے +

اَن سلم اور الغزآلی دونوں کی زندگی اور تصنیفات میں آئندہ جہان یوم عدالت کے خوف اور شریروں کے بد انجام کا گہرا احساس پایا جاتا ہے۔ یہ بھی اُس زمانہ کی خاص خصوصیت تھی +

جس زمانہ میں الغزالی زندہ تھا۔ اُس کو سمجھنے کے لئے ہم
کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بغداد کے خُلفائے عباسیہ اور سلجوق سلاطین
کے عہد سلطنت میں علوم و فنون کو بہت فروغ حاصل تھا۔ یہ ذکر
ہو چکا ہے کہ حکّام نے عُلما کی کیسی قدر دانی کی۔ مدرسے قائم کئے
اور تعلیم کو دینی طریقے پر ترقی دی۔ عربی علم ادب کے ہر صیغے میں مسلمان
عالموں کے بیشمار نام پائے جاتے ہیں ۔

امام غزالی کے مشہور ہمعصر عالموں میں سے ایک ابی وردی
نامی شاعر تھا۔ (۱۱۱۳ء) ایک ابن خیاط جو بمقام دمشق ۱۰۵۸ء میں
پیدا ہوا اور فارس میں ۱۱۲۵ء میں مرگیا۔ الغازی (۱۰۴۹ء)
جس نے نظامیہ کالج کی تعریف اور کیفیت نظم میں لکھی۔ وہ
الغزالی کا ہم مکتب تھا۔ اور اُس نے خراسان میں وفات پائی۔
ایک طرطوسی نامی (۱۰۸۰ء میں پیدا ہوا) جو الغزالی سے عمر میں
چھوٹا تھا۔ لیکن اِن سب میں مشہور شاعر الحریری تھا (۱۰۵۴ء
سے ۱۱۲۲ء تک) جس کی کتاب بنام "مقامات" اُس زمانہ کے
طور طریقوں اور اخلاق پر بہت روشنی ڈالتی ہے۔ جو طلبا نظامیہ
دار العلوم میں تھے اُن میں سے ایک شخص الخطیب نامی تھا۔
(۱۰۳۰ء میں پیدا ہوا) جو علم زبان میں شہرہ آفاق تھا۔ اور ابن
عربی جو بمقام سیولے (Seville) ۱۰۷۶ء میں پیدا ہوا۔
اور الغزالی کی تعلیم سُننے کے لئے بغداد گیا۔ شافعی عالموں میں

سے سب سے بڑا۔ اَل رَیانی نامی گزرا ہے۔ وہ بھی الغزالی کا ہمعصر تھا۔ یہ نیشاپور میں درس دیا کرتا تھا اور اُس نے فقہ کی مشہور کتاب "بحر العلوم" نامی لکھی۔ سنہ ۱۱۰۸ء میں ایک روز جب اُس نے اپنا درس ختم کیا تو قاتل (حشیشین) فرقہ کے ایک متعصب شخص نے اُسے قتل کر ڈالا۔ ہم الغزالی کے ایک ہم جماعت اَل حَرَثی نامی (سنہ ۱۰۵۸ء سے سنہ ۱۱۰۱ء) کا بھی ذکر کرینگے۔ اِس نے بھی نیشاپور میں امام اَل حَرَمَین سے تعلیم پائی۔ پھر وہ بغداد کو گیا اور باقی عمر نظامیہ دار العلوم میں علم الہیات پڑھاتا رہا۔ ہم اَل بیضاوی کو بھی فراموش نہ کریں جس نے قرآن کی مشہور تفسیر لکھی۔ اور علم الہیات پر دیگر رسالے تحریر کئے (سنہ ۱۱۲۲ء)۔ آل رغب۔ اَل اصفہانی جس نے سنہ ۱۱۰۸ء میں وفات پائی۔ اور قرآن کی لغات حروف تہجی کے سلسلہ کے مطابق لکھی۔ اِس کا نام "مفردات الفاظ القرآن" ہے۔ اِس میں حدیثوں اور شاعروں کی کتابوں سے اقتباسات بھی دئے گئے ہیں۔ اِس نے اخلاق پر بھی ایک رسالہ لکھا جسے امام غزالی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے یعنی کتاب الذّاریعہ۔ اور قرآن کی ایک تفسیر لکھی۔ الغزالی کے ابتدائی ہمعصروں میں سے ہم علی بن عثمان اَل جُبی اَل جوری کو نہ بھولیں جس نے تصوّف پر فارسی میں ایک رسالہ لکھا جو اب تک موجود ہے۔ وہ بمقام غزنی واقع افغانستان پیدا ہوا اور سنہ ۱۰۶۲ء میں وفات پائی۔

جبکہ الغزالی کی عمر چودہ سال تھی - آل ہجوری نے دور و نزدیک محمدی ممالک میں سیاحت کی اور اُس کی کتاب "کشف المحجوب" میں بہت سے باتیں پائی جاتی ہیں جن کی الغزالی نے پیچھے تعلیم دی - اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس کتاب سے واقف ہو گئے - ان شہرۂ آفاق علما کی فہرست کو تکمیل دینے کی خاطر ہم نیشاپور کے آل میدانی کا ذکر بھی کرینگے جس نے ۱۱۲۴ء میں وفات پائی اور ضرب الامثال کی ایک مشہور کتاب لکھی - اور آل زمخشری کا جو ۱۰۷۴ء میں پیدا ہوا - اس نے قرآن کی مشہور تفسیر لکھی - اور ابن تومرت مغرب کا مشہور فلاسفر جو نظامیہ دار العلوم میں الغزالی کے لکچر سنتا رہا اور الشہرستانی جس نے مختلف مذاہب اور فرقوں کا بیان لکھا اور مقابلہ مذہب کے بارے میں سارے مسلمانوں کے درمیان یہ مستند کتاب ہے - بہت امور کے لحاظ سے یہ زمانہ اسلامی ادب کا سنہری زمانہ تھا اور بلاشک یہ اعلےٰ درجہ کی تعریف ہے کہ مسلمانوں اور مسیحیوں دونوں کی رائے میں الغزالی اپنے سب ہمعصر علما پر سبقت لے گیا - اگر طرزِ عبارت و فصاحت میں نہیں تو کم از کم اپنی تصنیفات کی وسعت اور خوبی میں تو ضرور - اور سب سے بڑھ کر اُس کی زندگی کی تاثیر زیادہ عالمگیر اور دیرپا تھی - اب ناظرین کی خاطر اُس کی زندگی کا قصہ اور اُس کے پیغام کی کیفیت بیان کرنے کی کوشش کرینگے ؞
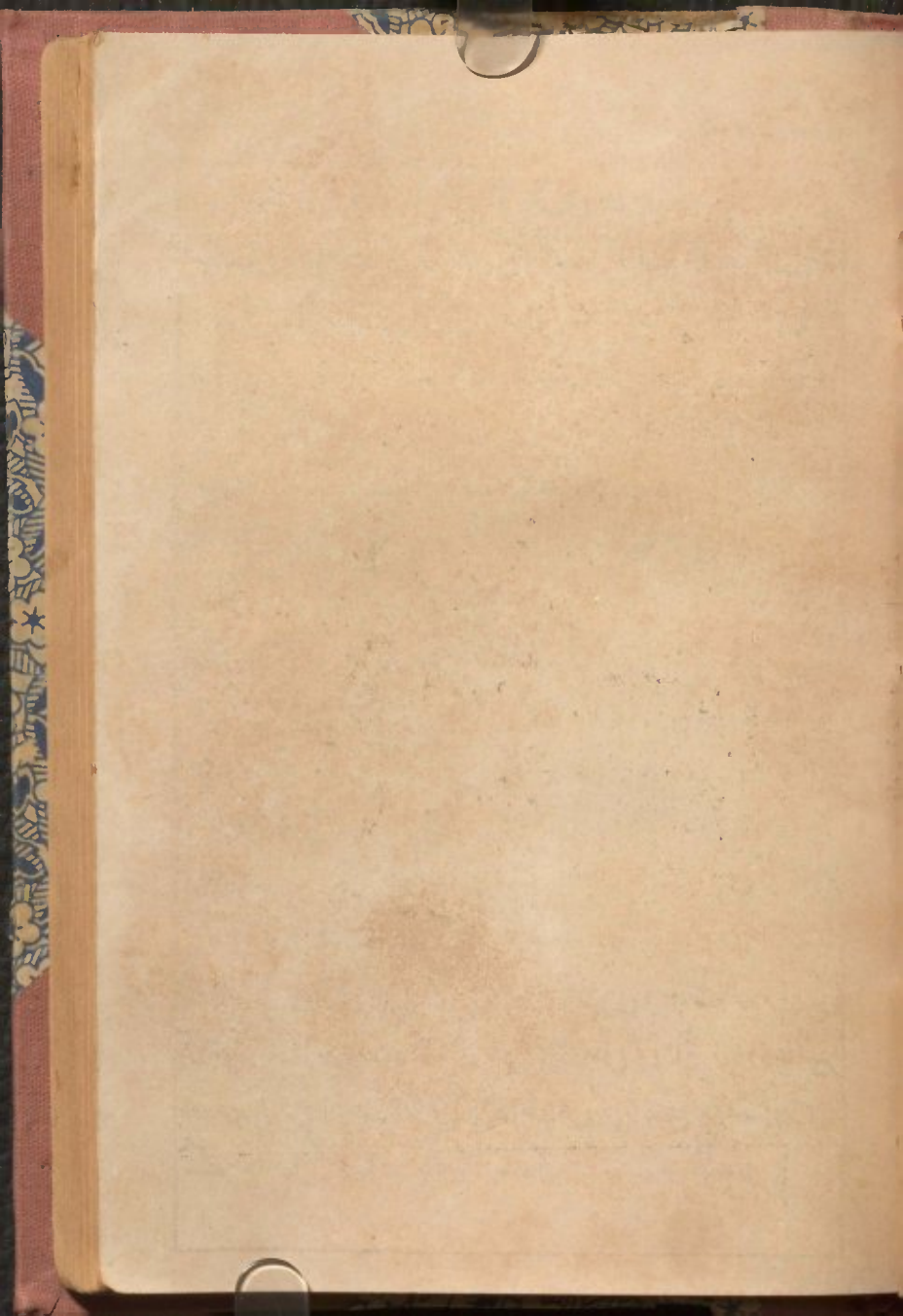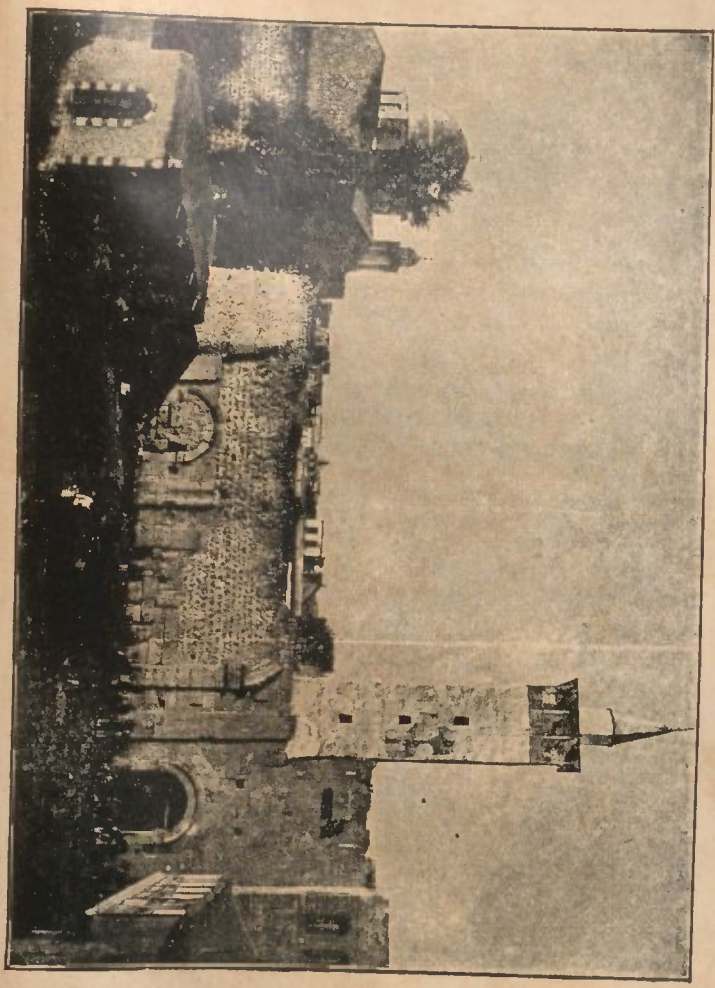
باب توما بدمشق الشام

پیدائش اور تعلیم

جیسا مذکور ہوا الغزالی خراسان واقع فارس میں پیدا ہوا اور وہاں ہی اُس نے تعلیم حاصل کی اور اپنی زندگی کے آخری ایام بھی وہاں ہی صرف کئے۔ جیسا کہ ہو آرٹ صاحب نے بیان کیا۔ فارس میں ایک غیر محسوس قوت تھی۔ یعنی آریا ذہانت اور آریا یورپین خاندان کی زبردست متخیلہ اختراع کنندہ طبع۔ مصورانہ۔ فلاسفرانہ تیز دماغ جس نے زمانہ عباسیہ سے لے کر بہت عرصے تک عرب کے علم ادب پر ایسا زبردست سکّہ جمایا کہ خلفا کی سلطنت کے ہر حصّے میں اُس کے نشو و نما میں مدد کی اور بیشمار کتابیں پیدا کیں۔ اِسی آریا ذہانت کے باعث الغزالی کی زبردست تاثیر مسلم خیال پر ہوئی اور جس کی وجہ سے اُس تاثیر میں ہمارے زمانہ میں پھر جان پڑ گئی جب کہ اسلامی طاقتوں کا شکنجہ ڈھیلا ہو رہا ہے۔ الغزالی کے ایام میں فارس کا رسوخ سب سے زبردست تھا۔ یہ رسوخ ہر جگہ سرایت کر گیا تھا۔ عربوں نے تحریر کرنا چھوڑ دیا تھا۔ نظم۔ علم الٰہی۔ اور سائنس میں فارسی تصنیفات گوے سبقت لے گئیں۔ سارے عہدے ملکی اور شرعی غیر عربوں کے ہاتھ میں تھے۔ تو بھی جس زبان کا رواج تھا وہ قرآن کی

زبان تھی اور خلفا کی وسیع سلطنت میں تحریر و تصنیف اسی زبان میں ہوتی تھی " ساری تو میں فارسی۔ شامی اور مغرب کے بربری اس زبردست دیگ میں پگھل کر ایک ہو گئیں" ؛

الغزالی پیدائش سے فارسی تھا۔ خیالات میں آریا۔ مذہب میں سامی۔ اور سیاحت و تعلیم کے ذریعہ وہ محب عالم یعنی ہر ملک کا خیر خواہ ہو گیا۔ چونکہ وہ اپنے زمانے کے اسلامی صدر مقاموں میں دیر دیر تک سکونت رکھتے رہے اس لئے ہر طرح کے خیالات اور ہر قسم کے مذاہب و فلسفوں سے اُن کا گہرا تعلق رہا۔ اس کے یاد رکھنے سے ہم کو اُن کی وسیع علمی تصنیفات کا راز معلوم ہو جائیگا۔ اُن کی نظر کا اُفق افغانستان سے ہسپانیہ تک اور کردستان سے جنوبی عرب تک پھیلا ہوا تھا۔ دارالاسلام سے باہر کفرستان یورپ میں جو کچھ واقع ہو رہا تھا۔ اُس کا حال صلیبی جنگوں کے ذریعہ معلوم ہوتا رہا ؛

صاحب علم اشخاص کا راہ و رابطہ بذریعہ خط و کتابت اسلامی دنیا کے ہر حصے کے ساتھ تھا۔ ان خطوں کا ذکر آتا ہے جو الغزالی کو ہسپانیہ۔ مراکو۔ مصر۔ شام اور فلسطین سے آتے رہے۔ فقہ۔ فلسفہ۔ اور علم الٰہی کے سوالات سلاطین زمانہ مشہور مستند علما کے پاس جواب کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ جو وسعت اُس کی تصنیفات میں پائی جاتی ہے

اُس کی یہی وجہ ہو گی +

مور (moore) شاعر نے الغزالی کے وطن کا یہ ذکر کیا ہے :- "آفتاب کا خوشنما صوبہ - فارسی ممالک میں سے یہ پہلی سرزمین ہے جس پر سورج چمکتا ہے - جہاں اُس کی شعاعوں کی خوبصورت شکلیں پیدا ہوتیں اور پھول اور پھل ہر ندی پر لہلہاتے ہیں - اور ساری ندیوں میں سے خوبصورت ندی مُرغا وہاں بہتی ہے - سرو کے درخشاں محلوں اور کنجوں میں" +

لفظ خراسان کے معنی ہی یہ ہیں "سرزمین آفتاب" - اور ساسانی قدیم سلطنت جن چار حصوں میں منقسم تھی ان میں سے یہ ایک حصہ تھا - قطب نما کے بڑے بڑے نقطوں کے مطابق اُن کے نام رکھے گئے تھے - عربی فتوحات کے بعد یہ نام ایک خاص صوبہ کا بھی تھا اور عام طور پر فارس کے سارے مشرقی علاقہ کا یہ نام تھا - اب تک اُس صوبہ کی حدود ٹھیک طور پر بیان نہیں ہوئیں - اس کا کل رقبہ ۱۵۰۰۰۰ مربع میل ہے اور حال میں اس کی آبادی ۸۰۰۰۰۰ سے زیادہ نہیں - بلاشک الغزالی کے زمانہ میں اِس کی آبادی اس سے کہیں زیادہ ہوگی +

شمال اور جنوب مغرب کی طرف خراسان پہاڑی ہے

مشرق کی طرف کوہستان ہے لیکن سلسلہ کوہ کے مابین وسیع
ویران علاقہ ہے - ان ویرانوں میں سے سب سے زیادہ وسیع
"دشت کبیر" ہے - سارے علاقہ میں خاص کر طوس کے نزدیک
جو میدان اور سرسبز وادیاں ہیں وہ ایک دوسرے پر سبقت لے
جانے میں جد و جہد کرتی رہتی ہیں - پھسلتے ریگستانوں نے کئی
قصبوں اور دیہات کو نگل لیا ہے - اس علاقہ میں مشکل سے
کوئی دریا پایا جاتا ہے اور جو چند ندیاں نالے ہیں وہ مزے میں
تلخ ہیں اور صحرائے شور میں جذب ہو جاتے ہیں - جو نمک ان
دریاؤں کے ذریعہ بہ آتا ہے وہ دلدلوں میں جمع ہو جاتا ہے -
موسم گرما کی شدت تمازت ان کو خشک کر ڈالتی ہے - حتیٰ کہ
موسم سرما کے سیلاب پھر رواں ہو جاتے ہیں - چونکہ یہ عمل زمانہ لو
سے جاری ہے اس لئے وہ سارا قطعہ زمین جہاں دلدل پھیلا
ہوا ہے نمک کی تہ بن گیا ہے +

سیاح اور موسم شناس اس امر پر متفق ہیں کہ یہ سارا ملک
تمازت آفتاب سے اور قلت آب سے جھلس گیا ہے -
شہروں اور دیہات کے کھنڈرات بیشمار پائے جاتے ہیں - جن
سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں آبادی کثرت سے
ہوگی اور آب و ہوا بہت بہتر ہوگی اور آبپاشی کا بہتر انتظام
ہوگا - یہ کہنا خلاف انصاف ہوگا کہ فارس کی یہ ساری تباہی جنگ

جدل اور اسلامی بدانتظامی کا نتیجہ ہے ۔

"خراسان ۔ آذربائجان ۔ کرمان اور سیستان کے چاروں صوبوں کا مقابلہ کرنا بقول ہنٹنگٹن صاحب خالی از دلچسپی نہیں۔ فارس کے باقی علاقوں کی نسبت خراسان نے جنگ و جدل سے زیادہ نقصان اُٹھایا ۔ اس کا شمالی حصّہ جہاں بارش کثرت سے ہوتی ہے اور جہاں سب سے زیادہ لڑائیاں وقوع میں آئیں آج فارس کے سب سے زیادہ آباد حصّوں میں ہے اس میں بیشمار کھنڈرات ہیں لیکن وہ ایسے دلچسپ نہیں جیسے کہ جنوب کی طرف کے کھنڈرات ہیں اس علاقہ کے جنوبی اور زیادہ خشک حصّے میں کھنڈرات بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہاں کی آبادی بہت گھٹ گئی ہے ۔ آذربائجان جس نے جنگ سے دوسرے علاقوں کی نسبت ماسوائے خراسان کے زیادہ نقصان اُٹھایا وہ فارس کے علاقوں میں زیادہ آباد اور گنجان ہے ۔ چونکہ نسبتاً یہاں پانی کی کثرت ہے اس لئے اِس کا مستقبل زیادہ پُراُمید ہے ۔ سیستان نے بھی جنگوں سے نقصان اُٹھایا لیکن ماقبل دو علاقوں کے برابر نہیں ۔ تو بھی یہاں کی آبادی بہت گھٹ گئی ۔ یہ علاقہ ایسا بنجر ہو گیا ہے کہ اس کا بحال ہونا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے ۔ سوائے ہلمند کے قرب و جوار کے۔ کرمان نے صحرا اور کوہستان سے دور واقعہ ہونے کے باعث پہلے تین صوبوں کی نسبت لڑائیوں سے کم نقصان اُٹھایا ۔

تو بھی اس کے شہروں کے کھنڈرات اور آبادی میں ایسی شدت کی کمی تقریباً ویسی ہی نمودار ہے جیسے سیستان کے۔ اگر فارس کے تنزل کا باعث جنگ و بدانتظامی ہو تو یہ قابل لحاظ ہے کہ جن دو صوبوں نے جنگ سے زیادہ نقصان اُٹھایا اور بدانتظامی سے بھی وہ آج کل زیادہ سر سبز اور پُر آباد ہیں اور جن دو صوبوں نے لڑائی اور بدانتظامی سے کم نقصان اُٹھایا وہ ایسے اُجڑے ہیں کہ ان کا بحال کرنا تقریباً ناممکن نظر آتا ہے" +

آج کل خراسان کے صوبہ کی سرزمین سطح مرتفع۔ شور صحرا اور پھل دار سیراب وادیوں پر مشتمل ہے۔ اِن پھل دار علاقوں میں۔ چاول۔ کپاس۔ زعفران۔ لیکن خصوصاً خربوزے اور دیگر پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ دیگر پیداوار یہ ہیں۔ گوند۔ تین۔ فیروزہ وغیرہ جو ہندوستان کو بھیجے جاتے ہیں۔ خاص دستکاریاں یہ ہیں تلواریں۔ مٹی کے برتن۔ قالین روئی اور کتانی اشیا +

شہر مشہد نے جو آج کل خراسان کا صدر مقام ہے پرانے شہر اور علاقہ طوس کی جگہ چھین لی ہے جو قدیم زمانہ میں صدر مقام تھا۔ اِس شہر کے کھنڈرات پندرہ میل شمال کی جانب پائے جاتے ہیں۔ دسویں صدی میں بھی الغزآلی کے مولد کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مسعار مہلہیل (۹۴۱ء کے قریب) نے یہ رقم کیا۔ یہ چار قصبوں کے اجتماع سے بنا ہے۔ اِن میں سے دونوں بڑے

قصبے ہیں اور دو کم مشہور - اس کا رقبہ ایک مربع میل ہے - اس میں خوبصورت یادگاریں ہیں جو اسلام کے آغاز سے پائی جاتی ہیں - مثلاً حمید ابن خطاب کا گھر - علیؓ ابن موسےٰ اور رشید کا مقبرہ اس کے قرب و جوار میں"- استخری (۳۴۰ھ ۹۵۱ء) نے اس سے دس سال بعد یہ تحریر کیا کہ طوس ایک ماتحت ریاست تھی - جس میں چار شہر یا بستیاں تھیں - اس نے یہ بھی بیان کیا" طوس نیشاپور کی ماتحت ریاست تھا اور اس میں یہ چار شہر تھے - زرکان - طبران - بضغور - نوکن - اس آخری شہر میں علی ابن موسی الرضا (رضی اللہ عنہ) کا مقبرہ تھا - اور ہارون رشید کا مقبرہ - الرضا کا مقبرہ سن آبض نامے گاؤں سے تقریباً پونے فرسنگ کے فاصلہ پر تھا" طوس کی مختصر بہتر تاریخ اور اس کی موجودہ حالت کا بیان پروفیسر اے - وی ولیم جیکسن صاحب نے لکھا ہے - (A . V . William Jackson) کتاب بنام "قسطنطنیہ سے عمر خیام کے گھر تک" وہ لکھتے ہیں کہ طوس کا نام ویسا ہی قدیم ہے کہ اس بہادر طوس کا جس کا ذکر اوستا میں آیا ہے کہ اس نے کوراآن سے جنگ کی تھی - اسکندر اعظم بستبوس آخری دارا کے قاتل کے تعاقب میں اس شہر میں سے گزرا - زردشتی عہد حکومت میں طوس کا شہر نیشاپور کی طرح نسنوریں مسیحی بشپ کا دارالقرار تھا - جب عربوں نے فارس کو فتح کیا تو طوس نے

حملہ آوروں کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور اسلام کا بڑا مرکز بن گیا۔ اِس کی شہرت خاص کر اِس لئے بھی ہے کہ یہ فردوسی شاعر کا شہر تھا جو ۹۳۵ء کے قریب پیدا ہؤا اور ۱۰۲۵ء میں مرگیا ٭

پروفیسر جیکسن صاحب نے اِس شہر کی موجودہ اُجڑی حالت کا یہ بیان کیا ہے ۔"اِس مُردہ شہر کی شکستہ دیواریں ایک وقت بہت وسیع اور بلند فصیلیں تھیں ۔بہت کچھ انہیں کی مانند جو بستان اور رعے میں پائی جاتی ہیں ۔ لیکن امتداد زمانہ کی وجہ سے وُہ بہت کچھ پھیل گئی ہیں ۔ اُن برجوں کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں اور اُن سے شہر کے نقشہ کا پتہ لگتا ہے کہ وہ ایک بے قاعدہ مربع صورت کا ہوگا ۔ جس کی اطراف عموماً قطب نما کے مطابق ہونگی ۔ جو نظارہ ہم نے دیکھا وہ ایک ایسا عجیب تھا جس سے انسان کے ہاتھ کے تباہ کن نتیجوں اور فطرت کی سرسبز کرنے والی ابدی طاقت کا تماشا نظر آتا تھا ۔ غرض جھنڈوں اور مغل لشکروں کے حملوں کے ساتھ زلزلوں نے مل کر طوس کے عالیشان شہر کو تباہ و برباد کر دیا ۔ لیکن اِس کی خاک میں پھولوں اور اناج کے زندگی بھرے بیج پائے جاتے ہیں ۔ جو موت کے درمیان زندگی از سرِ نو پیدا کرتے ہیں ۔ چاروں طرف جو اور ایک خاص قسم کے پودے سرسبز کھیت پائے جاتے ہیں اور ساتھ ہی وہ بنجر قطعے ہیں جو گذشتہ زمانے کی تباہی

کا قصہ سنا رہے ہیں"۔ پروفیسر موصوف نے یہ بھی لکھا۔" یہ ظاہر ہے کہ طوس کے جن کھنڈرات کو ہم دیکھ رہے ہیں وہ معہ روض بارا اور رضان پھاٹکوں کے طبرآن کے قلعہ کا حصہ تھے۔ فردوسی کے ایام میں شہر کا یہ حصہ بہت مشہور تھا۔ اُس وقت شہر کا رقبہ بہت وسیع تھا۔ اور اِس کے کئی چوک بہت گنجان آباد تھے۔ دسویں صدی کے مشرقی جغرافیہ نویسوں نے یا اُس زمانہ کے مورخوں نے اِس کا بیان کیا ہے۔ جو اِس شاعر کی زندگی کا بہترین زمانہ تھا"۔ طبرآن ہی میں الغزالی مدفون ہوا۔ اور غالباً اپنی زندگی کے آخری ایام اُس نے وہاں ہی گزارے ہونگے"

طوس میں مذہبی بحث مباحثوں کی گرم بازاری تھی۔ مسیحیوں کی آبادی بھی وہاں کثرت سے تھی۔ شیعہ لوگوں کا زور بھی وہاں اتنا ہی تھا جتنا کہ حنفیوں کا تھا۔ اُن کا نہایت مشہور مصنف اور عالم ابو جعفر محمد نامی طوس ہی میں پیدا ہؤا۔ اور ابن ابی حاتم جو حدیث کے علم جرح کا قدیم عالم تھا اس نے ۹۳۹ء میں طوس ہی میں وفات پائی۔ لیکن باوجود یہاں کے عُلما کے طوس کو بہت اعلےٰ شہرت حاصل نہ ہوئی جیسا کہ ابن جبریہ کی تحریر سے ظاہر ہے۔ نظام الملک کے ایک دُشمن نے اس سے درخواست کی کہ اُس حاکم کی ہجو لکھے۔ اس پر اُس نے جواب دیا کہ جس شخص کی مہربانی سے یہ ساری نعمتیں

مجھے حاصل ہوئیں جو میرے گھر میں پائی جاتی ہیں - اُس کی ہجو میں کیسے لکھوں - لیکن جب اُس کو تاکید کی گئی تو اُس نے جو شعر لکھا اُس کا ترجمہ یہ ہے :-

"کیا عجب کہ نظام الملک حکمرانی کرے
اور تقدیر اُس کی حمایت پر ہو ؟
اقبال رہٹ کی مثل ہے
جس سے پانی کنوئیں کی تہ سے اوپر آتا
لیکن بیل ہی اُس کو چلاتے ہیں"

جب وزیر کو خبر لگی کہ اُس پر یہ حملہ ہوا تو اُس نے صرف اتنا کہا کہ اس میں صرف اُس کے وطن کی طرف اشارہ تھا - کیونکہ میرا وطن طوس واقع خراسان ہے اور وہاں کی ضرب المثل ہے - کہ طوس کے سب لوگ بیل ہیں - (آج کل کہینگے گدھے ہیں) +

چینری (Chenery) صاحب لکھتے ہیں کہ "اہل خراسان اپنے بُخل کے باعث بدنام تھے اور یہ تعجب نہیں کہ اس صدر مقام کے باشندے بُخل میں دُنیا کے سب باشندوں پر سبقت لے گئے ہوں - اگر میری یادداشت میں غلطی نہ ہو تو شیخ سعدی نے گلستان میں مرو کے ایک سوداگر کا ذکر کیا ہے جس نے اپنے بیٹے کو پنیر کھانے کی اجازت نہ دی بلکہ اُسے کہا کہ جس بوتل میں وہ رکھا تھا اُس پر اپنی روٹی رگڑ لے" +

زمانہ حال کے اہالیان خراسان کی احمقی ثابت کرنے کے لئے میجر پی۔ ایم سائیکس نے ایک قصہ بیان کیا کہ "تین فارسی اشخاص ایک جگہ اکٹھے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے صوبہ کی تعریف کرنے لگا۔ کرمانی نے کہا کہ "میرے صوبے کرمان میں سات رنگوں کا پھل پیدا ہوتا ہے"۔ شیرازی نے کہا کہ "رکناباد کے پانی عین چٹان میں سے نکلتے ہیں"۔ لیکن بیچارہ خراسانی یہی کہہ سکتا تھا کہ "خراسان سے میرے جیسے احمق ہی نکلتے ہیں"۔

توبھی بقول ہجویری خراسان کی سرزمین "وہ خط تھا جہاں خدا کی عنایت کا سایہ پڑتا تھا"۔ اس میں اُس نے صوفیوں کی تعلیم کی طرف اشارہ کیا۔ اُس نے تو مشہور صوفیوں کا ذکر کیا ہے جو خراسان کے علاقہ سے تھے اور وہ الغزالی کے زمانہ سے پیشتر وہاں تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ سب اپنی بلند خیالی۔ اپنی تقریر کی فصاحت اور اپنی عقل کی جدت کے باعث مشہور تھے۔ اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ "خراسان کے سارے شیخوں کا بیان لکھنا دشوار ہوگا۔ صرف اُسی ایک علاقے میں مجھے تین سو ایسے شخص ملے جو علم تصوف میں ایسے ماہر اور کامل تھے کہ ان میں سے ایک واحد شخص ساری دنیا کے لئے کافی ہوتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ محبت کا آفتاب اور صوفی طریقت کا اقبال خراسان میں ہمیشہ سمت الراس پر تھا"۔

ایسے بیانات سے یہ واضح ہے کہ الغزالی کی قابلیت کچھ تو اِن مقامی حالات سے حاصل ہوئی اور کچھ اُس کی اپنی ذہانت کا نتیجہ تھا۔ وہ تصوّف کا بانی نہ تھا بلکہ جو کچھ اُس کے ماقبل اُستادوں نے تعلیم دی تھی اُس کو اُس نے استعمال کیا۔ الغزالی نے تصوّف پر جو کتابیں لکھی ہیں اُن کے عنوان وہی ہیں جو کشف المحجوب کے ہیں۔

بقول مرتضےٰ (جو السبقی کے بعد ہوا) الغزالی کا پورا نام ابو حمید محمد بن محمد بن محمد الطوسی الغزالی تھا۔ وہ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں بمقام طوس پیدا ہوا۔ اُس کے نام کے بارہ میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُس سے پیشتر بعض دوسروں کے خاندانی نام بھی ایسے تہرے تھے۔ "ابن قطیبہ کا بیان ہے کہ ابو البختاری کا نام وہب بن وہب بن وہب تھا۔ یعنی ایک ہی نام تین دفعہ دُہرایا گیا اِسی کی مثل سلاطین فارسی کے ناموں میں بہرام بن بہرام بن بہرام تھا۔ ابوطالب کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام حسن بن حسن بن حسن تھا اور غسان خاندان میں سے ایک شخص الحارث خورد بن الحارث اور بن الحارث کلاں تھا"۔

اس کے نام کے بارہ میں کہ آیا صرف زتشدید کے ساتھ پڑھا جائے یا بلا تشدید طول طویل بحث ہوئی۔ پروفیسر میکڈانلڈ صاحب کی رائے میں زتشدید کے ساتھ پڑھنی چاہئے اور اپنے ایک خاص رسالے میں اس کے دلائل دئے ہیں۔ ابن

خلیقان نے اپنی لغات سوانح عمری میں اِس کے ہجے تشدید کے ساتھ کئے ہیں (۱۲۸۲ء)۔ لیکن بقول السامعنی اس لفظ کا ماخذ غزل ہے جو طوس کے نزدیک ایک گاؤں تھا۔ اور یہ تخلص نہیں جیسا کہ اکثر خاندانی ناموں میں پایا جاتا ہے۔ ابوسعد عبد الکریم السامعنی غزالی کی وفات کے دو سال کے بعد پیدا ہوا اور آٹھ جلدوں میں اِن لقبوں اور تخلصوں پر ایک کتاب لکھی۔ اِس لئے وہ ناموں اور شجرہ نسبوں میں ماہر تھا۔ ہم اس بزرگ امام کے ناموں کے ہجے کے بارہ میں اُس کی سند قبول کر سکتے ہیں۔ یہ شخص اُس کا ہم وطن بھی تھا۔ قاہرہ کے ازہر دار العلوم کے سارے شیخوں نے اِسی سند کو مان کر الغزالی ہجے کئے بلا تشدید کے۔

بعضوں کا بیان ہے کہ اِس خاندان میں دو عالم پیشتر گزر چکے تھے۔ ایک الغزالی کلاں۔ طوس کے قبرستان میں جس کی قبر پر دعا کا جواب ملا۔ یہ الغزالی کے والد کا چچا تھا۔ دوسرا اس کا بیٹا تھا۔ خود غزالی ہی کی سند پر ایک قصہ بیان ہوا ہے۔ کہ اُس کے باپ کی وفات کے وقت اُس نے اپنے دو بیٹوں کو یعنی محمد اور احمد کو تعلیم کے لئے ایک معتبر صوفی دوست کے سپرد کیا۔ اُس کی اپنی خواہش اپنی تعلیم کے بارہ میں پوری نہ ہوئی تھی۔ اِس لئے اُس نے مستقل ارادہ کیا کہ اُس کے بیٹوں کو تعلیم کا بہتر موقعہ ملے۔ اِس لئے جو کچھ نقد مال تھا

اِس مقصد کے لئے اپنے اس دوست کے سپرد کیا۔ وہ دوست بڑا وفادار ثابت ہؤا۔ اور جب تک روپیہ باقی رہا۔ اُن لڑکوں کی تعلیم و تربیت کرتا رہا۔ بعدازاں اُس نے انہیں یہ صلاح دی کہ ایک مدرسہ میں جائیں جہاں ان کو حسب ضرورت خوراک اور مکان ملیگا۔ اپنی زندگی کے آخر میں الغزآلی نے اپنی زندگی کے اِس حصے کے تجربہ کا بیان کیا اور یہ کہا۔ "ہم خدا کے سوا کسی اور شے کے طالب بنے۔ لیکن خدا کی مرضی یہ نہ تھی کہ ہم اُس کے سوا کسی دوسری شے کے طالب بنیں"۔ اِس مثال سے ظاہر ہے کہ اُس کے مطالعہ اور ساری جد وجہد کی غرض کیا تھی۔ شروع میں تو وہ دینداری کی نسبت شہرت اور دولت کا طالب تھا۔ طوس میں اُس کی خاندانی زندگی اور پھر بابعد اُس کے اپنے عیال و اطفال کی زندگی کا حال بہت کم معلوم ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اُس کو یہ نام ابوحمید بہت دیر بعد دیا گیا۔ شاید اس میں یہ ایما ہو کہ اس نام کا اُس کا کوئی بیٹا تھا۔ جس نے ایام طفولیت میں وفات پائی۔ بیس سال کی عمر سے پہلے ہی اُس نے شادی کی اور اُس کی وفات کے بعد اُس کی کم از کم تین بیٹیاں باقی تھیں۔ مگر اِس کے چھوٹے بھائی کے بارہ میں جس نے اُس سے پندرہ سال بعد وفات پائی (۱۱۲۶ء) اور قزوین میں مدفون ہؤا ہمیں یہ معلوم ہے کہ نظامیہ سکول میں الغزالی کی جگہ وہ معلم ہؤا۔ اُسی

کی طرح وہ بھی صوفی تھا اور اپنے خیالات کو بڑی فصاحت سے بذریعہ تقریر و تحریر بیان کیا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت شکیل و وجیہ شخص تھا اور شفا دینے کی کرامت اُسے حاصل تھی۔ بر ملا وعظ کہنے کا وہ ایسا مشتاق تھا کہ اُس نے اپنے شرعی اور قانونی مطالعہ کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اُس نے اپنے بھائی کی مشہور تصنیف کا خلاصہ لکھا۔ اور تصوف پر ایک مشہور رسالہ بنام منہاج ال الباب۔ (دلوں کے لئے راہ) تصنیف کیا۔ اِس کتاب میں اُس نے افلاس کے فوائد کا بیان کیا اور اِس امر کی تائید کی کہ درویش ایک خاص قسم کا لباس اختیار کریں۔ ایک اور کتاب اُس نے علم موسیقی کی حمایت میں لکھی جس کا نام بوآرق ال العلم رکھا۔ لیکن پابند شرع مسلمان اِس کتاب کو چھچھوری سمجھتے ہیں۔ گو صوفی لوگ حالت وجد کے طاری کرنے کے لئے موسیقی کو استعمال کرتے ہیں +

الغزالی کی والدہ کی نسبت اِس سے زیادہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے بعد زندہ رہی اور بغداد میں اپنے بیٹوں کی شہرت اور عزت دیکھنا اُسے نصیب ہوا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ اُن کے ہمراہ گئی تھی یا پیچھے اُن کے پاس گئی۔ ایک دلچسپ قصہ بیان ہوا ہے کہ جب ابو حمید بغداد میں اپنے عروج کی حالت میں تھا۔ تو اُس کا بھائی احمد اُس کی مناسب عزت نہ کیا کرتا تھا۔ بلکہ ایسا سلوک کرتا جس سے لوگوں کی نظر میں اُس کی خفت ہو۔ وہ

پورا قصہ لکھنا خالی از لطف نہ ہوگا ؎۔

" اُس کا ایک بھائی احمد نامی تھا۔ جس کا دوسرا نام جمال الدین یا بقول بعض اشخاص زین الدین تھا۔ اگرچہ اُس کا بھائی اعلےٰ درجہ پرہمیز گار تھا۔ لیکن وُہ اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھتا تھا۔ یعنی اس کو امام تسلیم نہ کرتا تھا۔ حالانکہ عوام الناس اور اُمرا و وزرا میں سے ہزارہا صف در صف اُس کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اِس لئے الغزالی نے اپنی ماں سے اپنے بھائی کے سلوک کی شکایت کی۔ اور کہا کہ اُس کے ایسے سلوک سے عوام کے دِل میں اُس کی طرف سے شبہ پڑ جائیگا۔ کیونکہ اس کا بھائی نیک چلنی اور دینداری کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ اِس لئے اُس نے اپنی والدہ سے درخواست کی کہ احمد کو حکم دے تاکہ وُہ اُس سے ویسا ہی سلوک کرے جیسا دوسرے لوگ اُس سے کرتے تھے۔ امام غزالی نے بار بار شکایت کی اور تاکید سے والدہ کو کہا۔ اُس کی والدہ نے بار بار احمد کو سمجھایا کہ یہ صلاح مان لے۔ آخر احمد نے اِس شرط پر اِس صلاح کو مان لیا کہ وہ صف سے علیحدہ کھڑا ہؤا کریگا۔ امام نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور ایک روز جب نماز کا وقت پہنچا۔ امام مسجد کو گیا اور جماعت اُس کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ اور جب امام نے نماز شروع کی اور جماعت بھی اُس کے پیچھے پڑھنے لگی۔ جمال الدین کچھ فاصلہ سے اُس کے پیچھے نماز پڑھنے

لگا - اور جب لوگ نماز پڑھ رہے تھے تو جمال الدین نے یک لخت دخل دیا - اِس لئے یہ سلوک پہلے سے بد تر تھا - اور جب اُس سے اِس کی وجہ دریافت کی تو اُس نے جواب دیا کہ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ ایسے شخص کو نمونہ پکڑوں جس کا دِل خون سے معمور تھا - اس سے اُس کی مراد یہ تھی کہ جو شخص دنیادار عالموں کے ساتھ شریک ہو اُس کا دِل کیسے درُست ہو گا" ؂

الغزالی نے بہت اوائل عمر میں تحصیل علم شروع کی ہوگی - اور طوس میں اُسے تعلیم میں ایسی کامیابی ہوئی کہ بیس سال کی عمر سے پیشتر ہی وُہ جرجان کے بڑے تعلیمی مرکز میں تعلیم پانے گیا - یہ جگہ طوس سے ایک سو میل سے زیادہ فاصلہ پر تھی اور اس وقت کے لحاظ سے یہ سفر بہت دور دراز کا سمجھا جاتا تھا ؂

الغزالی نے جو اپنی زندگی کی سر گزشت لکھی اُس سے پتہ لگتا ہے کہ اس نے اِس امر کو محسوس کیا کہ بچہ کیسے حکمت اور قد میں نشوونما پاتا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "پہلی حِس جو انسان پر منکشف ہوتی ہے وہ مَس کی حِس ہے جس کے ذریعہ سے وہ ایک خاص قسم کی صفات کو پہچاننے لگتا ہے مثلاً سردی - گرمی تری - خشکی وغیرہ - مَس کی حِس رنگوں اور شکلوں کو محسوس نہیں کرسکتی - وہ تو اُس کے نزدیک کالعدم کا حکم رکھتی ہیں - اِس کے بعد بصارت کی حِس حاصل ہوتی ہے - جس کے ذریعہ

انسان رنگوں اور شکلوں کو پہچاننے لگتا ہے۔ یعنی اُن اشیا کو جو عالم احساس میں سب سے اعلےٰ درجہ رکھتی ہیں۔ بعد ازاں حس سامعہ حاصل ہوتی ہے اور بعد ازاں حس شامہ اور حس لامسہ۔ جب انسان عالم احساس سے آگے قدم رکھتا ہے یعنی سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اُسے قوت تمیز حاصل ہوتی ہے۔ اُس وقت وہ زندگی کے ایک نئے طبقے میں داخل ہوتا ہے اور اِس قابلیت کی برکت سے حواس سے اعلےٰ تاثیرات کا تجربہ کرنے لگ جاتا ہے جو عالم احساس میں اُسے حاصل نہ تھیں"۔

الغزالی ایام طفولیت ہی سے علے الصباح اُٹھنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے جو کتاب بنام "دین و اخلاق میں مبتدی کا رہنما" (اَل بدایت) لکھی اُس میں یہ ذکر کیا کہ "جب تم خواب سے بیدار ہو تو پَو پھٹنے سے پہلے اُٹھنے کی کوشش کرو اور سب سے پہلے جو خیال تمہارے دل میں اور جو الفاظ تمہاری زبان پر ہوں وہ خدائے تعالےٰ کی یاد ہو اور یہ کہو "خدا کا شکر ہو۔ جس نے خواب کی موت کے بعد ہمیں زندگی عطا کی۔ ہم اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اُس نے ہمیں اور ساری فطرت کو جگایا۔ عظمت اور قدرت خدا ہی کی ہے۔ شوکت اور حکومت رب العالمین کی ہے۔ اُس نے ہمیں دین

اسلام کے لئے اور اُس کی وحدت کی شہادت کے لئے بیدار کیا۔ اور اپنے رسول محمد کے دین اور ہمارے باپ ابراہیم کی اُمت ہونے کے لئے جو حنیف اور مسلمان تھا اور مشرک نہ تھا۔ اے خدا میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے آج ساری برکتیں عطا فرما اور ہر ایک بُرائی سے مجھے چھڑا۔ تیری ہی عنایت سے ہم خواب سے بیدار ہوتے ہیں اور تیری ہی مدد سے شام تک پہنچتے ہیں۔ تجھی میں ہم جیتے اور مرتے ہیں اور تیری طرف ہی ہم رجوع کرتے ہیں"۔

اُسی چھوٹے رسالے کے ایک دوسرے مقام میں علے الصباح اُٹھنے کی اُس نے یوں تلقین کی "یہ جان لو کہ دن اور رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اس لئے رات اور دن میں تمہاری نیند آٹھ گھنٹے سے زیادہ نہ ہو۔ کہ جب تم ساٹھ سال کی عمر تک پہنچو تو یہ خیال تمہارے لئے کافی ہوگا کہ تم نے اپنی عمر کے بیس سال سراسر نیند میں ضائع کئے"۔

شاید سات سال کی عمر سے پیشتر اُس نے پڑھنا شروع کیا کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ طوس میں اور بعد ازاں جرجان میں نہ صرف اُس نے دینی سائنس کو حاصل کیا بلکہ فارسی اور عربی میں پوری مہارت حاصل کی۔ اُس کے دینی مطالعہ کا ہم پیچھے ذکر کرینگے۔ اُس نے خود ہمیں بتایا کہ جو علوم اُس وقت سکھائے جاتے تھے ان میں علم ریاضی۔ منطق۔ علم طبعی۔

علم مابعد الطبیعت سیاست اور اخلاق داخل تھے" اگرچہ اس نے اپنے "اقرارات" میں اپنی ابتدائی طالب علمی کا ذکر نہیں کیا لیکن علم ریاضی کے بارہ میں جو بیان اُس نے کیا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوائل عمر ہی میں اُسے کس قسم کے شک شکوک پیدا ہوئے۔ اُس نے لکھا ہے کہ "علم ریاضی میں علم حساب۔ علم اقلیدس اور علم کیفیت عالم داخل تھے۔ دینی علوم سے اس کا کچھ تعلق نہ تھا اور دین کی اس سے نہ تائید ہوتی ہے نہ تردید یہ ایسے اثبات پر مبنی ہے جن کو آدمی اگر ایک دفعہ جان اور سمجھ لے تو اُن کی تردید نہیں ہو سکتی۔ لیکن علم ریاضی سے دو بُرے نتیجے نکلتے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص اس علم کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس کے ثبوتوں کی خوبی اور وضاحت کا مداح ہو جاتا ہے۔ فلسفہ کا اعتبار اُس کے دل میں بڑھنا جاتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے سارے صیغوں میں ایسے ہی پختہ اور واضح ثبوت ہونگے جیسے کہ علم ریاضی کے تھے لیکن جب وہ لوگوں کو یہ کہتے سنتا ہے کہ ریاضی دان بے اعتقاد اور بے دین ہوتے ہیں اور شریعت الٰہی کی طرف سے بالکل غافل اور یہ عام مشہور ہے۔ ان کے سُنے سُنائے وہ بھی یہ الزامات لگانے لگتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اپنے دل میں یہ کہتا ہے۔ کہ اگر دین میں کوئی صداقت ہوتی تو اُن عُلما سے چھپی نہ

رہتی جنہوں نے علم ریاضی کی تحصیل میں اپنی تیز فہمی اور عقلمندی
کا ثبوت دیا +

دوم۔ جب وہ آگاہ ہوتا ہے کہ اِن عالموں نے دین و مذہب
کو رد کر دیا تو وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ مذہب کو رد کرنا امر معقول ہے۔
"میں بہت ایسے شخصوں سے ملا ہوں جنہوں نے مذہب کو صرف
اسی وجہ سے رد کر دیا تھا۔ جس کا ذکر اُوپر ہوا" (صفحہ ۲۸) +

نہ صرف علم ریاضی بلکہ علم نجوم اور دیگر علوم بھی مکاشفہ کے عقائد
کے خلاف نظر آتے تھے۔ الغزالی نے اِسے بہت شدت سے
محسوس کیا ہوگا اُس نے یہ تحریر کیا "جاہل مسلمان خیال کرتے ہیں
کہ دین کی حمایت کرنے کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ سارے
صحیح علوم کو رد کریں۔ اور اُن کے معلموں پر گمراہی کا الزام لگائیں
وہ سورج اور چاند گرہن کے مسائل کو رد کر دیتا ہے اور دین کے
نام سے اِن پر کفر کا فتوے لگاتا ہے یہ الزامات دور تک جاتے
ہیں اور فیلسوفوں کے کانوں تک جا پہنچتے ہیں۔ وہ یہ جانتے
ہیں کہ اِن کا انحصار اٹل اثبات پر ہے۔ اِس لئے اِن علوم پر تو
اُن کو کچھ شک پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ برعکس اِس کے وہ یہ سمجھنے
لگتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد جہالت اور علمی دلائل و اثبات کے انکار
پر ہے۔ یوں فلسفہ کی محبت تو اُس کے دل میں بڑھ جاتی ہے اور
دین کی طرف سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اِس لئے ایسے قیاس سے

دین کو سخت نقصان پہنچتا ہے کہ اسلام کی حمایت علوم صحیحہ کے انکار پر مبنی ہے ۔ دین میں کوئی بات ایسی نہیں جس سے ان علوم کی تردید یا تائید ہو ۔ اور وہ علوم بھی دین پر کوئی حملہ نہیں کرتے ۔ نبی کے یہ الفاظ کہ " آفتاب اور ماہتاب خدا کی قدرت کے دو نشان ہیں اُن کا گرہن کسی کی پیدائش یا موت کا نشان نہیں جب تو ان نشانوں کو دیکھے تو آعوذ باللہ پڑھ اور خدا کا نام لے ۔ اِن الفاظ سے کسی طرح علم نجوم کے حساب کی تردید نہیں ہوتی ۔ کیونکہ ان کا انحصار اِن دو اجرام کی گردش ۔ اتفاق اور جدائی پر ہے جو خواص قوانین کے مطابق عمل میں آتے ہیں "۔ اِس قرینے میں ہم یہ یاد رکھیں کہ عمر خیام منجم شاعر نے اِن دنوں بہتوں کو دین سے گمراہ کیا ۔

عربی صرف و نحو کی تحصیل اور قرآن کو حفظ کرنے کے بعد اِس شوقین طالب علم نے علم جرح کو سیکھنا شروع کیا ۔ الغزالی کے اُستادوں نے اور خود الغزالی نے قرآن کی صحیح تلاوت پر بہت زور دیا ۔ الغزالی نے اپنی کتاب احیا کے ایک فصیح مقام میں اِن باتوں کا ذکر کیا ۔ قرآن کو پڑھنے سے پیشتر آدمی بدنی طور پر پاک صاف ہو ۔ اور کتاب کی عزت و تعظیم بجا لاکرے ایک خاص انداز سے پڑھے ۔ اُس نے سعد اور عثمان کے نمونہ کو پسند کیا کہ وہ قرآن کو ہفتے میں ایک دفعہ ختم کیا

کرتے تھے - قرآن کو ترتیل سے پڑھے کیونکہ اِس سے قرآن کے حفظ کرنے میں مدد ملتی ہے - اور آہستہ آہستہ پڑھے - جلد جلد پڑھنے کو ناپسند کیا - بلکہ گریہ وزاری سے پڑھے - یعنی اپنے گناہوں پر غم کھاتے ہوئے - مناسب مقاموں پر مناسب وقفوں کے ساتھ پڑھے - دِل میں اور بلند آواز دونوں طرح سے پڑھ سکتے ہیں - لیکن بقول حدیث اِلحان سے پڑھے "جو شخص قرآن کو الحان سے نہیں پڑھتا وہ ہمارے دین کا نہیں - ایک دن جب محمد صاحب نے ابوموسےٰ کو قرآن پڑھتے سُنا تو فرمایا کہ "فی الحقیقت اِس قاری کو خدا نے حنجرۂ داؤدی عطا کیا ہے جب انہوں نے مزامیر لکھے" +

بہ قرین قیاس ہے کہ یوسف نساج جو اُس کا پہلا اُستاد تھا وہ صوفی تھا اور بعد ازاں امام الحرمین مقرر ہؤا مذکورہ بالا امور پر تاکید اکید کیا کرتا تھا - الغرض جس کرہ میں الغزالی نے تعلیم حاصل کی وہ تصوّف کا کُرّہ تھا +

قرآن کے مطالعہ کے بعد اُس نے احادیث کا مطالعہ شروع کیا - ان احادیث کے مستند مجموعے اس وقت مروّج تھے - اِس کے بعد الغزالی کے ایام میں طالبعلم فقہ کا مطالعہ شروع کیا کرتے تھے - اِس مضمون پر جو مستند کتابیں پائی جاتی ہیں جو الغزالی کے زمانہ سے پیشتر لکھی گئیں اور جو پیچھے خود الغزالی نے لکھیں

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ طوس اور جرجان کے سکولوں میں اِن کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی - پہلا سبق شرعی طہارت کے بارے میں تھا - بذریعہ وضو غسل اور مسواک - بعض حالتوں میں شرعی ناپاکی کے لئے سارے بدن کا غسل مقرر تھا - پھر عورتوں کے حیض و نفاس اور ایام حمل کے لئے ہدایات تھیں - پھر دوسرے حصہ میں نماز - اس کے اوقات و شرائط و مطالبات کا بیان تھا اور اس حصے میں ان چار باتوں کا ذکر بھی آیا ہے جن میں عورتوں کی نماز مردوں کی نماز سے متفرق تھی - پھر زکوٰۃ - روزہ اور حج کا بیان ہے - خرید و فروخت کے قوانین ہیں - قرض کے لئے اور میراث و وصیت کے لئے ہدایات ہیں - یہ آخری مضمون بہت مشکل اور پیچیدہ ہے - بعد ازاں طالب علم نکاح و طلاق کا بیان پڑھتا - اِس کے متعلق اسلامی فقہ کی کتابوں نے بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے - پھر جرائم تشدد - جہاد اور بقر عید کی قربانی کی رسومات کا ذکر آتا ہے - اِن فقہ کی کتابوں کے آخری تین بابوں میں عموماً قسم کھانے - شہادت دینے اور غلاموں کی آزادگی کا ذکر آتا ہے

ایام طفولیت سے لے کر الغزالی شافعی مذہب رکھتا تھا - جو چار بڑے مذاہب میں سے ایک تھا - امام شافعی نے جس کے مقبرہ کی زیارت کے لئے الغزالی قاہرہ گیا - اور

جہاں آج تک لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ اس نے احادیث کی غلامی اور علم منطق کی آزادگی کے بین بین اسلامی شرع کی تفسیر کی۔ بقول میکڈانلڈ صاحب "تاریخ شرع میں لاکلام امام شافعی سب سے افضل و اعلےٰ گزرا ہے۔ شاید ابو حنیف کی طرح یہ معقول پسند اور تیز طبع نہ تھا لیکن عقل و مزاج و طبیعت میں اعتدال اور اسباب و نتائج کا صاف علم رکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کا جواب قاطع و ساطع ثابت ہوتا۔ اس کے بعد ردّ وکدّ کی کوششیں ہوئیں۔ لیکن وہ سب ناکامیاب ٹھہریں۔ اسلامی شرع کی عمارت بلا جنبش کھائے کھڑی رہی"۔ امام شافعی کے مقلدوں کا شمار اب تقریباً چھ کروڑ ہے۔ ان میں سے تقریباً نصف تو نذرلنڈ انڈیز میں پائے جاتے ہیں اور باقی مصر۔ شام۔ حضر الموت۔ جنوبی ہندوستان اور ملیشیا میں۔ ان سب کے رہبان الغزالی شافعی کا رتبہ سب سے بڑا ہے *

جن دنوں میں وہ امام ابو نصر الاسماعیلیہ سے تعلیم پایا کرتا تھا ان دنوں کا ایک دلچسپ قصہ بیان ہوا ہے۔ اس مشہور معلم کی تعلیم کے اس نے بہت نوٹ (notes) لکھے تھے لیکن جو کچھ لکھا تھا اُس کے حفظ کرنے میں اُس نے غفلت کی ۔ بقول میکڈانلڈ صاحب یہ اُس کی عادت معلوم ہوتی ہے کیونکہ

جو اقتباسات اُس نے دئے ہیں وہ اکثر بہت لاپروائی پر دلالت
کرتے ہیں اور اس کے مخالفوں میں سے ایک نے یہ بڑا الزام اُس
پر لگایا کہ اُس نے حدیث کی تکذیب کی"۔ لیکن جرجان سے طوس
کو واپس جاتے وقت اُس کو اچھا سبق ملا۔ ڈاکوؤں نے راہ میں
اس پر حملہ کیا اُس کے کپڑے اُتار لئے اور جس جزدان میں اُس
کے تحریری کاغذات تھے وہ بھی لے گئے۔ اس کی وہ برداشت
نہ کرسکا۔ وہ اُن کے پیچھے بھاگا۔ اگرچہ اُنہوں نے اُس کو موت
کا خوف دلایا لیکن اُس نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بلکہ اُن سے منت
کی کہ وہ کاغذات اُس کو واپس کردیں کیونکہ وہ اُن کے کسی کام کے
نہ تھے۔ الغزالی کو کچھ ظرافت میں بھی دسترس تھی اور اُسے اِس
خیال سے ہنسی آتی تھی کہ یہ چور شریعت کا مطالعہ کرینگے۔
ڈاکوؤں کے سردار نے پوچھا کہ اُن کاغذات میں اُس کا کیا دھرا
تھا۔ الغزالی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔" اُس جزدان میں
میں وہ تحریریں ہیں جن کے سُننے اور لکھنے کی خاطر اور اُن کا علم
حاصل کرنے کے لئے میں نے دور و دراز کا سفر کیا"۔ اِس پر
ڈاکو سردار زور سے ہنسا اور کہنے لگا۔" تم کو کیسے معلوم ہے کہ اِن
میں علم مندرج ہے جب کہ ہم نے تم سے وہ کاغذ چھین لئے۔
اور اُس علم سے تم کو معرّا کردیا۔ اور اب تم بغیر علم کے ہو"۔ لیکن
وہ کاغذات اُس نے اُس کو واپس دیدئے۔ الغزالی کا بیان

ہے کہ "خدا نے یہ آدمی مجھے سبق سکھانے کو بھیجا تھا" پھر الغزالی واپس طوس کو گیا اور تین سال وہاں رہ کر اُن سارے نوٹوں کو حفظ کر لیا۔ تاکہ آئندہ اُن کی چوری کا خطرہ نہ رہے"۔

تھوڑے عرصے کے بعد طوس سے دوسری دفعہ تحصیل علم کے لئے نیشاپور گیا جہاں علامہ عصر تعلیم دیا کرتا تھا۔ نیشاپور طوس سے اونچاس ۴۹ میل مغرب کی طرف واقع تھا اور عربوں نے اُسے ۳۱ھ میں فتح کیا تھا۔ یاقوت نے اپنی لغات جغرافیہ میں یہ بیان کیا ہے کہ جو جو شہر اُس نے دیکھے اُن سب میں وہ خوبصورت تھا۔ اِسی شہر میں ہمدانی نے اپنے چار سو مقامات لکھے اور اپنے حریف پر فتح پائی۔

جن دوسرے بزرگوں کا تعلق اِس شہر سے تھا ان میں سے ایک تو عمر خیام شاعر تھا۔ ایک مفسر قرآن احمد الثعلبی۔ اور میدانی جس نے عربی امثال کو جمع کر کے ایک مشہور جلد میں رکھا۔

اِس شہر یا علاقہ کا قدیم نام اَبراشہر تھا۔ ساسانیوں کے عہد حکومت میں اس جگہ کو علم دین کی وجہ سے شہرت حاصل تھی۔ تین مشہور مقدس آتش کدوں میں سے ایک اس جگہ تھا مسلمانوں کے ایام میں بہت عرب یہاں رہتے تھے اور خراسان کا صدر مقام ہوا اور طاہر خاندان کے خود مختار سرداروں کے دنوں میں اِس نے بہت عروج حاصل کیا (۸۲۰ء اور ۸۷۳ء)۔ اصطخری نے اِسے حصین مضبوط شہر بیان کیا۔ وسعت میں یہ تین میل مربع تھا۔

روئی اور ریشم یہاں سے دوسرے شہروں کو جایا کرتی تھی - جب سلطنت کو زوال ہؤا تو ترکمانوں کے ہاتھ سے اِس شہر کو بھی بہت نقصان پہنچا - زمانہ حال میں انہیں ترکمانوں کی یورشوں سے وہ سارا علاقہ اُجڑ گیا ہے - سنہ ۱۱۵۳ء میں غز ترکمانوں نے اِسے بالکل برباد کردیا - لیکن یہ پھر آباد ہؤا کیونکہ بقول یاقوت یہ ایسے موقعہ پر واقع تھا جہاں سے تجارت کے سارے قافلے مشرقی ممالک کو جایا کرتے تھے - سنہ ۱۲۲۱ء میں مغلوں نے اِسے مسمار کر کے زمین سے پیوست کردیا لیکن ایک صدی کے بعد ابن بطوطہ نے اسے پھر سرسبز شہر پایا - جہاں دارالعلوم تھے - بیشمار طالب علم - اور ریشم وہاں سے ہندوستان کو بھیجا جاتا تھا - نیشاپور اپنے میوہ جات اور باغات کے باعث بھی مشہور تھا اور اسی وجہ سے اِسے "دمشق خورد" کہا کرتے تھے ؂

جن دنوں میں الغزالی نیشاپور میں تھا اُن دنوں کے مشہور معلم کا دلچسپ خاکا دیا گیا ہے - اس معلم کا نام ابوالمعالی عبدالملک الجوینی امام الحرمین تھا - وہ نیشاپور کے متصل بمقام بوشتنی خان پیدا ہؤا - ۱۲ فروری ۱۰۲۸ء کو - اور وہ اپنے زمانہ میں شرع محمدی کا سب سے بڑا اور مشہور معلم تھا - اس کا باپ ابو محمد عبداللہ ابن یوسف موخرالذکر قصبہ میں معلم تھا - اِس لئے بیس سال کی عمر میں اپنے باپ کے مرنے کے بعد اُس کی جگہ لی" - لیکن یہ وہ زمانہ تھا جس میں فوق العادت عالم پیدا ہوئے - جن کی

قوتِ حافظہ بھی فوق العادت تھی۔ "اپنی تعلیم کی تکمیل اور حج کی خاطر وہ بغداد کو گیا اور وہاں سے مکہ و مدینہ کو۔ وہاں اُس نے چار سال تک تعلیم دی اِسی لئے اس کو یہ لقب "امام الحرمین" ملا۔ جب وہ نیشاپور میں واپس آیا تو نظام الملک نے اُس کے لئے ایک سکول تعمیر کیا اور اپنے مرنے تک وہاں تعلیم دیتا رہا۔ آخر ۲۰۔ اگست ۱۰۸۵ء میں جب وہ اپنے وطن کو گیا تو وہاں وفات پائی۔ وہاں وہ علالتِ طبع کے باعث گیا تھا اور اُسے امید تھی کہ وہاں کی آب و ہوا سے اُسے صحت حاصل ہوگی۔ اپنے تعلیم و تدریس کے منصبی فرائض کے علاوہ وہ وعظ و نصیحت کا کام بھی سرانجام دیتا رہا۔ ہر جمعہ کے دن وہ مجلس کیا کرتا تھا۔ جس میں وہ وعظ کرتا اور شرعی بحث مباحثوں کے وقت ثالث کا فرض ادا کرتا۔ علاوہ ازیں وقف جائداد کا انتظام بھی اس کے سپرد تھا۔ ایسی جائداد کی آمدنی دینی کاروبار میں صرف ہوتی تھی۔ تیس سال تک برابر وہ ان فرائض کو ادا کرتا رہا۔ اس کے مرنے پر عام ماتم ہوا۔ جس منبر پر سے وہ وعظ کیا کرتا تھا وہ توڑ دیا گیا۔ اور اُس کے شاگردوں نے جن کا شمار چار سو ایک تھا اپنے قلم دوات توڑ ڈالے اور سال بھر تک پڑھنا موقوف رکھا۔" یہ تحقیق امر ہے کہ اِن دنوں میں الغزالی نیشاپور اور بغداد میں طالبعلم تھا اور گمان غالب ہے کہ اِس امام کی وفات پر ماتم میں اس نے بھی حصہ لیا ہوگا۔ اِس امام کی اعلےٰ تصنیف کا نسخہ بنام نہایت المطلب

اب تک بمقام قاہرہ سلطانیہ کتب خانے میں محفوظ ہے ؛

نیشاپور میں الغزالی اس امام کے مقبول نظروں میں سے تھا اور یہاں اس کے مطالعہ کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا۔ یعنی علم الٰہی علم زبان۔ علم فلسفہ اور علم منطق۔ یہاں وہ طالبعلم بھی تھا اور معلم بھی۔ کیونکہ بیان ہؤا ہے کہ "وہ اپنے ہم مکتبوں کو پڑھ کر سُنایا اور اُن کو سکھایا کرتا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں وہ ناتواں اور کمزور ہوگیا"۔ اس دُہرے کام نے اُس کی صحت کو نقصان پہنچایا۔ لیکن اُس نے اپنا مطالعہ نہ چھوڑا۔ امام نے اُس کے بارہ میں اور دوسرے طلبا کے بارہ میں ایک دفعہ یہ کہا "الغزالی بحر غریق ہے۔ الکیہ پھاڑنے والا شیر ببر ہے اور الخوافی بھسم کرنے والی آگ ہے" ؛

ان تینوں کے بارہ میں اُس کا ایک قول یہ ہے "جب وہ آپس میں بحث کرتے ہیں تو ثبوت دینا الخوافی کا کام ہے محاربانہ حملے الغزالی کا۔ اور وضاحت الکیہ کا۔ اُس کی زندگی کے اس زمانہ کے بارہ میں یہ بات بھی کسی گمنام شخص کی زبان سے کہی گئی "یہ نوجوان الغزالی ظاہرا تو شیخی باز معلوم ہوتا ہے لیکن زیر سطح کچھ ایسا مادہ چھپا ہے کہ جب وہ اظہار کا موقعہ پاتا ہے تو اُس میں بیان کی خوبی اشارہ کی نزاکت اور سالم توجہ اور سیرت کی پختگی ظاہر ہوتی ہے" ؛

الغزالی کی زندگی کے اس حصہ کا بیان کرتے وقت میکڈانلڈ صاحب یہ کہتے ہیں "شاید نیشاپور میں تعلیم پاتے وقت وہ شکوک و شبہات اس کو پیدا ہوئے جن کا ذکر اُس نے اپنی کتاب منقذ میں کیا۔ وہ ضرور ۴۸۴ھ سے پیشتر اُس کے دِل میں پیدا ہوئے ہونگے۔ اور اس کے نشو و نما کے عرصہ دراز میں ظہور پذیر ہوئے لیکن غالباً جب تک وہ امام الحرمین دیندار صوفی کی شاگردی میں رہا کم و بیش اپنے پرانے عقیدہ پر قائم رہا" +

شک و شبہات کے زمانے میں اُس کی روح کی جد و جہد کا اور کہ کس طرح سے اُسے اُن سے مخلصی حاصل ہوئی۔ اگلے باب میں بیان ہوگا +

تعلیم - تبدیلیِ دِل اور ترکِ دُنیا

۴۷۸ھ میں امام کی وفات کے بعد الغزالی کی زندگی میں بڑی تبدیلی وقوع میں آئی - وہ اپنی قسمت آزمائی کے لئے نیشاپور سے نکلا اور وزیر نظام الملک کے کمپو دربار میں پہنچا - یہاں اِس کو اِس کے علم کی وجہ سے بہت عروج حاصل ہوا اور عزت پر عزت ملی یہ کمپو دربار سلجوق سلاطین کا سفری دارالخلافہ تھا - اِس شاہی کمپو میں چوک اور دربار بنے ہوئے تھے - جہاں یہ کمپو جا لگتا وہاں بیابان میں آناً فاناً گویا جادو کے زور سے ایک شہر آباد ہو جاتا تھا - گوناگوں مکانات اور کھجور کی جھونپڑیاں ہوتی تھیں اِس کمپو کا باقاعدہ دکانوں کا بازار تھا - اِن میں سے ہر ایک مثل چھپروں کے تھی جیسے میلوں میں دکانیں لگائی جاتی ہیں - مورخ نے اِن الفاظ میں اِس کی تصویر کھینچی ہے :-

یہ چمکدار خیمے کن کے ہیں جن کا جمگھٹا راہ میں لگا ہوا ہے -
جہاں کل اجاڑ اور سنسان بیابان تھا ؟
یہ جنگ کا شہر گویا جادو کے زور سے چند گھنٹوں میں آباد ہو گیا
جس نے ستارے کے جھلکنے کے قلیل عرصے میں - خلیہ نار کے
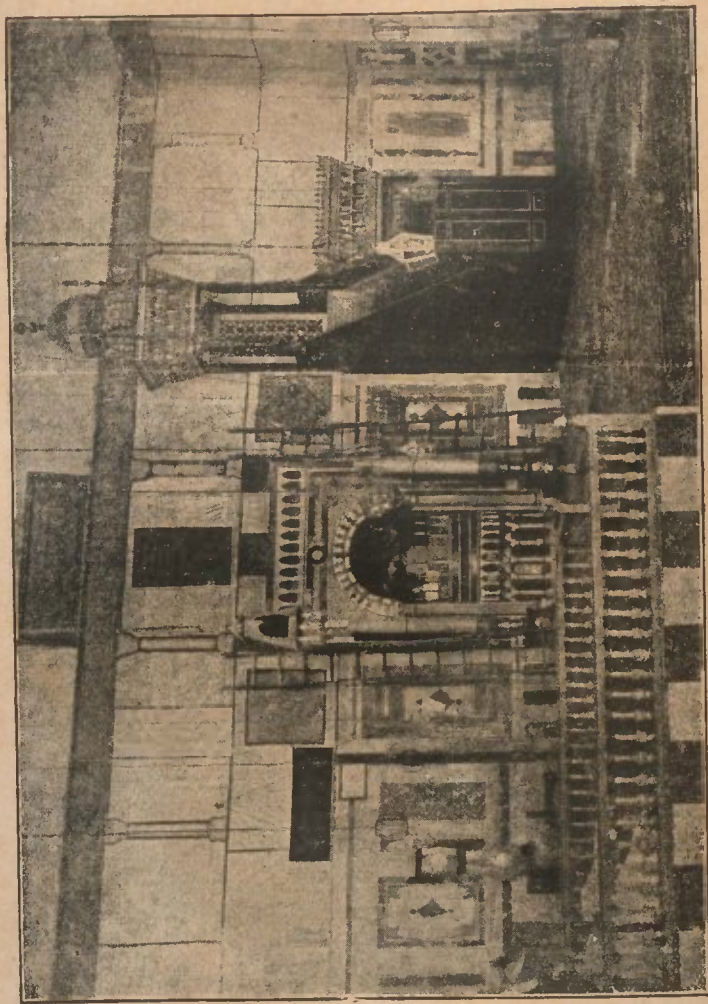
محراب الجامع الاموى المشهور بالشام
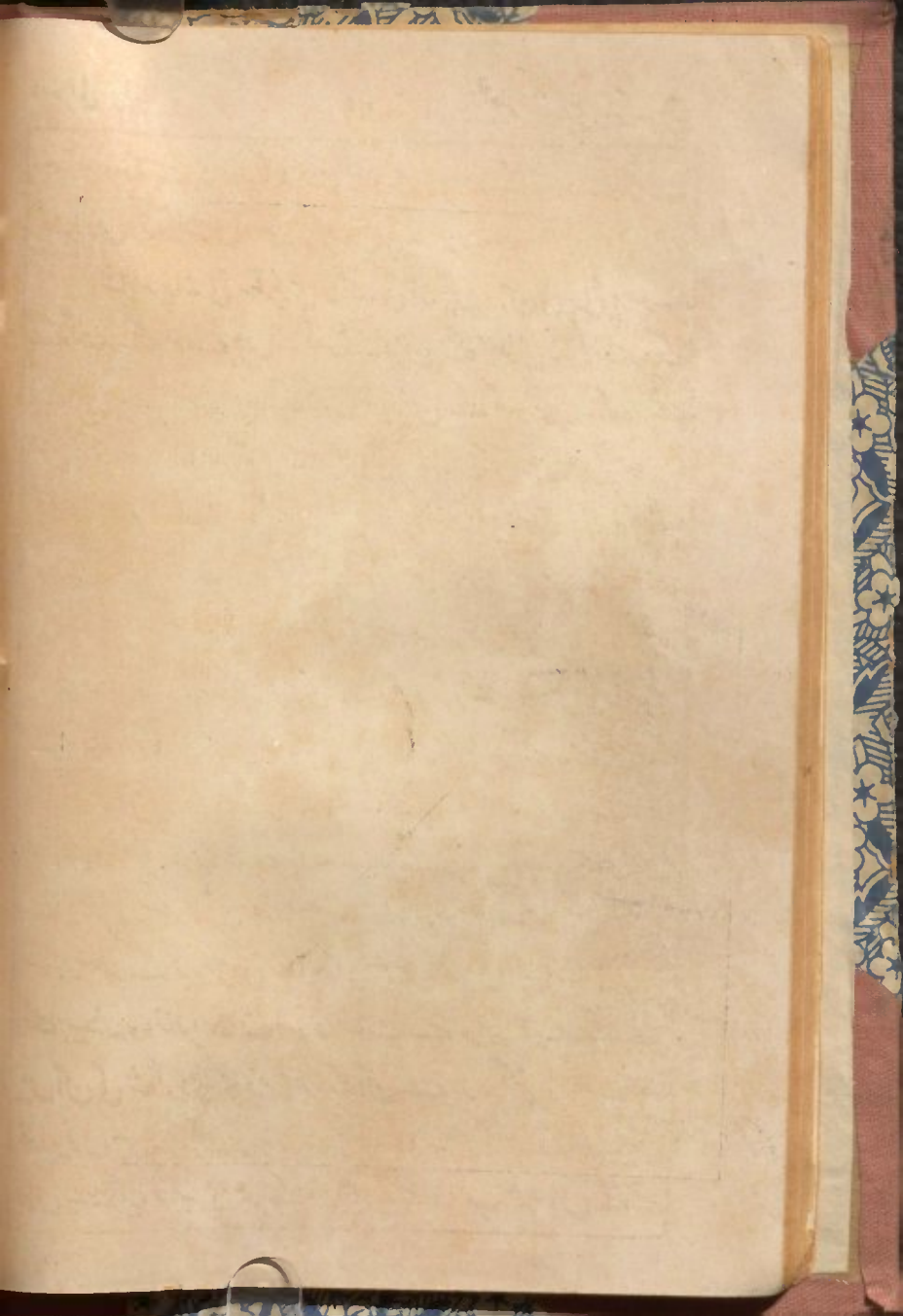
ستون دار کمرے بنا دئے۔ طرفتہ العین میں جادو کے زور سے خیموں گنبدوں اور درخشاں اسلحہ کا جہاں پیدا کر دیا +

شاہانہ چاندنی ۔قرمزی رنگ کی قناتیں ۔جن کی چوٹی پر سونے کے گنبد لگے ہوئے ہیں ۔ گھوڑے جن کے جھول زر بفت کے بنے ہیں ۔ اور اونٹ جن کے گلوں میں یمن کے گھونگوں کے ہار پڑے ہیں ۔ اور ہوا کے جھونکوں سے جن کی گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں" +

نظام الملک نے اپنی سوانح عمری خود لکھی ۔ تاکہ آئندہ مدبران ملک کے کام آئے ۔ وہ لکھتا ہے کہ " خراسان کے سب سے بڑے داناؤں میں سے امام موافق نیشاپوری تھا ۔جس کی عزت و تعظیم اعلےٰ درجہ کی تھی ۔ خدا اس کی روح کو خوشی بخشے ۔ اس کی عمر چاسی سال سے زیادہ تھی اور یہ عالمگیر یقین تھا کہ جس لڑکے نے اس کے سامنے قرآن پڑھا یا احادیث کا مطالعہ کیا ۔ وہ ضرور عزت و خوشحالی حاصل کریگا ۔ اس وجہ سے میرے والد نے مجھے طوس سے نیشاپور معلم شرع عبدالصمد کے ہمراہ بھیجا ۔ تاکہ میں اس مشہور معلم کے زیر نگرانی مطالعہ اور تحصیل علم میں مصروف ہوں ۔ مجھے ہمیشہ وہ نظر الطاف اور عاطفت سے دیکھا کرتے تھے اور میں اُن کی شاگردی کا دم بھر کے اُن سے از حد اُنس و اُلفت رکھتا تھا ۔ یوں میں نے اُن کی خدمت میں چار سال گزارے ۔جب میں وہاں پہلے گیا تو میری عمر کے دو اور نئے طالب علم وہاں گئے تھے

حکیم عمر خیام۔ اور دوسرا بدبخت ابن صباح جو فرقہ آساسن (قاتل) کا بانی ہوا۔ دونوں جدّت طبع اور اعلیٰ فطرتی قوائے سے مزیّن تھے اور ہم تینوں گہرے دوست ہو گئے۔ امام اپنا درس ختم کرتے تو یہ دونوں میرے پاس چلے آتے اور جو درس ہم نے سُنا تھا وہ ایک دوسرے کو سناتے۔ عمر تو نیشاپور کا باشندہ تھا اور حسن ابن صباح کا والد ایک شخص علی نامی تھا جو ریاضت کش اور عالم باعمل تھا لیکن عقیدے اور تعلیم میں بدعتی تھا۔ ایک روز حسن نے مجھے اور خیام کو کہا یہ عالمگیر یقین ہے کہ امام موافق کے شاگرد عزّت وحشمت حاصل کرتے ہیں اور اگر ہم سب ایسی عزّت وحشمت حاصل نہ بھی کریں تو بھی ہم میں سے ایک تو ضرور صاحب رتبہ ہوگا۔ ہم آپس میں کیا عہد وپیمان کریں؟ ہم نے جواب دیا جیسا آپ چاہیں اُس نے کہا "اچھا ہم یہ عہد کریں کہ جس کی قسمت یاوری کرے وہ دوسروں کے ساتھ مساوات برتے اور کوئی بڑائی چھٹائی کا لحاظ نہ ہو"۔ ہم دونوں نے جواب دیا کہ ہم کو یہ منظور ہے۔ اور اس شرط پر ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد وپیمان کیا۔ اِس کے بعد کئی سال گزر گئے اور میں خراسان سے نکل کر ٹرانس آکسی آنا (Trans - Osciana) کو گیا اور وہاں سے غزنی اور کابل کو اور جب میں واپس آیا تو میں سرکاری عہدے پر مُمتاز ہوا اور ترقی کرتے کرتے سلطان الپ ارسلان کے عہد حکومت میں عہدہ وزارت پر مامور ہوا"۔

نیشاپور میں تعلیم ختم کرنے کے بعد نظام الملک نے الپ
ارسلان کی ملازمت اختیار کی جو طغرل بیگ کے بعد تخت پر بیٹھا
اور بیس سال سے زیادہ تک سلجوقی سلطنت کا بوجھ اس کے
کندھوں پر رہا ۔ جب ۴۶۵ھ میں الپ ارسلان نے وفات پائی
تو ملک شاہ اُس کی جگہ تخت نشین ہوا اور ۱۰ ار ماہ رمضان کو ۴۸۵ھ
میں مقتول ہوا ۔ اُس وقت تک نظام الملک سلطنت میں سب سے
بڑا آدمی اور حقیقی حکمران تھا وہ علوم و فنون کا دوست تھا اور اُس
نے کئی شہروں میں دارالعلوم قائم کئے +

۴۸۴ھ میں الغزالی نے دربار میں اعلےٰ منصب حاصل کیا
اور نظام الملک نے اُسے بغداد کے مدرسے میں معلم مقرر کیا ۔ جو
سارے مشرقی اسلام کا صدر مقام تھا +

بنّی بنیامین ساکن ٹوولا (Tudela) الغزالی کی وفات
(۱۱۱۱ء) سے چند سال بعد بغداد کو گیا ۔ اُس نے اُس شہر کا
دلچسپ حال لکھا ہے وہ بیان کرتا ہے "شہر بغداد کا محیط تین
میل ہے جس علاقہ میں یہ واقع ہے وہاں کھجور کے درخت
باغ اور باغیچے بکثرت پائے جاتے ہیں کہ سارے مسوپٹامیہ میں
اُن کی نظیر نہیں ملتی ۔ سارے ممالک کے سوداگروں کی تجارت
کی خاطر وہاں آمد و رفت رہتی ہے ۔ وہاں بہت دانا فلاسفر
بھی پائے جاتے ہیں جو علوم و فنون میں ماہر اور جادوگر ہر طرح

کی جادوگری میں طاق ملتے ہیں۔ بغداد میں خلیفہ کے محل کا رقبہ تین میل ہے اسکے ساتھ جو باغ ملحق ہے اُس میں ہر قسم کے درخت لگے ہیں۔ جن میں سے بعض تو مفید ہیں اور بعض محض زیبائش کے لئے ہیں۔ سب طرح کے جنگلی جانور بھی وہاں ہیں اور پانی کا ایک تالاب ہے جس میں دریائے دجلہ سے پانی آتا ہے اور جب کبھی خلیفہ اپنا جی بہلانا اور شکار کرنا چاہتا ہے تو ہر طرح کے چرند پرند اور مچھلیاں وہاں لاکر جمع کر دیتے ہیں۔ بادشاہ اپنے امرا وزرا کو ہمراہ لے کر وہاں جاتا ہے"۔ اُس نے کنایتاً ہم کو یہ بھی دکھا دیا کہ شاہی محل کی چار دیواری کے اندر کیا کچھ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "بادشاہ کے بھائی بند اور رشتہ دار اس کے لباس کو بوسہ دیتے ہیں اور خلیفہ کے محل کے احاطہ میں اِن کے محل بھی ہیں لیکن اُن سب کو لوہے کی ہتکڑیاں لگی رہتی ہیں اور محل پر ایک داروغہ مقرر ہے تاکہ وہ دیکھتا رہے کہ کہیں وہ بادشاہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ نہ ہوں۔ اِس پیش بندی کی یہ وجہ تھی کہ چند سال پیشتر ایسا واقعہ وقوع میں آیا تھا جب ان بھائیوں نے سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اپنے میں سے ایک کو سلطان چُن لیا آئندہ کو ایسے امکان کے روکنے کی خاطر یہ حکم تھا۔ کہ شاہی خاندان کے سب رُکن پابزنجیر رہیں تاکہ اُن کو بغاوت کا موقعہ نہ ملے۔ پھر بھی ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے محل میں رہتا ہے۔

ہر ایک کی بڑی عزت ہوتی ہے ہر ایک کے قبضے میں بعض دیہات
اور قصبات ہیں اور اُن کے مختار اُن کا خراج جمع کیا کرتے ہیں -
وہ کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں ❊
بادشاہ کا محل ایک عالیشان عمارت ہے اُس میں سونے
چاندی کے ستون بنے ہیں اور قیمتی جواہرات سے جڑے ہیں - خلیفہ
سال میں صرف ایک دفعہ اپنے محل سے نکلتا ہے - یعنی رمضان
کی عید کی تقریب پر - اِس موقعہ پر دُور دُور ملکوں سے لوگ جمع
ہوتے ہیں تاکہ بادشاہ کا دیدار حاصل کریں - پھر وہ شاہی دُلدل
پر سوار ہو کر نکلتا ہے - شاہی لباس سے ملبس وہ لباس زربفت
کا ہے - سر پر دستار ہے جس میں بیش بہا قیمتی جواہرات لگے ہیں -
اِس دستار پر ایک سیاہ حجاب پڑا ہے جو عجز و انکساری کا نشان ہے
جس کا یہ مطلب ہے کہ "یہ دنیاوی شان و شوکت موت کے دِن
تاریکی سے مبدّل ہو جائیگی" - بیشمار محمدی اُمرا و شرفا اُس کے ہمرکاب
ہوتے ہیں - خلعت فاخرہ سے ملبوس اور اپنے اپنے گھوڑے پر سوار
عرب - مدینہ - فارس اور تبت کے شاہزادے (تبت عرب سے
تین ماہ کی مسافت رکھتا ہے) اُس کی سواری کے ساتھ چلتے ہیں -
محل سے نکل کر بصرہ دروازے کے راستے جامع مسجد کو جاتے ہیں
جو لوگ سواری کے ساتھ پا پیادہ چلتے ہیں - مرد و زن سب ریشم
اور ارغوانی لباس پہنے ہوتے ہیں - گلی کوچوں میں گاتے اور خوشی

کی آواز سنائی دیتی ہے اور خلیفہ کے آگے آگے طوائف ناچتی جاتی ہیں۔ عوام الناس اور انبوہ مردمان یہ نعرہ بلند کرتے ہیں "ہمارا خداوند بادشاہ مبارک ہو"۔ اس پر خلیفہ اپنے لباس کو بوسہ دیتا اور اُسے اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اُن کے سلام کا جواب دیتا ہے پھر وہ سواری چلتے چلتے مسجد کے صحن میں داخل ہوتی ہے۔ اور خلیفہ چوبی منبر پر چڑھتا ہے اور شرع کا بیان کرتا ہے۔ علمائے محمدی اُٹھ کر اُس کے لئے دعا کرتے ہیں اور اس کی مہربانی اور دینداری کی تعریف کرتے ہیں اس کے بعد ساری جماعت آمین کہتی ہے۔ پھر وہ اُن کو برکت دیتا اور ایک اونٹ ذبح کرتا ہے جو اِسی مقصد کے لئے وہاں حاضر رہتا ہے۔ یہ اُن کی قربانی ہے جو اُمرا و وزرا میں تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ لوگ اس کے ٹکڑے اپنے دوستوں کے پاس تبرک کے طور پر بھیج دیتے ہیں کیونکہ وہ لوگ بھی اپنے مقدس بادشاہ کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت چکھنے کا بڑا شوق رکھتے ہیں اور اس کو حاصل کر کے بہت خوشی مناتے ہیں۔ پھر خلیفہ مسجد سے رخصت ہو کر دریائے دجلہ کے کنارے کنارے اکیلا اپنے محل کو جاتا ہے۔ محمدی اُمرا کشتیوں میں بیٹھ کر اُس کے ساتھ جاتے ہیں جب تک کہ وہ محل میں داخل نہ ہو۔ جس راہ سے وہ نکلا تھا پھر اُس راستے سے کبھی واپس نہیں جاتا۔ اور سال بھر دریا کے کنارے کی راہ پر پہرا لگا رہتا ہے تاکہ کوئی وہاں

پاؤں نہ رکھ سکے جہاں اس کے نقش قدم پڑے - پھر سال بھر تک خلیفہ اپنے محل سے نہیں نکلتا ٭

"یہ خدا ترس اور مہربان شخص ہے - اِس نے دربار کی دوسری طرف - دریائے فرات کے نالے کے کناروں پر (یہ نالہ شہر کی ایک طرف بہتا ہے) عمارات تعمیر کروائی ہیں - یہ عمارات عالیشان گھروں - بازاروں - اور بیمار غریبوں کے لئے ہسپتالوں پر مشتمل ہیں - یہاں غریب بیمار علاج کی خاطر جایا کرتے ہیں - اِس میں تقریباً ساٹھ دوائی خانے ہیں جن میں دوایاں بادشاہ کے مودی خانے سے آتی ہیں مع دیگر مصالحوں اور ضروریات کے اور جس بیمار کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے بادشاہ کی طرف سے اس کو خوراک ملتی ہے جب تک کہ اُس کا علاج ختم نہ ہو - ایک اور وسیع عمارت بنام دار المستان (یعنی پاگل خانہ) ہے - جو پاگل اِدھر اُدھر سے ملتے ہیں اُن کو یہاں لا کر بند کر دیتے ہیں - خاص کر موسم سرما میں ہر ایک کو پا بزنجیر رکھتے ہیں جب تک کہ وہ ہوش و حواس میں نہ آ جائے - پھر اُس کو گھر جانے کی اجازت ملتی ہے" ٭

بغداد کے دسترخوان پر جو طرح طرح کے کھانے چنے جاتے تھے اُن کا کچھ حال ہمدانی ہم عصر شاعر نے بیان کیا ہے جس کا ذکر یہاں کرنا خالی از لطف نہ ہوگا - "ہم ایک

جماعت میں جا شامل ہوئے - اُن کے آگے پھول پتیاں بچی ہوئی تھیں - پھولوں کے گلدستے لگے تھے - شراب کے پیالے دھرے تھے اور نے و بربط کی شیریں آواز آ رہی تھی - ہم اُن کی طرف گئے اور وہ ہمارے استقبال کو آئے - پھر ہم اُس دستر خوان پر گئے جس کے سارے برتن الوان نعمت سے بھرے تھے - جن کے باغیچے پھولوں سے لدے تھے - جن کی طشتریاں اور رکابیاں مختلف رنگوں سے آراستہ صف در صف چُنی ہوئی تھیں - ایک طرف تو سیاہ رنگ کی قطار تھی"۔ اور دوسرے مقام میں اُس نے یہ لکھا "قحط کے سال میں مجھے دمشق جانے کا اتفاق ہوا - اور ایک جماعت کے نزدیک گیا تاکہ اُن سے کچھ پوچھوں - اُن میں ایک نوجوان تھا جس کی زبان میں قدرے لکنت تھی اور سامنے کے دانتوں میں فاصلہ تھا - اُس نے پوچھا "تیرا کیا کام ہے" میں نے جواب دیا کہ "دو حالتوں میں آدمی بختاور نہیں ہوتا - ایک تو درویش جسے بھوک نے ستا رکھا ہو اور ایک پردیسی جس کے لئے اپنے وطن کو جانا ممکن ہو"۔ تب اُس لڑکے نے کہا تو اِن دو مصیبتوں میں سے کون سے مصیبت سے پہلے بچنا چاہتا ہے" میں نے جواب دیا - بھوک سے کیونکہ اس کی شدت نے مجھے تنگ کر رکھا ہے اُس نے کہا "صاف دستر خوان پر سفید نان کے بارہ میں تو کیا کہتا ہے عمدہ سبزی اور عمدہ سرکہ اس کے ساتھ ہے نفیس کھجور کی شراب ہے اور اُس کے ساتھ رائی کی چاشنی

ہے گوشت کا کباب ہے اور نمک ساتھ دھرا ہے یہ چیزیں وہ
تیرے آگے رکھ دیگا جو نہ وعدوں کے ذریعہ التوا میں ڈالیگا۔
اور نہ توقف کے ذریعہ تجھے دُکھ دیگا اور جو اِن کے بعد شراب
انگور کے پیالے تیرے آگے لا دھریگا۔ کیا یہ تجھے پسند ہے
یا ایک بڑی جماعت۔بھرے پیالے ۔بوقلموں خوان غالیچے
بچھے۔صاف شفاف روشنی ۔ اور ماہر مطرب جس کی آنکھ
اور گردن ہرن کی طرح ہو"؟

اِس سے ناظرین اندازہ لگا سکینگے کہ جب الغزالی نظام الملک
یا کسی دیگر امرا کے ہاں کھانا کھانے گیا ہوگا تو کیسی کیسی نعمتیں
دستر خوان پر اُسے ملی ہونگی ۔ اور بغداد میں کوئی کال نہ تھا۔

نظامیہ کالج جہاں الغزالی نے تعلیم پائی اور اپنی زندگی کے
دو موقعوں پر درس دیتا رہا۔دریاے دجلہ کے مشرقی کنارہ
پر۔کشتیوں کے پُل کے متصل اور ساحل اور بڑی منڈی کے
کے نزدیک واقع تھا۔ اِس کالج کی بنیاد ۱۰۶۵ء میں خاص
کر شافعی مذہب کی تعلیم کے لئے پڑی ۔ اِس کالج کے نزدیک
ایک دوسرا کالج بنام بہائیہ اور ایک ہسپتال بنام مارستان
تتوشی تھا۔

ابن جُبیر سیاح نے جب وہ بغداد میں ۵۸۱ھ میں پہنچا
تو پہلے جمعہ کو نظامیہ کالج میں نماز پڑھی۔ اُس نے بیان کیا۔

کہ اس مشرقی شہر بغداد میں اکتیس عالیشان کالج تھے۔ ابن جُبیر
نے یہ بھی بیان کیا کہ سرکار کی طرف سے جو عطیات ملے تھے اور
کالج کے متعلق مکانات سے جو کرایہ حاصل ہوتا تھا وہ پروفیسروں
کی تنخواہیں ادا کرنے اور عمارت کی مرمّت وغیرہ کے لئے کافی
وافی تھے۔ علاوہ ازیں غریب طلُبا کے گذارہ کے لئے مزید
فنڈ تھا۔ سوق یا نظامیہ کی منڈی اس محلہ میں بہت آمد و رفت
کی جگہ تھی اور یہ مشرعہ کے متصل واقع تھی۔ اِس سے ظاہر ہے کہ
یہ کالج دریائے دجلہ کے کنارہ کے نزدیک تھا۔۔۔ ابن بطوطہ سے
تقریباً بارہ سال بعد حمد اللہ فارسی مورخ نے مختصراً نظامیہ کالج
کا ذکر کیا۔ اس کے بیان کے مطابق یہ کالج بغداد کے "مدرسوں
کی ماں" تھا۔ اِس سے ثابت ہے کہ چودھویں صدی مسیحی
کے وسط تک کالج موجود تھا۔ اگرچہ زمانہ حال میں اِس کے
سارے آثار معدوم ہوچکے ہیں۔ بلکہ گذشتہ صدی کے وسط
میں بھی یہی حال تھا۔ کیونکہ نائی بور (Nie buhr) نے
خُلفا کے اِس صدر مقام شہر کے کھنڈرات کا بیان کیا ہے جو
اُس کے وہاں جانے کے وقت موجود تھے لیکن اِن میں نظامیہ
کالج کے کھنڈرات کا کچھ ذکر نہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ اس وقت اُس کے کچھ آثار باقی نہ رہے تھے۔

نظامیہ سکول ہی میں پہلے پہل الغزالی نے با اختیار معلّم

کے طور پر تعلیم دینا شروع کیا - اُس کے درسوں کے سننے کے لئے
ایک انبوہ جمع ہو جاتا تھا - شرعی فتوے بھی اُس نے جاری کئے
شرعی امور کے بارہ میں اُس نے کئی رسالے لکھے - مسجد میں وعظ
کئے - اور لوگوں کی امامت کی - لیکن عین اِس عروج کی حالت میں
ناگہاں اس میں ایک عجیب تبدیلی واقع ہوئی - ایک عجیب بیماری
اُسے لاحق ہو گئی - اُس کی زبان رُکنے لگی - اُس کی بھوک جاتی
رہی - اور اس کے طبیبوں نے یہ کہا کہ اِس بیماری کی وجہ دماغی
تکان تھی - وہ اچانک ماہ ذوالعقدہ میں (۴۸۸ھ) بغداد سے
نکل گیا اور اپنے بھائی کو اپنی جگہ درس کے لئے مقرر کیا - اور
اپنی جائداد کو ترک کر دیا صرف اتنی رکھ لی جو اُس کے اور اُس
کے بچوں کے گزارے کے لئے کافی ہو ÷

اُس زمانے کے علمِ الٰہیات کے عُلما کی سمجھ میں نہ آیا کہ اُس
نے ایسے عہدے اور عزت کو کیوں یک لخت ترک کر دیا - اُنہوں
نے اس کے تارک الدُنیا ہونے کو اسلام کے لئے ایک آفت سمجھا -
بعضوں نے سمجھا کہ سرکار کا خوف تھا - کسی نے خیال کیا کہ ذمہ واری
کے بوجھ سے ڈر گیا - لیکن اُس نے اپنی کتاب بنام "اقرارات"
میں اِس کی حقیقی وجہ بیان کی ہے - اِس کتاب میں اُس کے
روحانی تجربات کا ذکر ہے جو ایام شباب سے پچاس سال کی عمر
تک ہوئے - تھے ÷

اس نے یوں بیان کیا " اے میرے بھائی (خدا راہ راست میں تیری ہدایت کرے) جان لے کہ مذاہب اور عقائد کا اختلاف اور تعلیمات اور فرقوں کے تفرقات جنہوں نے انسانوں کو پھاڑ رکھا ہے وہ اُس گہرے سمندر کی طرح ہیں جہاں جابجا تباہ شدہ جہازوں کے ٹکڑے سطح پر پھیلے ہوئے ہیں - اِن کی وجہ سے معدودے چند ہی صحیح سلامت ساحل تک پہنچتے ہیں - یہ تو سچ ہے کہ ہر فرقہ اپنی تعلیم ہی کو راست اور وسیلہ نجات مانتا ہے - بقول قرآن " ہر فریق اپنے عقیدہ میں خوش ہے " - لیکن جیسے سرور انبیا نے - جن کا قول ہمیشہ صادق ہے - ہمیں یہ فرمایا کہ میری امت ستّر سے زیادہ فرقوں میں منقسم ہو جائیگی - لیکن اُن میں سے صرف ایک فرقہ ہی نجات پائیگا - ضرور ہے کہ نبی کی یہ پیشینگوئی دوسری پیشینگوئیوں کی طرح پوری ہو +

سنِ بلوغت سے اِس عمر تک جو اِس وقت پچاس سال سے زیادہ ہوگی میں نے اِس بحرِ عمیق میں غوّاصی کی - اور ہر فرقے کے عقائد کو دریافت کیا - اور ہر مسئلہ کے راز کی تحقیق کی - تاکہ میں صدق کو کذب سے جُدا کروں اور صحیح تعلیم کو بدعت سے امتیاز کروں - مجھے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس نے اپنے عقیدے کی حقیقت دریافت کئے بغیر قرآن کے پوشیدہ معنی سمجھے ہوں یا اپنے مسائل کے نتائج کی تفتیش کئے بغیر قرآن کے

بیرونی معنی کی حمایت کی ہو - ایسا کوئی فلاسفر نہیں گذرا جس کے
فلسفہ کی تہ تک میں نہ پہنچا ہوں - نہ کوئی ایسا عالم الہیات ہے۔
جس کی تعلیم کے عُقدے میں نے حل نہ کئے ہوں +

"تصوف کا کوئی ایسا راز نہیں جس کو میں نے دریافت نہ کیا
ہو - خدا کے دیندار مداح نے اپنی ریاضتوں کا مقصد مجھ پر منکشف
کیا - دہریہ لوگوں نے اپنی بے اعتقادی کی اصلی وجہ مجھ سے نہ
چھپائی - اوائل عمر ہی سے علم کی پیاس میرے باطن میں تھی - خدا
نے گویا یہ میری جبلت کر دی تھی - کہ خواہ میں چاہوں یا نہ چاہوں
وہ مجھ میں موجود تھی - جب ایام طفولیت سے میں نے عبور کیا -
تو میں احادیث کی زنجیریں توڑ چکا تھا اور موروثی عقائد سے آزاد
ہو گیا تھا +

"میں نے دیکھا کہ کیسے مسیحیوں کے بچے مسیحی ہوتے ہیں اور
مسلمانوں کے بچے مسلمان - اور مجھے یہ حدیث بھی یاد تھی جو
رسول خدا سے منسوب ہے کہ "ہر بچہ فطرت اسلام پہ پیدا ہوتا
ہے - پھر والدین اُس کو یہودی - مسیحی - یا زردشتی بنا لیتے ہیں"۔
مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اس فطرت کو دریافت کروں جو ہر بچے
میں پائی جاتی ہے اور جو عقائد والدین اور اُستادوں کے ذریعے
سے اُس کو حاصل ہوتے ہیں اور آخرکار اُن کی تعلیمات کے
ذریعہ نامعقول یقین اُس میں پیدا ہوتا ہے +

اُس کے دل میں شک شکوک پھر سے ہونگے جب اُس نے یہ بیان کیا۔ "شاید بقول سرور انبیا موت ہی وہ حالت ہوگی (وہ ایسی حالت کے امکان کا ذکر کر رہا ہے۔ جس کا ہماری موجودہ حالت سے وہی علاقہ ہوگا جو اس موجودہ حالت کا عالت خواب سے ہوتا ہے) "آدمی حالت خواب میں ہیں۔ جب وہ مرتے ہیں تو وہ بیدار ہوتے ہیں۔ ہماری موجودہ زندگی بلحاظ مستقبل زندگی کے شاید خواب ہی کی مثل ہے۔ اور آدمی مرنے کے بعد اشیا کو بالکل اُن سے مختلف پائیگا جو اس وقت اس کو نظر آ رہی ہیں ÷

"ایسے خیالات نے میری عقل کو پریشان کر دیا اور میں نے اُن سے بچنے کی کوشش کی۔ لیکن کیسے؟ اس مشکل عقدہ کو حل کرنے کی خاطر ایک ثبوت کی ضرورت تھی۔ اب ایسا ثبوت ابتدائی قیاسات پر مبنی ہوگا اور مجھے ان ابتدائی قیاسات پر ہی شک تھا۔ یہ کمبخت حالت دو ماہ تک رہی۔ یہ تو سچ ہے کہ اِس عرصے میں ظاہری یا برملا طور پر تو نہیں لیکن اخلاقی اور اصلی معنی میں میں بالکل بے اعتقاد تھا" ÷

یہ جائے تعجب نہیں کہ امام غزالی کی یہ حالت ہو بغداد اور بصرہ میں اسی سے پچاس سال پہلے آزاد خیالات کے مدرسے قائم ہو چکے تھے۔ ہر جمعہ کو وہ جمع ہوا کرتے۔ ان میں سے بعض تو معقول پسند تھے اور بعض بالکل مادیہ۔ نہ صرف فلاسفر

بلکہ بعض شاعر بھی ان فریق کے ہادی تھے۔اِن میں سے ہم ابوالاعلےٰ۔اَل معرّی کا ذکر کرینگے جو ۹۷۳ء میں پیدا ہوُا۔ اِس نابینا شاعر نے محمد کی تقلید میں ایک قرآن تصنیف کیا۔ اور جب کِسی نے اس سے یہ شکایت کی کہ گو کتاب بہت عمدہ لکھی گئی لیکن اس کی تاثیر دِل پر ویسی نہیں ہوتی جیسی کہ اصل قرآن کی ہوتی ہے تو اس نے یہ جواب دیا کہ اِس کی تلاوت چار سو سال تک مسجدوں کے منبروں پر سے ہو لینے دو تب تم اس سے محظوظ ہو گے۔اس کی رباعیاں عمر خیام کی رباعیوں کی طرح دنیا کے تاریک پہلو کو ظاہر کرتی ہیں اور اسلامی نقطہ خیال سے کُفر کے درجہ تک پہنچتی ہیں۔مثلاً اُس نے یہ لکھا:۔

"بہت مذاہب اور بہت پھندے ہیں۔اور بہت رہنما۔اُن میں سے کونسا خداوند ہے؟ اور فی الحقیقت محمد کے ہاتھ میں تلوار ہے۔شاید۔شاید صداقت بھی اُس کے پاس ہو؟ ایک مذہب کا زور اس وقت تک رہتا ہے۔جب تک کہ دوسرا اس کو مغلوب نہ کرے۔کیونکہ انسان محض انسان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔بلکہ ہمیشہ کسی فسانہ کو پسند کرتا ہے۔میں کہتا ہوں دین ایک دلفریب لڑکی ہے۔لیکن اِس غریب دلہن

کے اندر آنا پسند نہیں کرتی - کیونکہ میں افسوس اسے بے نقاب
نہیں کر سکتا - اور نہ اس کا حق مہر ادا کر سکتا ہوں "+
نہ اس مصنّف کے دِل میں اسلام کی عزّت ہو گی جب اُس
نے یہ رقم کیا :-
"وہ بہادر شخص کہاں ہیں جو آنے والے جہان کے بہادروں
کے قصّے گاتے ہیں ؟
"جن کا وہ بیان کرتے ہیں اور گویا ہوا میں ان کو لٹکاتے
اور ڈھلگے کا لنگر ڈالتے ہیں" دو سوداگروں نے جنگ کرنے
پر اتفاق کیا - اِس امر کو ثابت کرنے کے لئے کہ کس نے
سب سے عمدہ اشیا فروخت کیں +
اور جب محمد نے نماز کے لئے بُلانے کے واسطے بلند آواز
سے اذان دی تو حقیقی مسیحا نے اپنی چوبی صلیب کو کھڑکایا" +
جیسے مسیحی تاریخ میں انیسویں صدی تھی ویسی ہی اسلام
کی تاریخ میں گیارھویں صدی تھی - سائنس اور دین کے
مابین سخت جنگ چھڑی رہی - فرقہ معتزلہ کے معقول پسند
مدرسوں نے بہت تاثیر کی - اور منقول پسند اور اسلام کے نابینا
معتقد دینداری کی نجست فریسی پن کے لئے زیادہ مشہور تھے +
اَل ہمدانی کی کتاب "مقامات" سے معلوم ہوتا ہے کہ برملا
دینی نمازوں کے بارہ میں اِن بے اعتقادوں کی رائے کیا تھی +

ہمدانی نے بیان کیا کہ "میں اپنے رفیقوں سے چپکے سے علیحدہ ہوگیا۔ جب کہ وہ جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے لگے میں بھی شامل ہؤا۔ اگرچہ مجھے اندیشہ تھا کہ جس قافلہ کو میں چھوڑ کر آیا ہوں وہ چلا نہ جائے۔ لیکن صحرا کی مشکل پر فتح پانے کے لئے میں نے نماز کے ذریعہ مدد مانگی۔ اور میں نمازیوں کی پہلی صف میں جا کھڑا ہؤا۔ امام محراب کے پیچھے جا کھڑا ہؤا اور قرآن کی پہلی سورۃ پڑھنی شروع کی اور مدّ و ہمزہ کے تلفظ کا جھگڑا شروع کیا اور مجھے قافلہ سے جدا ہونے سواری نہ ملنے کا اندیشہ بڑھتا گیا۔ تب امام نے سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الواقع شروع کر دی اور میرے دِل میں بیقراری بڑھتی گئی اور میں زبردستی سے اپنے تئیں روکنے لگا۔ اور غیض و غضب کی آگ سے بھُن کر کباب ہو رہا تھا۔ لیکن اُس جگہ کے لوگوں کے وحشیانہ جوش کا حال مجھے معلوم تھا۔ اگر نماز میں سے آخری سلام کا حصہ قطع کر دیا جاتا تو سوائے خاموشی اور تحمل یا لوٹنے اور موت کے سوا چارہ نہ تھا۔ اِس لئے اُس سورۃ کے خاتمہ تک مجبوراً کھڑا رہا۔ اب قافلہ کی طرف سے تو مجھے مایوسی ہوگئی اور خوراک و سواری کی امید نہ رہی۔ پھر امام نے ایسی انکساری اور جذبے سے رکوع کے لئے پشت خم کی کہ جس کی مثل میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا پھر اُس نے اپنے ہاتھ اور سر اُٹھا کر یہ کہا۔ "خدا اس کی حمد قبول کرے جو اُس کی حمد

کرنا ہے" اور پھر وہ خاموش کھڑا رہا جس سے میں نے گمان کیا کہ
وہ سو گیا۔ پھر اُس نے داہنا ہاتھ زمین پر رکھا اور پیشانی خاک
پر اور اپنا منہ رگڑا۔ میں نے سر اُٹھا کر دیکھا کہ بھاگنے کا کوئی
موقعہ ہے۔ لیکن صفوں میں سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہ آئی
اس لئے پھر میں نماز میں لگ گیا۔ حتیٰ کہ اُس نے دوزانو بیٹھ
کر تکبیر پڑھی۔ پھر دوسرے رکوع کے لئے کھڑا ہوا اور سورۃ فاتحہ
اور سورۃ قاریہ کو ایسے لہجے سے اور آہستگی سے پڑھنے لگا کہ گویا
قیامت تک ختم ہی نہ کریگا اور جماعت کو تھکا دیا اور جب وہ
رکوع ختم کر چکا تو کلمہ شہادت پڑھنے کے لئے ہونٹ ہلانے لگا
اور آخری سلام کے لئے داہنے اور بائیں اپنا منہ پھیرا۔ تب
میں نے کہا 'اب خدا نے بھاگنے کی راہ آسان کر دی۔ اور
مخلص نزدیک ہے۔ لیکن اتنے میں ایک آدمی نے اُٹھ کر
کہا "جو مسلمان امت کے رفیقوں کو پیار کرتا ہے وہ ایک
لمحہ کے لئے اپنے کان میری طرف لگائے"۔ مسلمان رسم
پرستوں کی ایسی تاثیر دوسروں پر ہوئی تھی۔

ان پابند شرع عالموں سے الغزالی کے شک شکوک دور
نہ ہوئے اور نہ کسی مسلمان کے آج تک ہوئے ہیں۔ پروفیسر
مکڈانلڈ صاحب نے اس کی وجہ بتائی ہے۔ "ان عالمان دین
کے مقدمات کو قبول کر لو تو وہ بحث کر سکینگے۔ اُن مقدمات

کور دکردہ تو پھر کسی دلیل کی گنجائش نہ تھی - اُن کے علم کا بانی الاشعری تھا جس نے یہ علم معتزلہ فرقہ کو جواب دینے کے لئے اختراع کیا اور اس نے کامیابی سے یہ کیا - لیکن اِس نے یہاں ہی بس کی - بدعتیوں کے مقابلہ میں وہ اپنے عقیدے کی حمایت کر سکتے تھے اُن کے نقص و سقم کو کھول کر بیان کر سکتے تھے - لیکن بے اعتقادوں کے مقابلہ میں وہ لاچار و بیکس تھے - یہ تو سچ ہے کہ انہوں نے یہ کوشش تو کی کہ اہلِ فلسفہ کا مقابلہ انہیں کی دلائل سے کریں جوہر اور عرض اور علل اولے کی بحث کو لیں - لیکن اس میں اُن کی کوشش ناکام رہی - اُن کو اِس مضمون کا لازمی علم حاصل نہ تھا - اور نہ اُس کی علمی بنیاد تھی اور اِس لئے آخر کار انہوں نے منقول ہی پر تکیہ کیا" +

نہ فلسفہ میں اُس کو روشنی ملی - گو اُس نے مختلف فلسفوں کا مطالعہ کیا اور اُن کی تردید لکھی - دین کا تعلق محض عقل سے نہیں بلکہ دل سے ہے - فلسفہ کی بھی اِس میں جگہ ہے - لیکن اِس سے محض عقل کی تشفی ہو سکتی ہے لیکن روح انسانی کے تقاضات اِس سے پورے نہیں ہوتے - بعد ازاں اُس نے تعلیماتیوں کی تعلیم کا امتحان کیا - یہ فرقہ اسماعیلیوں کا ہم عصر فرقہ تھا - جس کا بانی حسن ابن الصباح تھا - اِن کی تعلیم یہ تھی کہ امام لاغلطہ

ہوتا ہے۔ بہت لوگ اس فرقے کے پیرو ہو گئے۔ لیکن الغزالی نے بجائے ماننے کے چند رسالے اس کی تردید میں لکھے"۔
اس پریشان و حیران طالب حق کے لئے سوائے تصوف کے اور کوئی راہ نہ تھی یہ وہی تعلیم تھی جو اُس نے شروع میں طوس اور نیشاپور میں حاصل کی تھی اور اپنے وطن میں جس کا چرچا سُنا تھا۔ کیونکہ صدیوں سے وہاں اس تعلیم کا زور تھا۔ اپنی زندگی کے اس زمانہ کے بارہ میں وہ یہ کہا کرتا تھا:۔
"جب میں نے عوام کی تقلید میں غوطہ لگانا اور اُن کے پیالے سے پینا چاہا تو میں نے اپنی روح پر نظر ڈالی اور میں نے دیکھا کہ اس پر کس قدر حجاب پڑا ہوا تھا۔ اِس لئے میں صحرا نشین ہوگیا اور چالیس روز تک چلہ میں رہا۔ اور اُس وقت مجھے وہ علم حاصل ہوا جو میرے ماحصل علم سے زیادہ خالص اور عمدہ تھا۔ پھر میں نے اِس پر نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اِس میں شرعی عنصر ملا ہوا ہے۔ میں پھر گوشہ نشین ہوا اور چالیس دن تک پھر چلّہ کھینچا۔ اور پہلے کی نسبت بھی زیادہ اعلیٰ اور افضل علم مجھے حاصل ہوا۔ اور میرے دل میں بڑی خوشی ہوئی۔ جب پھر میں نے اِس پر نگاہ کی تو میں نے دیکھا۔ کہ اِس میں بہت کچھ قیاسی عنصر ملا ہوا تھا۔ اِس لئے میں نے تیسری دفعہ خلوت نشین ہو کر چالیس دن کا چلّہ کیا۔

اس وقت مجھے ایک اور علم حاصل ہوا۔ جو محض خیالی نہ تھا بلکہ عینی تھا اور میں باطنی علوم کے اصحاب تک نہ پہنچا۔ اِس لئے میں جانتا ہوں کہ جس تختی پر سے کچھ مٹا کر لکھا جائے وہ تحریر ایسی صاف اور عمدہ نہیں ہوتی جیسی وہ تحریر جو کوری اور صاف تختی پر لکھی جائے اور معدودے چند اشیا کے سوا کسی دُوسری شے کی نسبت میں قیاس کے پنجہ سے نہ چھوٹ سکا"۔

اِن سطور کو پڑھ کر کس کو شک باقی رہیگا کہ اُس نے خدا اور حق کی تلاش میں خلوص قلبی سے کام نہیں لیا؟

اپنی کتاب "اقرارات" میں اُس نے یہ باقی قصہ بھی بیان کیا۔ "میں نے معلوم کر لیا کہ علم تصوف تعریفات پر مشتمل نہیں بلکہ تجربات پر اور جس بات کی کمی مجھ میں تھی وہ تعلیم کی نہ تھی بلکہ وجد اور بیعت کی تھی۔

"جن تحقیقات میں مجھے مصروف ہونا پڑا اور دینی اور قیاسی علوم کی تحصیل میں جو راہ مجھے طے کرنی پڑی ان کے ذریعہ تین امور کا مجھے پختہ یقین ہوگیا۔ یعنی خدا۔ الہام اور یوم الحساب کا دین کے ان تین بنیادی اصولوں کو میں نے پختہ طور سے مان لیا نہ محض خاص دلائل کے زور پر لیکن اسباب۔ واقعات اور اثبات کے مسلسل سلسلہ سے جن کا بیان کرنا ناممکن ہے میں نے یہ معلوم کر لیا کہ خدا پرستی۔ جذبات پر قابو پانے ہی

کے ذریعہ آدمی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اِس عمل میں یہ تو فرض
کر لیا گیا ہے کہ آدمی نے اِس جھوٹی دنیا کو ترک کر کے اُس
سے دِل ہٹا لیا ہے تا کہ وہ ابدیت اور خدا کا دھیان کرنے
کی طرف متوجہ ہو۔ آخر کار میں نے یہ دریافت کیا کہ کامیابی کی
شرط واحد یہ تھی کہ دنیاوی عزت و دولت کو آدمی قربان کر دے
اور دنیاوی زندگی کے تعلقات اور رشتوں سے قطع کرے +

جب میں اپنی حالت پر سنجیدگی سے سوچنے لگا تو میں نے
دیکھا کہ میں تو چاروں طرف سے زنجیروں کے ساتھ جکڑ بند ہوں
میں نے اپنے افعال کا امتحان کیا۔ اور جو مجھے افعال حسنہ
دکھائی دیتے تھے۔ یعنی درس و تدریس کا کام تو مجھے یہ دریافت
کر کے حیرت ہوئی کہ میں کیسی کم وقعت علوم کی تحصیل میں لگا رہا
جو میری نجات کے لئے ہرگز مفید نہ تھے۔ اور جب میں نے
اپنے درس تدریس کی غرض کو پرکھا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ میں
نے خلوص دِلی سے خدا کو مدنظر نہیں رکھا بلکہ دنیاوی عزت
و شہرت کو۔ میں نے یہ معلوم کر لیا کہ میں ایک کراڑے کے کنارہ
پر کھڑا ہوں اور اگر فوراً دل میں تبدیلی نہ ہو تو میں آتش ابدی
میں جھونک دیا جاؤنگا۔ بہت عرصے تک میں انہیں خیالات
میں غلطاں رہا اور ابھی تک اس دُبدھے ہی میں تھا کہ میں
نے ایک دن یہ عزم کر لیا کہ بغداد سے نکل بھاگوں اور مال

متاع سب ترک کر دوں۔لیکن دوسرے دن ہی یہ عزم جاتا رہا
میں ایک قدم آگے بڑھاتا تھا اور پھر فوراً پیچھے ہٹا لیتا تھا۔
صبح کو تو یہ پختہ ارادہ ہوتا کہ اب میں فقط عاقبت کی فکر میں
ہی رہونگا۔شام کو جسمانی خیالات حملہ آور ہوتے اور میرے
ارادوں کو منتشر کر دیتے۔ایک طرف تو دنیا لالچ کی زنجیروں
کے ساتھ مجھے اپنے عہدے سے باندھ دیتی۔دوسری طرف
دین کی آواز چلا چلا کر مجھے یہ کہتی تھی" اُٹھ۔اُٹھ۔تیری زندگی
کا انجام نزدیک ہے اور تجھے دور دراز کا سفر درپیش ہے۔جس
علم کا تو فخر کرتا ہے۔وہ تو دروغ اور وہم ہے۔اگر تو اب اپنی
نجات کی فکر نہ کریگا تو پھر کب کریگا؟ اگر تو اپنی زنجیروں کو آج
نہ توڑیگا تو کب توڑیگا؟ اس وقت میرے ارادے میں استقلال آجاتا۔اور
سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتا۔لیکن ابلیس آکر پھر حملہ
کرتا اور یہ کہتا تھا۔تو عارضی خیالات سے دکھ اٹھا رہا ہے
اُن سے مغلوب نہ ہو کیونکہ یہ جلد جلد جاتے رہینگے۔اگر تو اِن کی
بات مان کر اپنا ایسا عمدہ عہدہ چھوڑ دیگا اور ایسی عزت کی جگہ
جس میں نہ کوئی تکلیف ہے نہ کوئی حریف۔یہ حکومت جو حملوں
سے محفوظ ہے تو تو بعد ازاں بہت پچھتائیگا اور پھر یہ موقعہ ہاتھ نہ
آئیگا۔

الغرض جذبات نفسانی اور تمنائے دینی کی کشمکش سے میری

جان شکنجے میں تھی اور یہ حال چھ ماہ تک رہا۔ ۱۰۹۶ء کے ماہ رجب سے لیکر۔ اِن چھ ماہ کے اختتام پر میں رضا بقضا ہؤا۔ خدا نے میری زبان میں لکنت ڈال دی اور درس دینے سے مجھے روک دیا۔ اپنے شاگردوں کی خاطر میں نے بہت چاہا کہ درس تدریس کا کام جاری رکھوں۔ لیکن میری زبان گنگ ہوگئی +

جب میرے قوائے جسمانی میں ضعف آگیا۔ تب طبیبوں نے میرے بچانے کی خاطر مایوس ہوکر یہ کہا۔ یہ مرض دِل میں ہے جس کا اثر سارے بدن پر ہورہا ہے اور اس کا کچھ علاج نہیں جب تک کہ اِس شدت غم کا سبب دور نہ ہو +

آخرکار اپنی ناتوانی اور روح کی پریشانی کو دیکھ کر میں نے خدا میں پناہ لی جیسے وہ شخص پناہ لیتا ہے جس کا کوئی حیلہ وسیلہ نہیں رہتا۔ "جو کمبختوں کی سُنتا ہے جب وہ اس سے فریاد کرتے ہیں" (قرآن ۲۸۔ ۶۲)۔ اُس نے میری آواز بھی سُنی۔ اور اُس نے مجھے توفیق عنایت کی کہ میں عزت۔ دولت اور عیال و اطفال کو ترک کروں"۔ ("اقرارات صفحہ ۴۲ سے ۴۵)۔ لفظ تبدیلی دِل سے روحانی طور پر یہاں وُہی مراد نہیں جو مسیحی دین میں مراد لی جاتی ہے۔ چنانچہ مابعد بیان سے یہ ظاہر ہے۔ اُس نے بہانہ کیا "میں نے برملا یہ بیان کیا۔ کہ میں مکہ کو حج کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حالانکہ دِل میں یہ ارادہ

تھا کہ شام کو جاؤں لیکن میں یہ نہ چاہتا تھا کہ خلیفہ (زاد حشمتہ) یا
میرے دوست میرے اس ارادے سے آگاہ ہوں کہ میں اس
ملک میں جاکر رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے بغداد چھوڑنے کے ہر
طرح کے حیلے بہانے کئے۔ حالانکہ میرا ارادہ تھا کہ میں وہاں پھر
کبھی واپس نہ جاؤں۔ عراق کے اماموں نے ایک دِل ہو کر مجھ
پر نکتہ چینیاں کیں۔ اُن میں ایک بھی یہ نہ مانتا تھا کہ اِس قربانی
کی کوئی دینی غرض تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دینی جماعت میں مجھے
سب سے اعلےٰ رتبہ حاصل تھا۔ اُن کی عقل کی رسائی یہیں تک
ہے۔ (قرآن ۵۳ - ۳۱)

میری اِس روش کے ہر طرح کے سبب بتائے جاتے تھے
جو لوگ عراق کی حدود سے باہر رہتے تھے انہوں نے تو یہ کہا
کہ سرکار کے خوف سے میں نے یہ کام کیا اور جو وہاں ہی رہتے
تھے اور جنہوں نے دیکھا تھا کہ حکّام نے مجھے باز رکھنے کی کیسی کوشش
کی اور میرے اس ارادے سے کیسے ناراض تھے اور اِس امر سے
کہ میں نے اُن کی درخواست نامنظور کی۔ اُنہوں نے اپنے دِل میں
یوں کہا "یہ آفت ہے جسے آدمی قسمت ہی سے منسوب کر سکتا ہے
یہ ایمانداروں اور عالموں کی قسمت میں تھا"۔

آخر کار میں بغداد سے نکل آیا اور مال و متاع کو ترک کر دیا۔
چونکہ عراق کی زمین اور جائداد خیراتی مقاصد کے لئے کافی آمدنی

دے سکتی تھی اس لئے میں نے شرعی طور پر یہ اجازت حاصل کرلی کہ میں اس میں سے اس قدر آمدنی رکھ لوں جو میرے اور میرے بچوں کے گزارہ کے لئے کافی ہو۔ کیونکہ دنیا میں اس سے زیادہ اور کیا جائز ہوگا کہ عالم اپنے خاندان کے کافی گزارہ کے لئے سامان بہم پہنچا لے۔ اس کے بعد میں شام کو چلا گیا اور وہاں دو سال تک رہا اور یہ عرصہ میں نے گوشہ نشینی ذکر اور ریاضت میں گذارا۔ مجھے صرف یہ فکر تھی۔ کہ جو طریقے دعا و نماز کے صوفیوں نے مجھے سکھائے تھے اُن کے ذریعہ اپنے آپ کو سدھاروں اور اپنے دل کی صفائی و پاکیزگی حاصل کروں۔ دمشق کی مسجد میں گوشہ نشین رہا اور مینارے پر اپنے حجرے کا دروازہ بند کر کے اپنے دِن گزارتا تھا"۔ (صفحہ ۴۵ سے ۴۶) +

جب الغزالی دنیا ترک کرنے کا عزم کیا اور حج پہ روانہ ہوا تو اُس نے اپنے زمانے کے دستور کے مطابق کیا۔ نہ صرف دیندار لوگوں کو بلکہ سیاحوں کو بھی سفر ہی میں اطمینان اور آرام حاصل ہوتا تھا۔ دیندار تو بقول ان کے یسوع مسیح کی تقلید میں یہ کرتے تھے اور لفظ مسیح کے معنی ہی "سیاحت کرنے والا" سمجھتے تھے۔ اور دنیاوی مزاج لوگ فقیرانہ لباس اِس لئے اختیار کرتے تھے کہ دور دور ملکوں کی سیر کریں اور نئی نئی جگھوں

کو دیکھیں ؛
بذریعہ ڈاک اور قافلوں کی سڑکوں کے سفر بہت آسان ہوگیا تھا اس لئے اُس زمانہ کا نام ہی شوقِ سیاحت پڑ گیا تھا۔ عُلما کو تشفی حاصل نہ ہوتی جب تک وہ اسلامی دنیا کو دیکھ نہ لیتا۔ طبریزی (۱۰۳۰ء سے ۱۱۰۹ء) امام غزالی کا ہمعصر تھا وہ بھی نظامیہ سکول میں افسر رہ چکا تھا۔ اس کی نسبت یہ ذکر آیا ہے کہ جب علمی مقاصد کے لئے وہ سفر کرنا چاہتا تھا " تو اس کے پاس کوئی روپیہ نہ تھا کہ وہ گھوڑا کرایہ پر لے سکے۔ اِس لئے اُس نے اپنی کتاب تھیلی میں ڈالی اور فارس سے شام تک کے دور دراز سفر پر روانہ ہوا۔ اس کے پیٹھ کے پسینے سے تھیلی بھیگ گئی اور اس کی کتاب پر دھبے پڑ گئے۔ یہ قلمی کتاب بغداد کے ایک کتب خانے میں محفوظ رہی اور وہاں جانے والوں کو دکھائی جاتی تھی"۔ فارسی شاعر سعدی اوائل عمر ہی میں یتیم رہ گیا۔ اور نظامیہ دار العلوم میں تعلیم پانے کی خاطر بغداد کو گیا۔ اور کئی بار مکہ کا حج کیا اور یروشلم کے بازار اور شام کے شہروں میں محض خیرات کی خاطر بہشتی کا کام کرتا رہا۔ فرنگیوں نے اُسے قید میں ڈالا۔ اور یہودیوں کے ساتھ طرابلس واقعہ شام میں خندق کھودنے کے کام پر لگا دیا۔ حلب کے ایک باشندے نے زرِ فدیہ دے کر اُسے چھڑایا اور اپنی بیٹی اسے نکاح میں دی

کاشغر واقعہ ترکستان اور حبش اور ایشیا کوچک میں سفر کرنے کا اُس نے خود ذکر کیا ہے۔ افغانستان کی راہ وہ ہندوستان میں بھی آیا ÷

ہمدانی کے بیالیسویں مقامات میں ایک ایسے درویش کا ذکر آیا ہے (جو بد دیانت تھا)"میں نے سیاحت شروع کی گویا کہ میں مسیح تھا۔ میں خراسان سے لے کر اُس کے بے آباد اور آباد حصّوں میں سے گزرتا ہؤا کرمان۔ سیجستان۔ جیلان۔ طبرستان۔ عمان سے ہوتا ہؤا سندھ اور ہندوستان پہنچا وہاں سے نوبیہ اور مصر۔ یمن۔ حجاز۔ مکّہ اور طائف کو دیکھا۔ میں بیابانوں اور جنگلوں میں گھومتا پھرا۔ حرارت اور آتش کی تلاش میں رہا۔ اور گدھوں کے ساتھ پناہ لی۔ حتّےٰ کہ میرے دونوں رخسارے کالے پھر گئے۔ اور یوں میں نے رقصے کہانیاں۔ لطیفے۔ اور روایات۔ ہزلیات۔ چھچھوروں کے مشغلوں اور عشق زدہ لوگوں کے فسانوں اور نیم فیلسوفوں کے ہتھکھنڈوں شعبدہ بازوں کے شعبدوں۔ عیاروں کی عیاریوں کو عیّار ہجویوں کے راز و نیاز کی باتوں نجومیوں کے فریبوں۔ مکّاروں کی چالاکیوں۔ زنانوں کے دھوکوں۔ فریبیوں کے حیلوں شیاطین کی شیطنت کے قصّوں کو جمع کیا۔ اِس حد تک کہ شافعی کے شرعی فیصلے۔ الضبیؔ کی یادگار۔ اور الکلبیؔ کا علم ان کے سامنے

ہیچ تھا۔ میں نے تحفے طلب کئے اور انعام مانگے میں امیروں اور فقیروں دونوں سے واقف ہوا۔ میں نے مدح اور ہجو دونوں سے کام لیا۔ یہاں تک کہ میں صاحب جائداد ہو گیا۔ ہندی تلواریں اور یمنی خنجریں۔ سبتور کے زرہ بکتر۔ تبت کی چرمی ڈھالیں۔ الخط کے نیزے اور بربری بھالے۔ نہایت تیز رو گھوڑے۔ ارمنی خچریں اور مصری گدھے روم کے ریشمی کپڑے اور سوس کی اونی اشیا میرے ہاتھ آئیں"۔

لیکن الغزالی جیسے دیانتدار سیاح کے لئے ایسی زندگی آسان نہ تھی۔ نہ صرف سفر کی سختی اور تنہائی کی مصیبت تھی بلکہ گدا اور مسافر کی تنگدستی کا سامنا تھا۔ حریری لکھتا ہے کہ" ایسی حالت میں سے ہم کو گذرنا پڑا۔ کبھی تو بخت یاوری کرتا۔ کبھی محتاجی سے پالا پڑتا۔ پاؤں کے تلووں میں چھالے پڑ گئے۔ بھوک و پیاس کے مارے گلا سوکھ گیا۔ شکم میں درد کا دورہ تھا اور انتڑیاں بھوک سے نکلی جاتی تھیں۔ بیداری کا سرمہ آنکھوں میں لگا تھا اور غار ہمارا وطن تھا۔ اور کانٹے ہمارا بستر۔ اپنی زبنوں کو ہم نے فراموش کیا۔ اور موت کو ہم نے شیرینی سمجھا اور یوم الحساب کی انتظاری میں ہماری آنکھیں تھک گئیں"۔

یہ قرین قیاس ہے کہ الغزالی جیسا شاہد اپنا بیاض اپنے سفروں میں اپنے ساتھ رکھتا ہوگا۔ بلاشک وہ اُس وقت کے جغرافیہ کی کتابوں سے واقف ہوگا۔ اُن میں سے بعض کتابوں میں

نقشے اور تصویریں بھی ہونگی۔ اِن میں سب سے مشہور اور اہم کتاب ابوعبداللہ المقدسی کی تصنیف تھی۔ جس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اسلامی سلطنت میں کی سیر و سیاحت میں صرف کیا۔ شاید ہندوستان اور ہسپانیہ میں وہ نہیں گیا۔ اُس کی کتاب کا نام "موسموں کے علم کی بہترین تقسیم تھا" یہ کتاب ۹۸۵ء میں لکھی گئی۔ الغزالی کے ایک ہمعصر بنام ابو عبید آل بکری ساکن کارڈووا نے اسلامی دنیا کے ساری شاہراہوں اور علاقوں کا جغرافیہ عام لکھا +

اگرچہ الغزالی کے سفروں کی تفصیل ہمارے پاس نہیں لیکن پھر بھی ہم یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ وہ کن کن شہروں میں گیا۔ اور اُس وقت اُن کی کیا حالت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بغداد سے روانہ ہو کر دمشق کو گیا جو تقریباً پانچ سو میل کے فاصلے پر تھا۔ اور دمشق سے یروشلم اور جبرون کو۔ وہاں سے محمد صاحب کے مولد مکہ کو اور پھر مدینہ کو جہاں نبی کی قبر تھی۔ اور پھر قافلہ کے ساتھ ہزاروں میل کا سفر کر کے واپس آیا +

اس کی زندگی کے اِس سارے عرصے میں دمشق میں جنگ و جدل ہو رہی تھی۔ اس کے زمانے سے تھوڑا عرصہ پیشتر کرماتیوں نے اس شہر کو فتح کیا اور اِس کا بہت حصہ آگ سے جلا دیا۔ یہاں کے گورنروں کی بار بار تبدیلی ہوتی رہی اور غدر و ہنگامے برپا رہے۔ ۱۰۶۹ء میں جامع مسجد آگ سے جلادی گئی۔ ۱۰۷۶ء

میں سلجوق جرنیلوں نے شہر کو تسخیر کیا - قلعہ کی از سر نو تعمیر کی اور
دیگر عمارات بنائیں - ان میں سے ایک مشہور ہسپتال تھا - بغداد
سے دمشق پہنچنے سے تقریباً پندرہ سال پیشتر یہ سارے ماجرے
وقوع میں آئے *

کہتے ہیں کہ دمشق کی عالیشان عمیہ مسجد ساری عمارتوں سے
عظیم الشان تھی - اُس میں بیس ہزار نمازیوں کے لئے جگہ تھی -
اور شام کے علاقہ کے سینتالیس سال کا سارا خراج اُس کی تعمیر میں
صرف ہوا - قبرص سے جو اٹھارہ جہاز سونے اور چاندی سے لدے
ہوئے آئے تھے وہ اس کے علاوہ تھے - "جب یہ عالیشان عمارت
ختم ہوئی اور اُس کے حساب کی کتابوں سے اٹھارہ خچریں لدی ہوئیں
خلیفہ کے سامنے پیش ہوئیں تو اُس نے ان پر نگاہ بھی نہ کی اور اُن
کے جلا دینے کا حکم دیا اور ہجوم سے مخاطب ہو کر یوں کہا " اے
اہالیان دمشق تمہارے پاس دوسرے لوگوں کی نسبت چار عجائبات
باعث فخر ہیں - تمہارا پانی - تمہاری ہوا - تمہارے پھل - تمہارے
حمام - اب پانچواں عجوبہ باعث فخر یہ مسجد ہوگی " *

اسلامی عبادت کی دیگر مشہور جگہوں کی طرح یہ مسجد ایک
مسیحی گرجا کی جگہ تعمیر ہوئی جو یوحنا اصطباغی کے نام پر مخصوص
تھا اور اب تک اس کی یادگار میں ایک خانقاہ پائی جاتی ہے -
چند سالوں تک تو مسیحی اور محمدی دونوں اس عمارت کو استعمال کرتے

رہے لیکن ۱۰۴۱ء میں مسیحی یہاں سے نکال دئے گئے ۔ آج تک
اِس کے تین میناروں میں سے ایک عیسےٰ کے نام سے موسوم ہے
اور ایک پھاٹک پر جو اب مدت سے بند پڑا ہے ۔ یونانی میں یہ
کتبہ لکھا ہؤا ہے "اے مسیح تیری سلطنت ابدی سلطنت ہے اور
تیری بادشاہی پشت در پشت قائم ہے"۔

الغزالی نے بہت سالوں تک کئی گھنٹے اِس عالیشان عمارت کے
سایہ تلے گزارے ۔ اور یسوع نامے مینارے میں وہ دیر تک دھیان
الٰہی میں لگا رہا ۔ بقول صلاح الدین یہ مینارہ الغزالی کے وہاں
جانے سے کچھ دیر پہلے گیارھویں صدی میں تعمیر ہؤا تھا ۔ کیا
کبھی اس نے اُس کتبہ کو دیکھا یا پڑھا اور اُس نبی کے بارہ میں
سوچا جس کی سلطنت کا نہ کوئی آخر اور نہ کوئی حد ہے ؟
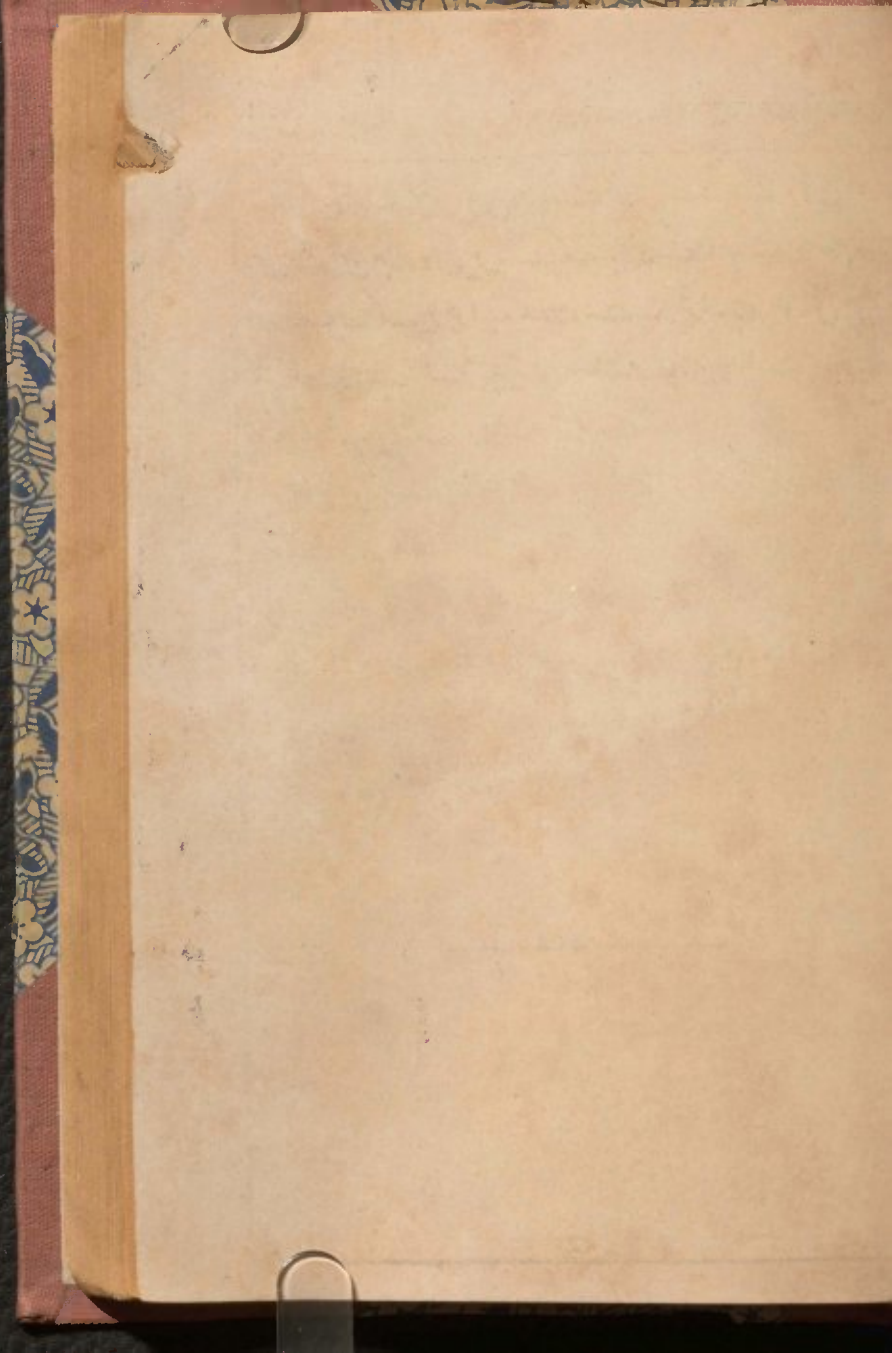
قبة الصخرة بمدينة القدس الشريف

سیاحت ۔ مابعد ایّام اور وفات

الغزالی کی زندگی کی تواریخ عین اُن کے لئے بھی ایک معمّا تھا جنہوں نے اُس کی زندگی کا حال اُس کی وفات سے ایک صدی بعد لکھا۔ نہ صرف اس کی مختلف سیاحتوں کے اوقات بلکہ اُن کی ترتیب کے بارہ میں بھی بہت شکوک ہیں ۔ بلکہ جن جن مقامات کی اُس نے سیر کی اُن کے بارہ میں بھی اب تک بحث ہوتی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اُس کی یہ دلی تبدیلی ۴۸۸ھ میں وقوع پذیر ہوئی (۱۰۹۵ء) جب کہ اُس کی عمر ۳۸ سال کی تھی اور اس سے تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ پردیس کو چلا گیا۔ ۴۹۹ھ (۱۱۰۶ء) میں اُس نے پھر کام کرنا شروع کیا۔ اور دو سال تک شام میں گوشہ نشین رہا ۔ دیگر تاریخیں بالکل غیر یقینی ہیں۔ سب سے معتبر تصانیف خاص کر اُس کی کتاب بنام "اقرارات" کے مطابق ہم اُس کی کہانی وہاں سے شروع کرینگے ۔ جہاں ہم نے پچھلے باب میں چھوڑی تھی +

بقول الغزالی "میں دمشق سے روانہ ہو کر یروشلم کو گیا اور ہر روز چٹان کے مقدس میں اعتکاف میں بیٹھا کرتا تھا۔ اُسکے بعد

میرے دل میں حج کی تمنا پیدا ہوئی تاکہ مکہ پہنچ کر اور مدینہ جاکر۔
مسجد نبی کی زیارت کرکے میں کثرت سے برکت حاصل کروں -
خلیل اللہ (ابراہیم) کے مقبرے کی زیارت کرکے میں حجاز کو گیا۔
آخر کار میرے دل کی آرزو اور میرے بچوں کی دعائیں مجھے اپنے
وطن کی طرف کھینچ لائیں - اگرچہ شروع میں یہ میرا عزم بالجزم تھا
کہ میں وہاں کبھی واپس نہ جاؤنگا - کم ازکم میرا یہ ارادہ تھا کہ اگر
میں وہاں واپس گیا بھی تو عالم تنہائی - اور ذکر الٰہی میں مصروف
رہونگا - لیکن واقعات - خاندانی تفکرات اور انقلابات زندگی
نے میرے ارادوں کو بدل ڈالا - اور ذکر الٰہی میں جو اطمینان خاطر
حاصل تھا اُس میں خلل آیا - گو غیر مقررہ اوقات پر ذکر الٰہی میں
مصروف ہونے لگا - لیکن اس پر سے میرا اعتبار کسی طرح کم
نہ ہؤا - جس قدر رکاوٹوں نے خلل ڈالا - اُسی قدر زیادہ میں
اُن کی طرف رجوع ہؤا - اِس طرح سے دس سال گزر گئے

اِس بیان کے مطابق یروسلم - جبرون - مدینہ اور مکہ کی
طرف اُس کا حج کرنا ایک ہی سیاحت کے وقت ہؤا اور بغداد
سے اسلام کی ولادت گاہ تک یہی طبعی راستہ ہے - بعض مصنفوں
کا یہ بیان کہ وہ پہلے دس سال تک دمشق میں رہا غالباً نادرست
ہے - اگر ہم ڈل آسنوی کے بیان کا اعتبار کریں تو واقعات
کا سلسلہ یہ ہوگا: - وہ ۱۰۹۵ء میں حجاز کی طرف روانہ ہؤا -

حج سے واپس آنے پر اس نے دمشق کا سفر کیا - اور وہاں جامع مسجد میں چند سالوں تک رہا اور کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے کتاب احیا ایک ہے - پھر یروشلم اور شاید قاہرہ اور اسکندریہ کو دیکھنے کے بعد وہ اپنے وطن طوس کو گیا +

ایک عربی مصنف کے مطابق جب الغزالی دمشق سے اپنی سیاحت کے لئے روانہ ہوا - تو اس وقت ایک شاگرد اس کے ہمراہ گیا جس کا نام ابوطاہر ابراہیم تھا - جس نے نیشاپور میں بزرگ امام سے تعلیم حاصل کی تھی - لیکن پیچھے وہ اپنے وطن جرجان کو چلا گیا اور ۵۱۳ھ میں جام شہادت نوش کیا - دمشق میں اس کے دوسرے شاگردوں کا ذکر بھی آتا ہے لیکن مؤرخوں کا اُس میں اتفاق نہیں +

یروشلم میں جو بہت زیارت گاہیں تھیں اُن میں سے الغزالی نے عمر کی مسجد اور چٹان کے گنبد کی زیارت کی - سورہ ۱۷ - ۱ میں ذکر ہے کہ محمد صاحب مکہ سے یروشلم کو گئے " وہ پاک ہے جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک لے گیا - جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں دے رکھی ہیں " +

السیوطی کا قول ہے کہ اہل اسلام میں یروشلم کی عزت خاص کر اس لئے ہے کہ یہاں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے توبہ کی " وہ جگہ جہاں خدا نے اپنا فرشتہ حضرت سلیمان کے

پاس بھیجا - اور ذکریاہ کو یوحنا کی خوشخبری دی - اور داؤد کو ہیکل کا
نقشہ دکھایا - اور زمین کے سارے چرند اور ہوا کے سارے
پرند اس کے ماتحت کر دئے - یروشلم ہی میں انبیا قربانی چڑھایا
کرتے تھے - وہاں ہی یسوع پیدا ہوا - اور گھوارے میں باتیں
کرتا رہا اور یروشلم ہی سے یسوع نے آسمان پر صعود کیا - اور
اسی جگہ وہ آسمان سے نزول کریگا - جوج ماجوج دنیا کے ہر مقام
کو فتح کر لینگے لیکن وہ یروشلم پر غالب نہ آئینگے اور اُسی جگہ خدا قادر
مطلق اُن کو نیست کریگا - یروشلم ہی کی مقدس سرزمین میں آدم
ابراہیم - اسحٰق اور مریم مدفون ہیں اور آخری ایام میں لوگ یروشلم
ہی کی طرف بھاگینگے - اور اُس وقت تو عہد کا صندوق اور سکینہ
ہیکل میں بحال ہوگا - اُسی جگہ روز قیامت کو عدالت کے لئے کل
نوع انسان جمع ہونگے اور خدا اپنے فرشتوں کے ساتھ ہیکل میں
داخل ہوگا جب کہ وہ دنیا کا انصاف کرنے کو آئیگا"+

یہاں الغزالی نے اُس چٹان پر محمد صاحب کے نقش قدم
دیکھنے کی آرزو کی ہوگی - جہاں سے اُس نے آسمان کی طرف معراج
کیا - جن مقامات میں ابراہیم اور ایلیاہ نے دعائیں مانگی تھیں
وہ لوگوں نے اُسے دکھائی ہونگی اور چٹان کا وہ گول سوراخ
جس میں سے محمد صاحب گزر کر آسمان پر گئے اور وہ مقدس
مقام غار کی چھت میں جو اونچا ہو گیا تھا تاکہ وہ سیدھے کھڑے

ہو کر دوگانہ ادا کریں۔ جس زبان سے اس مقام نے کلام کیا۔ اور
جبرئیل فرشتے کی انگلی کے نشان جہاں سے آگے جانے کی اُس کو
اجازت نہ ہوئی۔ مسلمان وہ جگہ بھی آج تک دکھایا کرتے ہیں
جہاں سلیمان جنات کو سزا دیا کرتے تھے اور وہ مشرقی دیوار جس
کے نزدیک وہ تخت تھا جہاں وہ مرنے کے بعد بیٹھا نظر آیا اُس
کی لاش عصا کے سہارے پر رہی تاکہ جنات کو اُس کی موت
کا پتہ نہ لگے۔ حتیٰ کہ کیڑوں نے اُس عصا کو کھا لیا اور لاش اوندھے
منہ گر پڑی۔ ان سب باتوں کا ذکر مسلمانوں کی حدیثوں میں آیا
ہے اس سے الغزالی کی زود اعتقادی یا بے اعتقادی میں مدد
ملی ہوگی۔ اپنی ایک تصنیف میں اُس نے یہ ذکر کیا کہ آخری روز
اسرافیل جو جبرئیل اور میکائیل کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جائے گا
یروشلم کی ہیکل کی چٹان پر کھڑے ہو کر خدا کے حکم سے دنیا کے
سارے حصوں سے ارواح کو جمع کریگا۔ ایمانداروں کی روحوں
کو فردوس سے۔ بے ایمانوں کی روحوں کو دوزخ سے اور اپنے
صور میں اُنہیں ڈالیگا۔ وہاں وہ چھوٹے چھوٹے سوراخوں
میں ایسے جمع ہونگے جیسے چھتے میں شہد کی مکھیاں ہوتی ہیں۔
اور جب وہ آخری صور پھونکیگا۔ تو شہد کی مکھیوں کی طرح نکل
بھاگینگے اور زمین و آسمان کے سارے مقامات کو بھر دینگے۔ پھر
وہ اپنے اپنے جسموں میں داخل ہونگی۔ اس وقت زمین ایک

وسیع میدان ہوگا اور کوئی پہاڑی یا گاؤں نہ ہوگا اور مُردے جی اُٹھنے کے بعد اپنی اپنی قبروں میں جا بیٹھینگے اور جو کچھ اُن پر وارد ہونے کو ہے اُس کی انتظاری بڑی فکر سے کرینگے" +

اِس مسجد کے بارہ میں جو دیگر محمدی روایات ہیں اُن کا بیان ایک زمانہ حال کے سیاح نے لکھا ہے "کُرسی کے زینہ پر جو محرابیں بنی ہوئی ہیں اُن کا نام "میزان" اِس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اُس روز عظیم کو عدالت کا ترازو وہاں لٹکایا جائیگا - زنجیر کے گنبد کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ داؤد کی عدالت گاہ میں ایک سونے کی زنجیر لٹکی ہوئی تھی اور گواہ شہادت دیتے وقت اُس کو پکڑتے اگر اُن کی شہادت جھوٹی ہوتی تو اُس زنجیر میں سے ایک کڑی گر پڑتی تھی - بیرونی دیوار میں ایک مقام دکھایا جاتا ہے جس کی نسبت یہ روایت ہے کہ یومِ عدالت کو وہاں ایک تار لٹکا دی جائیگی جس تار کا دوسرا سرا کوہِ زیتون سے بندھا ہوگا - مسیح اُن کی دیوار پر بیٹھیگا اور محمد صاحب اُس پہاڑی پر - اِس تار پر سے سارے آدمی گزرینگے لیکن صرف نیک ہی اُس پر سے عبور کر سکینگے اور سارے بدکار نیچے وادی میں جا گرینگے - مسجد اقصےٰ میں دو ستون ایک دوسرے کے بہت متصل کھڑے ہیں اور وہ ایسے گھس گئے ہیں کہ اُن کا پتلاپن صاف ظاہر ہوتا ہے - جو فاصلہ اُن کے

مابین ہے اُس میں تڑپتی کی سی آواز آتی ہے - اور اب ایک نوکدار لوہے کا ٹکڑا اُن کے درمیان لگا دیا گیا ہے - آخری اجر کے دریافت کرنے کا یہ مزید معیار ہیں - جو آدمی سُکڑ کر اُن کے بیچ میں سے گزر سکے اُسی کو بہشت میں جانے کی تنگ راہ دستیاب ہوئی ہے'' ٭

مسلمان مورخوں نے بھی یروشلم کا بیان لکھا ہے - ایک نے دسویں صدی کے آخر میں اور دوسرے نے گیارھویں صدی کے وسط میں - اِسی مؤخرالذکر نے وہاں کی آبادی کا اندازہ بیس ہزار لگایا اور اُس کے خیال میں اِسی قدر مسلمان حاجی حج کے مہینے وہاں جاتے تھے - مسیحی اور یہودی بھی وہاں زیارت کے لئے ویسے ہی جاتے تھے جیسے آج کل جاتے ہیں - اِن دونوں مصنّفوں نے وہاں کی صفائی کی تعریف کی ہے - جس کی وجہ اُنھوں نے جگہ کے موقع اور قدرتی بدر روسے منسوب کی - تو بھی اِس ساری صدی میں یروشلم کی تاریخ مسیحی اور مسلم مقدس جگھوں کی تباہی اور مرمت کی تاریخ ہے - سنہ۱۰۱۰ء میں مقدس قبر (Holy Sepulchre) کے گرجا کو دیوانہ سلطان حکیم نے پامال کیا - علاوہ ازیں مسیحی حاجیوں کو اور بہت سی تکلیفیں اور ایذائیں دی گئیں - حتیٰ کہ پیٹر فقیر (Hermit) نے اِس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور صلیبی جنگوں کا

آغاز ہوا ۔

ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ اس زیارت کے وقت الغزالی نے اپنا وقت یروشلم میں کیسے کاٹا ۔ صلیبی جنگ کی ابتدا سے ذرا پیشتر شام بھر میں جنگ و ہنگامے برپا تھے اس کا صرف قیاس کر سکتے ہیں کہ الغزالی نے اس ساری حالت میں کیسی دلچسپی لی ہوگی اور مسلم عقیدہ کے ایسے جوشیلے حامی نے اِن آئندہ واقعات میں کیسی سرگرمی دکھائی ہوگی جو اُس کے یروشلم میں جانے کے وقت مقدس زمین میں واقع ہو رہے تھے ۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ اُس نے صوفی زندگی بسر کی اور دعا اور روزے میں مصروف رہا ۔ ہر صاحب ضمیر مسلمان کی زندگی میں نماز کا بڑا حصہ ہے ۔ نہ صرف پانچ مقررہ رسمی نمازیں ہیں بلکہ نماز تہجد جو بقول غزالی آدھی رات اور تڑکے سے پیشتر پڑھنی چاہیے ۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ جو مسلمان درست طور سے اپنی نمازیں ادا کرے تو وہ ایک ہی قسم کی دعا دن میں کم از کم پچھتر دفعہ پڑھتا ہے ۔ نمازوں کے علاوہ وِتر کی نماز ہے جو نماز عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے ۔ نماز ضحےٰ جو دوپہر سے پیشتر ادا ہوتی اور رات کے عرفوں کی نماز جو شام کی آخری نماز اور آدھی رات کی نماز کے مابین پڑھی جاتی ہے ۔ مذکورہ بالا ساری نمازوں کے علاوہ جو لوگ کمال کا اعلےٰ درجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں بقول الغزالی اپنے عمل کے مطابق چند

دیگر نمازیں بھی ادا کرنی چاہیے جن کو وِتر کہتے ہیں ۔ اِس صوفی عبادت
کی حقیقت کو ہم یاد رکھیں جن میں دِن اور رات اُس نے گزارے
اِس کے لِئے ہم اُس کی کتاب "احیا" میں سے نقل کرتے ہیں:
"قرآن کی بہت آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا سے
وصل پانے کا واحد طریقہ اُس کے ساتھ متواتر راہ و ربط رکھنا
ہے ۔ اِس لِئے جس عبادت کا نام وِرد ہے اُس کا یہی مقصد
ہے کہ ایماندار لیل و نہار اِسی میں مشغول و مصروف رہے ۔
دِن کے لِئے سات وِرد مقرر ہیں ۔ پہلا وِرد ۔ مسلمان علی الصباح
اُٹھ کر خدا کا نام لے ۔ اُس کی حمد کرے ۔ خاص مناجات پڑھے
کپڑا پہنتے وقت مقررہ دعائیں مانگیں ۔ مسواک سے دانت
صاف کرے ۔ وضو ادا کرے ۔ اور طلوع آفتاب کے لِئے
دو سنت رکعت ادا کرے ۔ اِس کے بعد ایک اور دعا پڑھے
اور خاطر جمعی کے ساتھ مسجد کو جائے ۔ مسجد میں بڑی سنجیدگی
اور ادب کے ساتھ اپنا قدم رکھے اور داخل ہوتے اور وہاں
سے نکلتے وقت مقررہ دعائیں پڑھے ۔ اگر جگہ ہو تو نمازیوں
کی پہلی صف میں جا شامل ہو اور اشراق کے لئے دو رکعت
پڑھے بشرطیکہ گھر میں یہ نہ پڑھ چکا ہو ۔ پھر مسجد کو سلام کرکے
دو رکعت ادا کرے اور دعائیں اور حمدیں پڑھے اور جماعت
کے جمع ہونے کی انتظار کرے ۔ اور اشراق کی لازمی نماز ادا

کر کے طلوع آفتاب تک مسجد میں بیٹھا رہے اور ذکر کرتا اور خاص
دعائیں مانگتا رہے - ایک مقررہ تعداد پر حمد پڑھے اور تسبیح پر
گنتا جائے اور قرآن کی سورتیں پڑھتا رہے رہمیں معلوم ہے
کہ تسبیح کا استعمال عام تھا کیونکہ الحریری کی "مجالس" میں اور الغزالی
کی "کیمیائے سعادت" میں اِس کا ذکر پایا جاتا ہے) دوسرا وِرد
طلوع آفتاب سے لیکر قبل از دوپہر تک ہے - ایماندار دو
رکعت ادا کرتا ہے اور جب سورج ایک نیزہ بھر بلند ہوتا ہے
تو دو اور رکعتیں پڑھی جاتی ہیں - یہ وہ وقت ہے کہ جب
ایماندار نیک اعمال مثلاً بیمار پرسی وغیرہ میں مصروف ہو اور
جب کوئی خاص امر قابل توجہ نہ ہو تو وہ مناجات - ذکر - یاد
الٰہی اور قرآن کی تلاوت میں مصروف رہے - تیسرے وِرد کا
وقت صبح سے آفتاب کے بلند ہونے تک ہے - جب کہ
مومن اپنے دنیاوی کاروبار سے فارغ ہو کر مذکورہ بالا ریاضت
الٰہی میں مشغول ہوتا ہے - آفتاب کے بلند ہونے اور نماز
قبل از دوپہر کے درمیان اذان اور اقامت کے مابین چار رکعت
اور قرآن کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں - یہ چوتھا ورد ہے - نماز
مغرب تک پانچواں - چھٹا اور ساتواں ورد آتے ہیں - آخر کار
رات کے وِرد ہیں اور وہ شمار میں پانچ ہیں اور اُن کی تقسیم
اِس طرح سے ہے - اول رات کا ورد - غروب آفتاب

کے بعد جب مغرب کی نماز ادا ہو چکتی ہے اُس وقت تک کہ اندھیرا
ہوجائے مومن دو رکعتیں پڑھتا ہے جن میں قرآن کے چند مقامات
پڑھے جاتے ہیں۔ پھر چار طویل رکعتیں ادا ہوتی ہیں اور جس قدر
وقت کی گنجائش ہو قرآن میں سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ ورد
گھر میں ادا کر سکتے ہیں لیکن مسجد میں ادا کرنے کو ترجیح دی گئی
ہے۔ رات کا دوسرا ورد۔ اِس کا وقت آخری عشا کی تاریکی سے
لے کر اُس وقت تک ہے کہ لوگ سونے کو جائیں۔ اِس ورد
میں تین باتیں داخل ہیں (۱) اوّل تو لازمی عشا۔ دس رکعتیں
یعنی چار اِس سے پہلے اور چھ اس کے بعد (۲) تیرہ رکعتوں کا
ادا کرنا جن میں سے آخری وتر کی نماز کہلاتی ہیں۔ اِس میں قرآن
کی تقریباً تین سو آیات پڑھی جاتی ہیں۔ (۳) سونے سے
پیشتر وتر کی نماز بشرطیکہ رات کو اُٹھنے کی اُسے عادت نہ ہو۔
اور رات کو اُٹھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے۔ رات کا تیسرا
ورد۔ اِس میں نیند شامل ہے۔ اور نیند بھی اگر مناسب طور سے
ہو تو عبادت میں داخل ہے۔ رات کا چوتھا ورد۔ یہ اُس وقت
شروع ہوتی ہے جب نصف رات گزر جاتی ہے اور اُس وقت
تک رہتی ہے جب رات کا چھٹا حصّہ باقی رہ جائے اس وقت
مومن کو نیند سے بیدار ہونا چاہیئے۔ اور تہجّد کی نماز پڑھنا چاہیئے
اِس نماز کو نمازِ تہجّد بھی کہتے ہیں۔ محمد صاحب اکثر اِس نماز

میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے - رات کا پانچواں ورد - یہ رات کے باقی چھٹے حصے سے شروع ہوتا ہے اور اسے سحر کہتے ہیں یعنی پو پھٹنے سے پیشتر شروع کر کے پو پھٹنے تک - ان ریاضتوں پر جن کا ذکر کتاب "احیا" میں ہوا چار مزید افعال کو ایزاد کرنا امر ثواب گنا جاتا تھا - یعنی روزہ - زکوٰۃ - بیمارداری - جنازہ کے ساتھ جانا اور ان سب کے علاوہ - ذکرِ خدا کی بھی تاکید تھی - صوفیہ کرام عبادت کے ایک خاص طریقہ کو ذکر کہتے ہیں ؎

الغزالی نے اس عمل کے طریقے اور نتیجوں کا ذکر ایک مقام میں کیا جس کا خلاصہ میکڈانلڈ صاحب نے یوں دیا ہے - "مومن اپنے دل کو ایسی حالت میں منتقل کر دے جس میں اس کے نزدیک عدم اور وجود ایک ہو جائیں پھر وہ تنہا ہو کر کسی گوشے میں بیٹھے اور مطلق ضروری دینی فرائض ہی میں مصروف ہو نہ قرآن کی تلاوت میں نہ اس کے معنی سمجھنے میں نہ دینی حدیثوں وغیرہ کے پڑھنے میں اور وہ خبردار رہے کہ خدائے تعالےٰ کے سوا کوئی اور شے اس کے دل میں دخل نہ پائے جب وہ اس طرح سے عالم تجرد میں بیٹھا ہو تو اس کی زبان سے اللہ اللہ کا ذکر موقوف نہ ہو اور وہ اپنا سارا تصور اس پر جمائے رکھے - آخرکار اس کی یہ حالت ہوگی کہ اس کی زبان کی حرکت بند ہو جائیگی اور ایسا معلوم ہوگا - کہ وہ لفظ خود بخود زبان سے صادر رہے - وہ ایسی

حالت میں مستقل طور سے رہے حتیٰ کہ اُس کی زبان کی حرکت
بالکل جاتی رہے اور اُس کا دل اُس خیال میں مستغرق ہو جائے۔
اب بھی وہ اسی حالت میں رہے حتیٰ کہ لفظ کی صورت۔ حروف
اور اُن کی صُورت اُس کے دل سے محک ہو جائے۔ اور صرف
تصور ہی اُس کے دل میں باقی رہ جائے۔ یہاں تک تو سب کچھ
اُس کے ارادے اور اُس کی مرضی پر موقوف ہے۔ لیکن رحمت
الٰہی کا وارد کرنا اس کے ارادے اور مرضی میں نہیں۔ اب مومن
خالی ہو کر اُس کی رحمت کے تنفس کے لئے پڑا ہے اور وہ منتظر
ہے کہ خدا اُس پر وہ باتیں منکشف کرے جو خدا نے اِس طریقے
پر۔ انبیا اور اولیا پر کشف کی تھیں۔ اگر وہ اس مذکورہ بالا طریقے
پر عمل کریگا تو وہ یقین جانے کہ اس الحق کا نور اُس کے دِل پر
طلوع ہوگا۔ پہلے تو وہ برق کی چمک کی طرح متزلزل نظر
آئیگا۔ ابھی دکھائی دیا۔ ابھی غائب ہوگیا اور کبھی دیر تک دکھائی
نہ دیا۔ اور جب پھر دکھائی دے تو کبھی دیر تک رہتا ہے اور
کبھی عارضی جلوہ ہوتا ہے۔ اور جب یہ ٹھیرتا ہے تو کبھی عرصہ
دراز تک ٹھیرتا ہے اور کبھی تھوڑے عرصے تک"۔

عبادت کی حقیقی زندگی کے بارہ میں الغزالی کی یہ تعلیم ہے
اور ہمیں یقین ہے کہ جن ایام میں وہ گھر سے جلا وطن ہو کر یروسلم
اور دمشق میں رہا۔ اسی کا عامل رہا ہوگا۔ خدا کے اسمائے

حسنہ کے لاانتہا ذکر اور "دعا" ئے بلا ناغہ میں مصروف ہوگا۔ اور یہ جائے تعجب ہے کہ ایسی اوقات بسری میں تالیف و تصنیف کے لئے کون سا وقت اُسے ملا ہوگا۔ اور کس وقت وہ درس تدریس کا کام کرتا ہوگا جس کا ذکر ہم پڑھ چکے ہیں ✣

یروشلم میں اُس کی زندگی کا ایک دلچسپ قصہ اِن الفاظ میں بیان ہوا ہے :۔ "ایک روز امام ابو حمید الغزالی۔ اور اسمٰعیل اَل حکیمی۔ ابراہیم الشبقی۔ اور ابوالحسن البصری اور بہت غیر ممالک کے بزرگ عیسٰے کے (سلمہ اللہ تولد لے) مولد یروشلم میں جمع ہوئے اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ الغزالی نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے "کاش کہ میں تیرا فدیہ ہوتا۔ اگر محبت دخل نہ دیتی تو تو میرا فدیہ دیتا۔ لیکن تیری جادو نگاہ آنکھوں نے مجھے اسیر کیا اور جب میرے سینے میں محبت بھری تھی میں تیرے پاس آیا اور اگر تجھے میرے اشتیاق کا حال معلوم ہوتا تو تو میرے پاس آتا" ✣

اِس پر ابوالحسن اَل بصری حالت وجد میں آگیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور کپڑے پھٹے تھے اور محمد اَل کازرونی حالت وجد میں اُس مجلس کے بیچ رحلت کر گیا"۔

کہتے ہیں کہ یروشلم میں اُس نے رسالۃ القدسیہ لکھا۔ اور وہاں پہنچنے کی تاریخ ۴۹۲ھ سے کچھ پہلے ہوگی کیونکہ اُس سال مجاہدان صلیب نے یروشلم کو فتح کر لیا ✣

یہ امر طبعی ہے کہ الغزالی کے مزاج کا شخص ابرہام کی قبر کی زیارت کو جائے جسے اہل اسلام "خلیل اللہ" کہہ کر خوش ہوتے ہیں۔ قرآن میں برابر اسلام دینِ ابراہیم کہلاتا ہے۔ روایت ہے کہ مکفیلہ کا غار زمانہ حال کے جبرون کے مشرقی حصے میں وادی کے کراڑے پر ہے۔ اور جو مسجد وہاں ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ قبر اُس کے اندر ہے جبرون یروشلم سے تقریباً سترہ میل جنوب مغرب کو ہے بارھویں صدی سے پیشتر لوگ مکفیلہ کے غار کی زیارت اور حج کو جانے لگے۔
بنیامین توڈلا (Tudela) کا بیان ہے کہ "جبرون میں ایک عبادت گاہ بنام "مقدس ابراہیم" ہے۔ جو پیشتر یہودی عبادت خانہ تھا۔ وہاں کے باشندوں نے اُس جگہ چھ قبریں بنائیں۔ اور غیر ممالک کے حاجیوں کو کہنے لگے کہ وہ پتری آرکوں اور اُن کی بیویوں کی قبریں ہیں اور اُن کی زیارت کے لئے اُن سے نقدی طلب کرتے تھے۔ اگر کوئی یہودی معمول سے بڑھ کر بخشش دیتا۔ تو اُس غار کا محافظ ایک آہنی دروازہ کھول دیتا جو ہمارے آبا و اجداد کے زمانہ کا بنا ہوا ہے اور شمع روشن کر کے وہ مسافر نیچے اُترتا۔ وہ دو غاروں سے گزر کر تیسری غار میں چھ قبریں دیکھتا۔ جن پر اُن تین پتری آرکوں اور اُن کی بیویوں کے نام عبرانی حروف میں لکھے ہیں وہ غار مٹوں سے بھرا ہے جن میں مُردوں کی ہڈیاں بھری ہیں۔ جن کو لوگ اِس مقدس جگہ میں لاکر دھرتے

ہیں مکفیلہ کے کھیت کے سرے پر ابراہیم کا گھر ہے جس کے سامنے ایک چشمہ ہے" ÷

جبرون میں ابراہیم کی قبر پر جو مسجد بنی ہے اُس کی کُرسی مستطیل ہے اُس کا طول ۷۰ ستر گز اور عرض ۳۵ پینتیس گز ہے جو قبر اس میں چھپی ہے اُسے کسی مسیحی نے شاذونادر ہی دیکھا ہوگا ۔ مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے کو اجازت نہیں کہ مشرقی دیوار کے ساتویں زینے سے آگے قدم رکھے[۱] ÷

جبرون دنیا کے نہایت قدیم شہروں میں سے ہے اور ہزاروں قصے اس کے متعلق مشہور ہیں ۔ الغزالی کے ایام میں بھی یہ روایت تھی کہ آدم کی پیدائش اور وفات یہاں ہی ہوئی ۔ ہابیل یہاں ہی قتل ہوا اور ابراہیم نے اسی کو اپنا وطن بنایا ÷

الغزالی جبرون کو دیکھنے کے بعد مکے حج کو گیا ۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ وہ تری کے راستے گیا یا خشکی کے راستے ۔

---

[۱] ایک حال کے سیاح نے بیان کیا ہے کہ دیوار میں ایک سوراخ ہے جس سے غار میں جا سکتے ہیں ۔ یہودی ابراہیم کے نام خط لکھ کر اس سوراخ میں رکھ دیتے ہیں جن کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ دیکھئے مسلمان ہم سے کیسی بدسلوکی کرتے ہیں لیکن مسلمان لڑکوں کو معلوم ہے کہ وہ سوراخ کہاں ہیں اور ان خطوں کو جمع کرکے جلا دیتے ہیں پیشتر اس سے کہ ابراہیم ان کو دیکھنے پائے ÷

بہرحال جس راستے گیا ہو وہ اُس زمانے میں پُرخطر تھا ۔ گمان غالب ہے کہ وہ قافلہ کی دور دراز راہ سے گیا ہو جس راستے سے آج کل حاجی دمشق سے جاتے ہیں ۔ یہ مناسب سمجھا جاتا تھا کہ پہلے مکہ کی زیارت کریں اور واپسی کے وقت مدینہ کی زیارت ۔ اور حج کی رسوم کی ہدایات میں الغزالی نے خود اِس کا ذکر کیا ہے[+]

جس روح سے اُس نے ان رسوم کو ادا کیا ہو گا اُس کا بیان اُس کے ایک روحانی معلم کی تصنیف میں ملتا ہے ۔ جو اُس نے الغزالی کے بارہ میں لکھی "ایک شخص جو حال ہی میں حج سے واپس آیا تھا وُہ جنیاد کے پاس آیا ۔ جُنیاد نے کہا ۔ جس گھنٹے سے کہ تو اپنے وطن سے حج کے لئے روانہ ہُوا کیا تو نے اپنے گناہوں سے بھی سفر کیا ۔ اور جہاں کہیں تو نے رات کے لئے مقام کیا کیا تو نے اُس مقام سے گزر کیا جو خدا کی راہ میں ہے ؟ اُس نے جواب دیا ۔ "نہیں" ۔ جُنیاد نے کہا ۔ "تب تو نے منزل بہ منزل مسافت طے نہیں کی ۔ جب تُو نے مناسب جگہ پر حج کا لباس پہنا ۔ تو کیا تو نے جیسے میلے کپڑے کو اتار ڈالتے ہیں انسانی فطرت کے کاموں کو اتار پھینکا ؟" "نہیں" "تب تو نے حاجی کا لباس نہیں پہنا ۔ جب تو عرافات پر کھڑا ہُوا کیا تو ایک لحظہ کے لئے یادِ الٰہی میں بھی مصروف ہُوا ؟" "نہیں" "تب تو عرافات پر کھڑا نہیں ہُوا ۔

جب تو مزدلفہ کو گیا اور اپنی تمنا حاصل کی تو کیا تو نے اپنی ساری شہوات نفسانی کو ترک کیا؟ "نہیں" تب تو مزدلفہ کو نہیں گیا۔ جب تو نے کعبہ کا طواف کیا۔ تو کیا تو نے اُس بیت الحرام میں خدا کے غیر مساوی حُسن کو دیکھا؟ "نہیں" تب تُو نے کعبہ کا طواف نہیں کیا۔ جب تو صفا اور مروہ میں دوڑا تو کیا تُو نے صفا اور مروت حاصل کئے؟ "نہیں"۔ تب تو نہیں دوڑا جب تو مِنا پر گیا۔ تو کیا تیری ساری تمنا (منا) موقوف ہو گئی؟ "نہیں"۔ تب تو مِنا میں نہیں گیا۔ جب تو مذبح پر گیا اور قربانیاں چڑھائیں تو کیا تو نے دنیاوی آرزو کی اشیا کو قربان کر دیا؟ "نہیں"۔ تب تو نے قربانی نہیں چڑھائی۔ جب تُو نے کنکر پھینکے تو کیا تو نے اپنے سارے شہوانی خیالات کو پھینک دیا؟ "نہیں" تب تو نے اب تک کنکر نہیں پھینکے اور تو نے اب تک حج ادا نہیں کیا"۔

صوفیوں کی تعلیم کے مطابق مکہ کے حج کی رسوم کے یہ روحانی معنی تھے۔ جب الغزالی نے حج کیا تو مکہ کا شریف ابو ہاشم تھا (۱۰۶۳ء سے ۱۰۹۴ء تک)۔ اس سے نصف صدی پیشتر قرمطی لوگوں نے جو مسلمانوں کا بڑا متعصب فرقہ ہے۔ مکہ کا محاصرہ کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ ہزاروں حاجیوں کو تہ تیغ کیا اور مشہور حجر اسود کو اٹھا کر بحرین میں لے گئے جو خلیج

نارس پر واقع ہے - اِس خزانے کو چھین لے جانے سے اُن کا یہ منشا تھا کہ حج موقوف ہو جائے - لیکن اِس میں اُن کو مایوسی ہوئی۔ ۹۵۰ء میں ایک بڑی رقم معاوضہ میں لیکر واپس دیدیا چونکہ خلفائے بغداد اور خلفائے مصر کے درمیان حرمین کی حفاظت کے بارہ میں متواتر جھگڑا رہتا تھا - اِس لئے اُس کی حفاظت کا ذمہ شریف مکہ کے ہاتھ میں دیا گیا ❊

ابو ہاشم زمانہ ساز شخص تھا - دین کی نسبت رشوت کی اُس کو زیادہ پرواہ تھی (بقول عربی مورخان) - ۱۰۷۰ء میں مصر کے فاطمیؑ خلفا کے نام کی جگہ جمعہ کے خطبہ میں اُس نے عباسی خلفا کا نام درج کیا اور اس کے لئے بہت انعام ملا - ۱۰۷۵ء میں اس نے یہی حق خلفائے فاطمیہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور ۱۰۸۹ء میں پھر خلفائے عباسیہ کے ہاتھ - اِس سے بغداد کا سلطان ایسا ناراض ہوا کہ اُس نے ۱۰۹۱ء میں ترکمانوں کا لشکر شریف مکہ کے خلاف روانہ کیا ❊

اِس مقدس شہر کے مؤرخوں نے اِس عرصے کے بارہ میں یہ بیان کیا ہے کہ بدو رہزنوں اور خود مکہ کے ہنگاموں کی وجہ سے اُن دنوں میں حج بہت خطرناک تھا - بعض اوقات یہ ہنگامے خود ابو ہاشم کی سرکردگی میں ہوئے - چنانچہ ۱۰۹۴ء میں ایسا ہی ہوا ❊

جس وقت کے قریب کہ الغزالی وہاں گیا مکہ کی بعض عمارات
اور خود بیت اللہ کی عمارت کی مرمت ہوئی اور وہ آراستہ پیراستہ
کی گئیں - حنفی مسلمانوں کے جو چار مقامات صلوٰۃ ہیں وہ سنہ ۱۰۷۲ء
میں تعمیر ہوئے تھے - اور شافعی فرقے کا مقام - جس فرقے سے
کہ الغزالی کا تعلق تھا وہ چاہ زمزم کے عین اوپر ہے جس کے لئے
کہ یہ بالاخانہ کا کام دیتا ہے - جو عمارت سنہ ۱۰۷۲ء میں تعمیر ہوئی
وہ اب تک کھڑی ہے - سفید سنگ مرمر کا بڑا منبر سلطان مصر
نے سنہ ۹۶۹ھ میں مکہ کو بھیجا تھا - اب تک وہ استعمال ہوتا ہے
اور شاید الغزالی نے ان زینوں پر سے حاجیوں کو وعظ سنایا ہو -
سنہ ۱۰۳۰ء میں ایک سیلاب شدید مکہ میں آیا اور کعبہ کو تقریباً تباہ
ہی کر دیا تھا - سنہ ۱۰۴۰ء تک اس کی مرمت ختم نہ ہوئی ÷

مکہ و مدینہ کے حج کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ
الغزالی کی گوشہ نشینی ختم ہوئی - سوائے اس کے کہ وہ اسکندریہ
اور اس سے آگے تک گیا - اور شاید اس کا ارادہ تھا کہ ہسپانیہ
کو جائے اور مغرب کے سلطان یوسف بن تشفین سے ملاقات
کرے جس کی ہدایت سے اس نے چند شرعی فتوے صادر
کئے تھے - لیکن اس سلطان کی وفات کی خبر سن کر بقول
بعض مؤرخوں کے اس کی تجاویز درہم برہم ہو گئیں - بعض کہتے
ہیں کہ اس کو حکم ہوا کہ پھر نیشاپور میں جا کر درس تدریس

کا کام شروع کرے *

اِس دس سال کی سیاحت کی تفاصیل اکثر ایک دوسری کے نقیض ہیں۔ عبد الغیفر نے جو غزالی کا شخصی دوست تھا یہ بیان کیا ہے کہ وہ دوبارہ مکّہ کو گیا اور وہاں سے شام کو۔ اور پھر دس سال تک جگہ جگہ کی زیارتوں میں مصروف رہا۔ اُس کی سوانح عمری کے بارہ میں "اقرارات" کے بعد دوئم درجہ کی سند یہی عبد الغیفر ہے۔ اس نے غزالی کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا اپنی شخصی واقفیت سے کیا ہوگا یا خود الغزالی سے سُنا ہوگا۔ "اُس کے بیان کے مطابق الغزالی مکّہ کے حج کو گیا اور وہاں سے شام کو اور وہاں سے جگہ جگہ کی سیاحت اور مقدس جگہوں کی زیارت دس سال تک کرتا رہا۔ اِس عرصے میں اُس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً "احیا" اور جو کتابیں اختصار کے ساتھ اُس سے اخذ کی گئیں۔ مثلاً اربعین اور رسائل۔ علاوہ اُس محنت کے جو اُس نے اپنی روحانی ترقی اور صوفی ریاضت الٰہی میں کی۔ پھر وہ اپنے وطن کو واپس آیا اور کچھ عرصہ تک تجرد کی زندگی بسر کی اور ذکر الٰہی میں مستغرق رہا۔ لیکن تعلیم اور روحانی زندگی کی ہدایت کے لئے اُس کی تلاش زیادہ زیادہ ہونے لگی۔ آخر کار فخر الملک علی بن نظام الملک جمال الشہدا جو پیشتر برقی یاروق کا وزیر رہ چکا تھا اب سنجار ابن ملک شاہ کا وزیر نیشاپور میں ہو

گیا اور اُس نے الغزالی پر ایسا زور ڈالا کہ آخر کار مجبور ہو کر اُس نے میمونہ نظامیہ مدرسہ میں تعلیم دینا منظور کر لیا"۔

مغرب میں قاہرہ عمارات اور علم ادب کا بڑا اسلامی مرکز تھا۔ جیسے بغداد مشرق میں تھا۔ لیکن الغزالی کے وہاں جانے کا کوئی مفصل بیان ہمیں نہیں ملا۔ اور نہ اس کی تصنیف میں اس کا ذکر ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس زمانہ میں ازہر دارالعلوم کے دینی پیشواؤں نے اسے بہت عزت و قدر سے قبول نہیں کیا۔ لیکن اُس کی شہرت اس وقت عالمگیر تھی اور بغداد اور نیشاپور میں اس کے بہت شاگرد مصر اور شمالی افریقہ سے تھے۔

جب الغزالی قاہرہ کو گیا اس وقت وہ شہر عربی تہذیب کا بڑا مرکز تھا اور فاطمی خاندان کے خلفا نے اُسے بڑی شان و شوکت کا بنا دیا تھا۔ خلیفہ کے عالیشان محل اُس شہر کے وسط میں تھے۔ تین بڑے آہنی پھاٹک جن کی تعریف آج تک بھی ہوتی ہے۔ یعنی باب الفتوح۔ باب النصر۔ اور باب الزویلہ کے راستے شہر میں داخل ہوتے تھے۔ ۱۰۸۷ء میں فصیلوں کی از سر نو تعمیر ہوئی اور یہ حصین پھاٹک مع دوسروں کے جواب موجود نہیں اُس وقت تعمیر ہوئے تھے۔ ان کی محرابوں کے گنبد دو کمرے ہوتے تھے جہاں سے مصری بادشاہ مختلف نظاروں کا تماشا کرتے تھے مثلاً مقدس قالین کی روانگی اور واپسی کا۔

شہر کی عقلی اور دینی زندگی کا صدر مقام الازہر کی جامع مسجد تھی جو ۱۲ ۱۰ء میں تکمیل کو پہنچی۔ اُس وقت تک قاہرہ سارے مصر کا تجارتی مرکز نہ تھا۔ یہ وہ پیچھے ہُوا۔ لیکن یہاں عالیشان دربار اور جنگی نظارہ تھا علاوہ علوم دینی کا مرکز ہونے کے۔ ابن تویر اور دوسرے مصنفوں نے یہاں کے پر تکلف جلوسوں اور تیوہاروں بارودخانوں۔ مخزنوں۔ اصطبلوں اور شاہی گھرانے کا مفصل دلچسپ بیان کیا ہے*

اسکندریہ جہاں غزالی نے شام کو واپس جانے سے پیشتر کچھ عرصہ قیام کیا اُن دنوں علمی شہرت نہ رکھتا تھا۔ یہ تو صرف تجارتی بندرگاہ تھا جہاں سے گزر کر مسافر مصر کو (قاہرہ) جاتے یا جہاں سے سمندر کی راہ شام کو جایا کرتے تھے۔ ہمدانی نے ایک کے منہ میں وہ الفاظ ڈالے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

"میں اسکندریہ کا باشندہ ہوں وہاں کے نجیب اور شریف خاندان سے جن کی عمر اور لوگ احمق ہیں۔ اِس لئے میں حمق کو اپنا مرکب بناتا ہوں"*

لیکن اسلامی روایت میں اسکندریہ کی بڑی عزت ہے۔ مسلمان وہاں دانیال نبی کی قبر بتاتے ہیں اور اسکندر اعظم کی قبر جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اسکندریہ دو ولیوں کے باعث بھی مشہور ہے جو وہاں گزرے۔ اُن میں سے ایک کا نام محمد

اَل بصیری ہے اور دوسرے کا نام ابو عباس اَل انڈلوسی جس کی قبر پر اگر دعا مانگی جائے تو کبھی خالی نہیں جاتی اور یہ پیشینگوئی بھی ہے کہ جب تک کفار کے ہاتھ میں پڑیگا تو اسکندریہ کو وہ عزت حاصل ہوگی +

اسکندریہ سے الغزالی دمشق کو گیا - وہاں سے نیشاپور کو - پھر بغداد کو - یا دمشق سے سیدھا بغداد کو - جہاں اُس نے "احیا" کی تعلیم دی اور وعظ کئے - السبقی کا بیان ہے کہ لوگ کثرت سے اُس کا وعظ سننے کو جمع ہوتے تھے اور سامعین میں سے ایک نے اُس کے وعظوں کے ۱۸۳ نوٹ لئے - اور اُن کو شائع کرنے سے پیشتر اُس نے وہ الغزالی کو پڑھ کر سُنائے +

اس زمانہ کی اُس کی زندگی کا ایک یہ قصہ بیان ہوا ہے کہ ایک دفعہ جب وہ بغداد میں "احیا" کی تعلیم دے رہا تھا اُس نے یہ اقتباس کرنا شروع کیا - اُس نے آدمیوں کے وطن کو ایسا عزیز بنایا ہے - جیسے تمنا کا گھر جو دِل کا مرغوب ہے جب کبھی اُن کو وطن کی یاد آتی ہے تو اُن کو لڑکپن کے عہد و پیمان یاد آتے ہیں اور اُن کا شوق افزود ہوتا ہے" - یہ پڑھ کر وہ رو پڑا اور سب حاضرین رو پڑے - اِس کے بعد کسی نے اُسے پردیس میں دیکھا کہ درویشوں کے سے پھٹے

پرانے کپڑے پہنے ہے اور پانی پینے کا پیالہ اور لوہے کی سم چڑھا عصا اُس کے ہاتھ میں تھا اور جس شان و شوکت میں اُس نے اُس کو پہلے دیکھا تھا اُس سے یہ حالت کیسی متفرق تھی ۔جس وقت تین سو شاگرد جن میں ایک سو بغداد کے شرفا میں شامل تھے۔ اُس کے اردگرد بیٹھے ہوتے تھے ۔ سو اُس نے کہا "۔ یا امام کیا سائنس کی تعلیم زیادہ مناسب نہ تھی"۔ لیکن الغزالی نے سُرخ آنکھوں سے اُسے دیکھا اور کہا "جب خوشحالی کا بدر چاند ارادہ کے افق میں طلوع ہوتا ہے تو غروب کا آفتاب وصل کے مشرق کو چلا جاتا ہے"۔ تب اُس نے یہ پڑھا ۔ میں نے لیلےٰ کا عشق چھوڑا اور میری خوشی دور تھی اور میں نے اپنی پہلی منزل کی رفاقت پھر حاصل کی اور میری آرزوؤں نے یہ آواز میرے کان میں ڈالی "خوش آمدید یہ اُس کی منزل ہے جس سے تو عشق رکھتا ہے - اسباب اتار ۔ اور اُتر کر یہاں مقام کر" ÷

اُس کے تارک الدنیا ہونے اور سیاحت کے دس سال کے عرصے میں اُس کو جو روحانی تجربات ہوئے اور مابعد سالوں میں جب وہ دوسروں کو تصوف کی تعلیم دیا کرتا تھا اُن کا ذکر ہم پیچھے کرینگے ÷

ہم جانتے ہیں کہ وہ بغداد سے روانہ ہو کر اپنے وطن طوس

کو واپس گیا اور وہاں وہ مطالعہ اور غور و خوض میں مصروف
رہا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اُس کی زندگی کے اِس عرصے میں
احادیث کے مطالعے خاص کر بخاری اور مسلم کے مطالعے سے
اُس کو اعلےٰ درجہ کی خوشی حاصل ہوئی۔ اس کی سوانح عمری لکھنے
والے سب کے سب اِس پر متفق ہیں۔ اُس وقت اُس کے
سپرد ایک مدرسہ اور صوفیوں کی ایک خانقاہ تھی۔ ہر لحظہ مطالعہ
اور عبادت میں گزرا۔ آخر کار پچپن سال کی (قمری شمار کے
مطابق) عمر میں اُس نے وفات پائی ÷

اِس سیاحت کے عرصے میں ریاضت اور افلاس نے اُس
کی قوت زائل کر دی۔ جس شخص کو دینی امور میں ایسا اعلےٰ
رتبہ حاصل ہوا ہو۔ جس نے اپنے مخالفوں کے ساتھ بحث
کرنے میں ایسا بڑا حصہ لیا ہو اُس سے لوگوں کو حسد اور کینہ
اور بغض بھی بہت ہوگا اور اُنہوں نے اُس سے انتقام لینے
کی کوشش کی ہوگی۔ بقول میکڈانلڈ صاحب شاید یہی وجہ
تھی کہ وہ نیشاپور کو چھوڑ کر طوس چلا گیا۔ جو لوگ اُس کی
تعلیم کے مخالف اور اُس کے رسوخ پر رشک کھاتے تھے۔
اُن سے جو سلوک غزالی نے کیا اُس کا ذکر اُس کے دوست
نے کیا ہے۔ "خواہ اُس کی مخالفت ہجو اور اُس پر حملے کثرت
سے ہوئے لیکن اِس کا اُس پر کچھ اثر نہ ہوا اور اُن کے

حملوں کا جواب دینے کی کچھ پرواہ نہ کی۔ میں اُس کے ملنے کو
کئی بار گیا اور یہ میرا محض قیاس ہی نہیں کہ باوجود اِس کے
جو میں نے اس کی زندگی میں پیشتر مشاہدہ کیا تھا کہ وہ لوگوں
سے کیسا حسد رکھتا اور درشتی سے کلام کرتا تھا اور جو کچھ خدا
نے اُسے کلام و خیال و بلاغت کی برکت دی تھی اُس کی وجہ سے
وہ دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھا کرتا تھا۔ اور رُتبے اور
عہدہ کی تلاش میں وہ دوسروں کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اب وہ بالکل
اُس کے برعکس تھا اور اِن سارے داغوں سے پاک ہو گیا تھا
اور میں پہلے تو یہ خیال کرنے لگا کہ یہ اُس کا بہانہ تھا لیکن تحقیقات
سے مجھ پر ثابت ہو گیا کہ یہ تو میرے قیاس کے بالکل خلاف
واقعہ تھا اور سودا ہونے کے بعد اب وہ نو بر نو ہو گیا تھا"۔+

غزالی نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ (بمطابق ۱۸ دسمبر ۱۱۱۱ء)
پیر کے روز وفات پائی۔ اُس کے بھائی احمد نے (جس کا
حوالہ مرتضےٰ نے ابن جوزی کی کتاب بنام کتاب الثابت
عند الممات سے دیا ہے) اُس کی وفات کا یہ بیان دیا ہے۔
پیر کے روز علے الصباح میرے بھائی نے وضو کر کے نماز ادا
کی۔ تب اُس نے کہا۔ میرا کفن لاؤ۔ اور اُس نے اُس کو لے
کر چوما اور اپنی آنکھوں پر رکھ کر کہا "میں سنتا ہوں اور
حکم مان کر اپنے بادشاہ کے پاس جاتا ہوں۔ اِس کے بعد اُس

نے مکہ کی طرف اپنے پاؤں پھیلائے اور رضائے الٰہی کو قبول کیا۔ طوس کے قلعہ طبران میں یا اُس سے باہر مدفون ہوا۔ اور ابن اسمعنی نے اُس کی قبر کی زیارت کی"۔

مابعد مورخوں کی اُس کی وفات کے خالی بیانات سے تشفّی نہ ہوئی۔ مرتضےٰ نے بہت دلچسپ قصہ بیان کیا ہے۔ "جب امام ابوحمید الغزالی کی وفات کا وقت قریب پہنچا۔ تو اُس نے اپنے خادم کو جو بہت عمدہ اور دیندار شخص تھا۔ حکم دیا کہ اُس کے گھر کے وسط میں اُس کے لئے قبر کھودے اور قرب وجوار کے دیہات کے لوگوں کو اُس کے جنازے کے لئے بلائے کہ کوئی اُس کی لاش کو نہ چھوئے۔ عراق کے علاقہ کے تین نامعلوم شخص بیابان سے آئینگے۔ اُن میں سے دو اُس کی میّت کو غسل دینگے اور تیسرا بلا کسی کے حکم یا اشارے کے نماز جنازہ پڑھیگا۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کے خادم نے اپنے آقا کے حکم کے مطابق عمل کیا اور لوگوں کو بلایا۔ اور جب لوگ جنازے کے لئے جمع تھے تو اُنہوں نے تین شخصوں کو بیابان سے آتے دیکھا۔ ان میں سے دو میّت کو غسل دینے لگے اور تیسرا غائب ہو گیا اور دکھائی نہ دیا لیکن جب وہ غسل دے چکے اور کفن پہنا چکے اور اُس کی لاش کو اُٹھا کر قبر تک لے گئے

تو تیسرا شخص جبہ پہنے جس کا کنارہ دونوں طرف سے سیاہ تھا اور
اونی پگڑی پہنے تھا ظاہر ہوا اُس نے نماز جنازہ پڑھی اور لوگوں نے
اُس کے پیچھے۔ پھر اُس نے برکت کا کلمہ کہا اور چلا گیا اور لوگوں کی
نظروں سے غائب ہو گیا اور اہل عراق کے بعض شرفا نے جو جنازے
کے وقت حاضر تھے اُس کو خوب غور سے دیکھا۔ لیکن اس کو نہ پہچانا
حتیٰ کہ رات کے وقت ہاتف نے یہ آواز دی "جس شخص نے نماز
جنازہ پڑھی وہ ابو عبداللہ محمد بن اسحٰق۔ اسفر شریف ہے۔ وہ بعید
مغرب عین القطر سے آیا اور جنہوں نے میّت کو غسل دیا وہ اُس
کے رفیق ابُو شعیب ایوب بن سعید اور ابو عیسیٰ وجیہ تھے اور جب
انھوں نے یہ سُنا کہ وہ عراق سے سفر کر کے مغرب بعید کے سنجا کو
گئے اور جب وہ اُن کے پاس گئے اور اُن سے دُعا کی درخواست
کی تو وہ عراق کو واپس آئے اور صوفیوں سے اُس کا بیان کیا اور
اس کرامات کو مشہور کیا۔ پھر ان کے ایک گروہ نے جب یہ بات
سُنی تو وہ اُن کو دیکھنے گئے اور اُنھوں نے معلوم کیا کہ یہ وہی شخص
تھے جن کو انھوں نے خوب غور سے دیکھا تھا اور اُن سے دعاؤں
کی درخواست کی اور یہ عجیب قصہ ہے" +

فارسی صوفیوں کی کتابوں میں ایسا ہی ایک عجیب قصہ الغزالی
کے چھوٹے بھائیؒ کی وفات کے بارہ میں بیان ہوا ہے۔ جن شعروں
میں اس کا بیان ہے وہ الغزالی پر اور زندگی اور موت کے بارہ

جو اُس کی رائے تھی اُس پر بھی صادق آسکتا ہے"۔ قادری روایت کی سند پر مغیث نے بیان کیا ہے کہ کس طرح احمد الغزالی طوس واقع فارس کے باشندے نے ایک دن اپنے شاگردوں سے کہا "جاؤ میرے لئے نیا سفید کپڑا لاؤ"۔ وہ گئے اور اشیائے مطلوبہ لائے اور آن کر اپنے استاد کو مرا ہوا پایا۔ اُس کے پاس ایک کاغذ پڑا تھا جس پر یہ شعر لکھے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

"میرے دوستوں سے کہو جو مجھے مُردہ دیکھ کر میرے مرنے پر کچھ دیر تک گریہ و ماتم کرینگے جو لاش تمہارے سامنے پڑی ہے وہ میں نہیں ہوں وہ لاش تو میری ہے پر وہ میں نہیں۔ میری زندگی تو غیر فانی ہے اور یہ میرا بدن نہیں۔ بہت سالوں تک یہ میرا گھر تھا اور بدلنے کا میرا کپڑا۔ میں تو پرند ہوں اور یہ میرا قفس تھا میں تو پرواز کر کے کسی اور جگہ چلا گیا اور میری یہ نشانی باقی رہی۔ میں تو گوہر ہوں۔ یہ میرا صدف ہے۔ میں اُسے توڑ کر نکل گیا اور یہ نکما چھلکا باقی ہے۔ میں تو خزانہ ہوں اور یہ طلسم ہے۔ یہ مجھ پر رکھا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ خزانہ کو فی الحقیقت رہائی ہوئی۔ خدا کا شکر ہو جس نے مجھے مخلصی دی اور عالم بالا

"میں مجھے ابدی مکان بخشا اب میں وہاں ہوں جہاں
خوشحالوں سے میری بول چال ہے جہاں میں خدا
کا چہرہ بے نقاب دیکھا کرتا ہوں اُس شیشے پر غور
کرتا ہوں جس میں سب کچھ نظر آتا ہے ماضی اور
حال اور استقبال ۔ اُکل و شرب بھی میرے ہیں پھر
بھی وہ ایک ہیں ۔ جو جاننے کے قابل ہے وہ اس راز
کو سمجھتا ہے جو شراب میں پیتا ہوں وہ شیریں ذائقہ
شراب نہیں نہ یہ پانی ہے بلکہ ماں کا خالص دودھ
ہے ۔ میرے معنی ٹھیک طور سے سمجھو کیونکہ یہ راز
نشان اور استعارے کے الفاظ میں بیان ہوا ہے
میں تو سفر میں آگے نکل گیا اور تم کو پیچھے چھوڑ گیا ۔
میں تمہارے مقام کی منزل کو اپنا مسکن کیسے بناؤں
میرے گھر کو برباد کرو اور میرے پنجرے کو ٹکڑے
ٹکڑے اور صدف مع دیگر سرابوں کے نیست
ہونے دو ۔ میرے لباس کو پھاڑو ۔ اس نقاب کو
جو ایک وقت مجھ پر پڑا تھا ان سب کو دفن کر دو ۔
اور اُن کو چھوڑ دو کیونکہ میں جاتا ہوں موت کو موت
نہ سمجھو بلکہ یہ فی الحقیقت زندگی کی زندگی اور
ہماری ساری آرزوؤں کا مقصد ہے اس خدا کا

خیال محبت سے کر جس کا نام محبت ہے جو جزا دینے
میں خوش ہوتا ہے اور خوف سے محفوظ رکھتا ہے۔
جہاں میں ہوں وہاں سے میں تم غیر فانی روحوں کو
اپنی طرح دیکھتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تمہارا
اور میرا دونوں کا انجام ایک ہی ہے"

طوس کے کھنڈرات اور الغزالی کی جو قبر بتائی جاتی ہے اُن کی فوٹو کے لئے ہم پادری ڈوائٹ - ایم - ڈانلڈسن ساکن مشہد واقع فارس کے مشکور ہیں - یہ مسجد بہت قدیم ہے - شاید غزالی کے زمانہ کی ہے اور تصویر میں جو قبر نظر آتی ہے وہ شاید امام غزالی صوفی کی نہ ہو بلکہ کسی دوسرے غزالی کی ہو - کیونکہ السبقی (جلد سوم - صفحہ ۳۶) کا بیان ہے کہ ایک شخص بنام احمد بن محمد ابو حمید الغزالی کلاں تھا اور اس سے پہلے تھا - وہ کہتا ہے کہ لوگوں نے اس کی عین ہستی پر ہی شک ڈالا ہے - لیکن بہت دریافت کے بعد اس آدمی کا ذکر کئی کتابوں میں پایا گیا مثلاً کتاب الانسب تصنیف ابن السمعنی میں - اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ شخص بھی خراسان میں رہا کرتا تھا اور اپنے علم کے باعث مشہور تھا علم الٰہی کے مسائل پر اُس نے بعض رسالے لکھے اور طوس میں دفن ہوا جہاں اُس کی قبر مشہور تھی اور اِس کی وجہ سے اُس کو غزالی کلاں کہا کرتے تھے اور اپنی دعاؤں کا جواب حاصل

کرنے کے لئے اُس قبر پر جایا کرتے تھے۔ اس کے خیال میں یہ غزالی امام غزالی کا چچا تھا یا اُس کے دادا کا بھائی۔ جس کی سوانح عمری ہم نے لکھی۔ السبکی کے اِس بیان سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ الغزالی کو یہ نام اس لئے نہیں دیا گیا تھا کہ اُس کا باپ اُون بننے والا تھا۔ غالباً یہ قدیم خاندانی نام تھا ؛

مسٹر ڈانلڈسن نے یہ دلچسپ حال لکھا " طوس کے قدیم شہر کی فصیلیں اب تک موجود ہیں ان کا احاطہ ایک فرسنگ یا ½ ۲ میل ہے۔ بُرجوں کے بہت کھنڈرات اور نو متقامات میں پھاٹکوں کے نشان باقی ہیں۔ اِس نہایت وسیع قبرستان میں احمد غزالی کی قبر کا پتھر اب تک نظر آتا ہے۔ یہ قبرستان شہر کے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے اور اس کا بڑا حصّہ اب زیر کاشت آگیا ہے اور وہ آخری حصّہ جو نالہ سے پرے اونچی زمین پر ہے وہ اب تک قبرستان ہے ؛

الغزالی کی قبر کی تصویر میری حسب منشا نہیں۔ اِس تصویر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ قبر کے کونے سے ایک بڑا ٹکڑا کٹ گیا ہے۔ وہ پتھر تقریباً دو گز لمبا ہے اور ایک فٹ چوڑا اور ایک فٹ اونچا۔ اس امر کے صاف نشان پائے جاتے ہیں کہ جس حصّہ پر احمد غزالی کا نام لکھا تھا اُس کو کوشش کر کے کسی نے کاٹا۔ تصویر میں یہی کٹا حصّہ نظر آتا ہے۔ جس جگہ سے یہ

کٹا ٹکڑا شروع ہوتا ہے وہاں سے ایک خط مستقیم ایک انچ گہرا کھدا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ خط پتھر کے اوپر کے حصے میں ہے + جو سڑک جنوب مغربی پھاٹک سے شہر میں ہو کر گذرتی ہے۔ اُس پر اُس قدیم مسجد کے کھنڈرات نظر آتے ہیں اور اس برباد شدہ حالت میں بھی اُس کے شان و شوکت کی جھلک پڑتی ہے یہ اٹھارہ گز بلند ہے اور اُس کی اندرونی پیمائش سے پتا لگتا ہے کہ ایک مربع کرسی پانچ گز بلند ہے اور پھر ایک مثمن عمارت آٹھ گز بلند ہے (تصویر کو دیکھو) +

"جنوب مغربی پھاٹک کے باہر کی طرف ایک قدیم پُل ہے جو آج تک مستعمل ہے۔ کیونکہ مشہد سے قافلے طوس کے قدیم شہر میں سے ہو کر گزرتے ہیں اِس پُل کی آٹھ محرابیں ہیں اور ہر ایک محراب ساڑھے چار گز چوڑی ہے۔ اِس ندی کا نام کشف رود ہے +

"قلعہ بھی دلچسپ ہے۔ یہ ایک خندق اور فصیل سے محیط ہے۔ اِس فصیل کے اندر ایک وسیع صحن ہے اور اس سے اندرونی قلعہ کی راہ جاتی ہے۔ زمانہ حال میں ہم اِس فصل کے گرد چل کر عقب کی راہ سے قلعہ کے اندر جا سکتے ہیں۔ اِس صحن میں آج کل تربوز بوئے جاتے ہیں اور ہم نے فارس بھر میں ایسے عمدہ تربوز نہیں کھائے۔ اِس قلعہ کے چار کونوں کے عظیم کھنڈرات اب تک باقی ہیں۔ اِس چاردیواری کے اندر اینٹوں کے ڈھیر میں مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے

ہم کو ملے" ٭

مشہد واقع فارس سے جو دوسرا خط ۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء میں پادری ڈوائٹ۔ ایم۔ ڈانلڈسن نے لکھا اس میں یہ ذکر کیا "اس ہفتے میں پھر طوس کو گیا اور غزالی کی قبر کے پتھر کو بڑی احتیاط سے امتحان کیا۔ جیسا میں نے پیشتر لکھا یہ پتھر بہت گھس گیا ہے اور علاوہ اس کے اس کا کچھ حصہ شکست ہو چکا ہے۔ پہلے جو یہ شک تھا کہ آیا یہ فوٹو محمد الغزالی کی قبر کی ہے یا دوسرے احمد الغزالی کی اب وہ شک نہیں رہا اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ قبر ابو حمید ابن محمد ابن محمد ابن محمد الغزالی کی ہے۔ کیونکہ اب ہم پتھر کی چوٹی کے کونے پر صفائی سے پڑھ سکتے ہیں۔ کسی نے ایام گذشتہ میں اس سرے کے کاٹنے کی کوشش کی۔ یعنی امام غزالی اور بوحا کے کاٹنے کی۔ اور پتھر کو غور سے دیکھنے سے تقریباً صفائی سے یہ نام پڑھا جاتا ہے سوائے شروع کے حرف الف کے اس میں کچھ شک نہیں کہ سارا پتھر گھسا ہوا ہے اور جس نقطہ کو میرے ترزا نے پہلی دفعہ احمد پڑھا وہ یقیناً احمد تو نہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہے۔ اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ پتھر کے اس کتبے پر الغزالی کے لیے تشدید کے ساتھ ہوئے لیکن جس کو ہم تشدید پڑھتے ہیں وہ اس کی معمولی صورت نہیں (لا نہ ے)" ٭

اس تحقیقات سے دو باتوں کا تو فیصلہ ہو جاتا ہے کہ طوس میں

اُس بڑے بزرگ صوفی اور عالم الہیات الغزالی کی قبر پر زٓ تشدید کے ساتھ ہے۔ لیکن عام رواج سے اور خود مسلمان مصنفوں کے لحاظ سے ہم نے زٓ تشدید کے ساتھ نہیں لکھا +
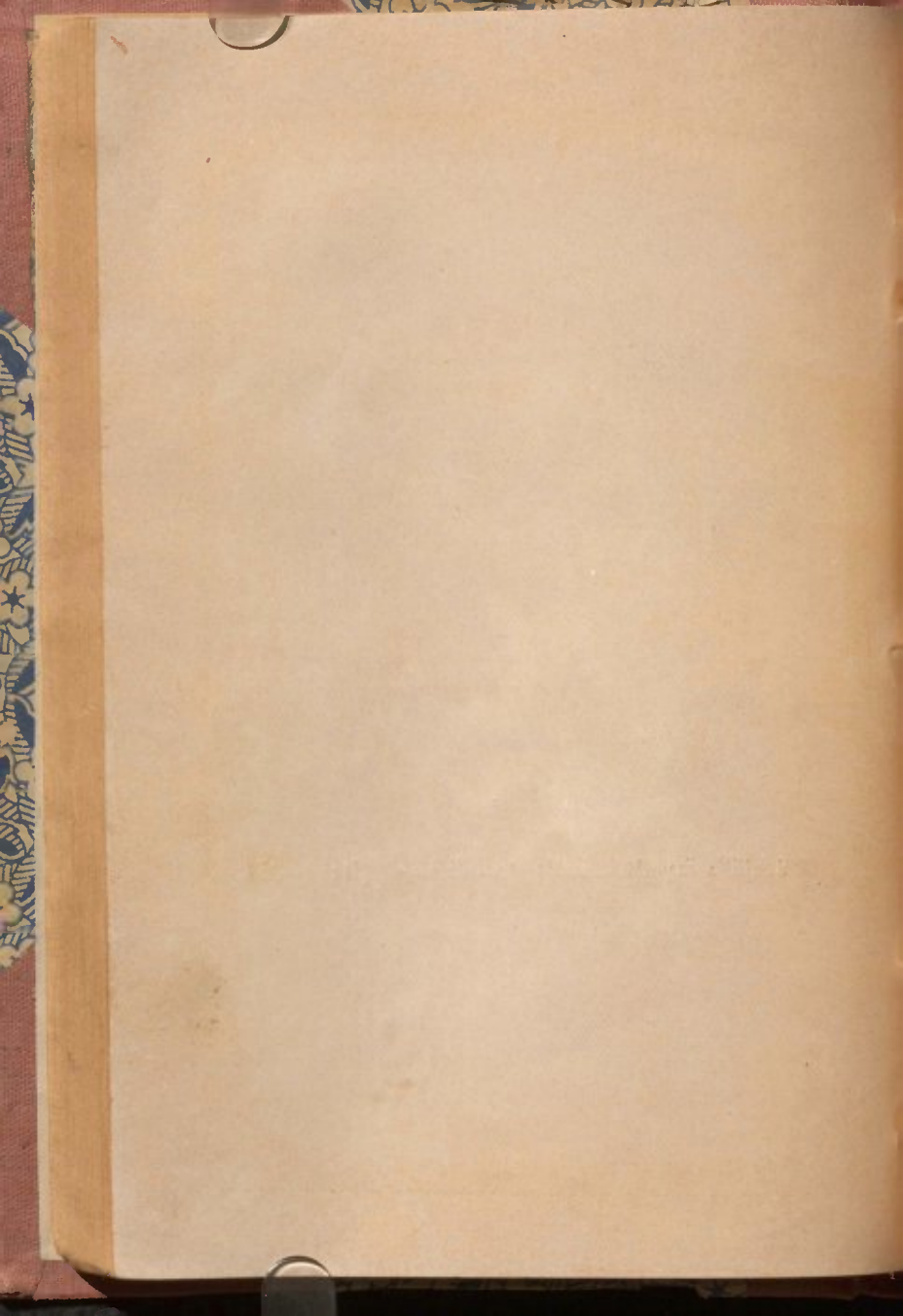
مقلمة للغزالی محفوظة بدار التحف العربیة بالقاهرة

اُسکی تصنیفات

الغزالی کا اتنا حال اُس کی سوانح عمری سے ظاہر نہیں ہوتا جتنا کہ اُس کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مؤرخوں نے جو سادہ واقعات کا اور اُس کے نام کے ہجوں کا بیان لکھا ہے اُس پر تکرار ہوتا رہا ہے جیسا کہ ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں۔ مگر اُس کی قلم سے اتنی کتابیں نکلیں کہ اب تک ان میں سے بعض کو شائع ہونے کا موقعہ بھی نہیں ملا اور صرف قلمی نسخے اور مسودے پڑے ہیں۔ مسلمان مؤرخوں نے اُس کی تصنیفات کی تعداد ننانوے بتائی ہے اور براکل مین نے اپنی کتاب (History of Arabic Literature) میں ان کا شمار اہتر دیا ہے جو اب تک موجود ہیں۔ یہ تصنیفات علم الہیات احوال الآخرت علم فلسفہ پر۔ اور بعض رسالے تصوّف۔ اخلاق اور شریعت پر ہیں *

بعضوں نے الغزالی کو سب مسلمان مصنفوں پر فوق دیا ہے۔ اسمٰعیل ابن محمد اَل حضری کا بیان ہے " محمد ابن عبد اللہ سرور انبیا تھا۔ محمد ابن ادریس الشافعی سرور امامان تھا۔ لیکن محمد ابن محمد ابن محمد الغزالی سرور مصنفین تھا" *

ہم نے جو تصویر دی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ اپنے زمانہ ہی میں بحیثیت مصنف کے اُس کا درجہ کیسا بڑا تھا - مصر کے عربی عجائب گھر میں ایک نقلمہ (قلمدان) ہے جو الغزالی کا تھا - ایم - کی ٹی کس (m. Kyticas) نے یہ تحفہ عجائب گھر کی نذر کیا - یہ پیتیل کا بنا ہے اور اُس پر چاندی کا پانی چڑھایا ہوا ہے - اس پر یہ کتبہ لکھا ہے "ہمارے اُستاد - نہایت عظیم الشان امام ہمارے معزز پیشوا - صداقت ترجمان - علامہ عصر - سلطان العاقلین - سب زندوں کی پناہ راستی کا مخزن - اپنے ہمعصروں میں شہرہ آفاق - فروغ دین - حجت الاسلام - محمد الغزالی کے لئے بنایا گیا" ‡

دمشق برنجی صنعت کا یہ سب سے قدیم بقیہ ہے اور اُس زمانے کے نسخی کتابت کا واحد نمونہ ہے - جو اِس عجائب گھر میں پایا جاتا ہے - یہ تو ثابت ہے کہ غزالی کی وفات کے بعد یہ نہ بتایا گیا تھا کہ کتب خانہ کی نذر کیا جائے کیونکہ دستور یہ تھا کہ کتب خانہ کو کوئی کتاب یا آسمانی کرہ نذر دیا جاتا تھا نہ قلمدان - یا دواشت اور لفظ المرحوم (بمعنی متوفی) اِس پر نہیں لکھا جیسا کہ دوسری اشیا پر جو متوفی شخص کی یادگاریں نذر کی جاتی ہیں یہ لفظ "مرحوم" لکھا ہوتا ہے پیتیل کے اصلی ہونے پر یہ اعتراض ہوا ہے کہ اس پر چاندی کا پانی پھرا ہوا ہے جو صوفی عالم کے استعمال کی شئے نہیں ہو سکتی جس نے افلاس اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے کا عہد کیا ہو لیکن

اِس اعتراض کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ خود الغزالی نے ایسا قلمدان نہ بنوایا تھا لیکن اُسکے شاگردوں نے اُسکی خوشنودی مزاج اور عنایت حاصل کرنے کیلئے
علاوہ ازیں یہ جائے تعجب نہیں کہ جو کتبہ اس پر کندہ ہے وہ سنجیدگی سے معرّا ہے ۔ اُس کے زمانے کے دوسرے کاموں سے مقابلہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خود الغزالی نے یہ کتبہ لکھوایا ہو۔
الغزالی کی تصنیفات اور اُس کی جن کتابوں کا ترجمہ دیگر زبانوں میں ہوا خاص کر عبرانی ۔ لاطینی ۔ فرانسیسی ۔ جرمنی اور انگریزی میں اُن کی پوری فہرست تتمہ میں دی گئی ہے ۔ اُس کی زیادہ مشہور کتابوں کا ذکر کرنے سے پیشتر اُن کا خلاصہ دینا ناظرین کے لئے خالی از لطف نہ ہوگا ۔ جواہر القرآن قرآن کی اُن چند آیات کی تشریح ہے جو خاص قدر رکھتی ہیں ۔ کتاب عقیدہ میں مسلمانی ایمان کے مسائل کا بیان ہے اور پاکاک (Pococke) نے اپنی کتاب (Specimen) میں اُس کو شائع کیا ۔ الدرۃ الفاخرہ روز عدالت اور دنیا کے آخر کے بیان میں ہے ۔ اور تصوف کے اخلاق اور الہیات کا بیان احیاء العلوم الدین میں پایا جاتا ہے میزان الاعمال کا ترجمہ عبرانی میں برسلونا کے ابراہیم بن حسدی نے کیا ۔ اور گولڈن تھل نے (Goldenthal) اُسے شائع کیا ۔ کیمیائے سعادت تصوّف کے بارہ میں ایک مشہور لکچر ہے یہ کتاب پہلے پہل فارسی میں لکھی گئی اور دو دفعہ ۱۸۷۳ء میں اِس

کا ترجمہ انگریزی میں ہؤا اور پھر حال ہی میں کلاڈفیلڈ (Claud field) نے پھر اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ ایّہا الولد ایک مشہور اخلاقی رسالہ ہے جس کا جرمن میں ترجمہ ہو چکا ہے فقہ پر جو کتابیں اُس نے لکھیں اُن میں وہ رسالے مشہور ہیں جو شافعی شریعت پر ہیں بسیط وسیط۔ وجیز اُن کا خلاصہ ہیں۔ فلسفے میں تحفتہ الفلسفہ یونانی فلسفہ ماننے والوں پر حملہ ہے۔ مقصد الفلسفہ مقدم الذکر کتاب کا دیباچہ ہے اِس کا لاطینی ترجمہ جو ۱۵۰۶ء میں شائع ہؤا تھا اب تک موجود ہے۔ المنقذ من الضلال) اُس وقت لکھی گئی جب غزالی نے نیشا پور میں دوسری دفعہ درس تدریس کا کام شروع کیا اِس میں اُس نے اپنے فلسفہ کا بیان کیا۔ حال ہی میں اس کا ترجمہ شائع ہؤا بنام۔۔۔ (The Confession of alghazali) یہ اُس کی سب سے مختصر اور مشہور کتاب ہے جو مقدس آگستین کے اقرارات یا جان بنین۔۔۔ (John Banyans) کی کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(Grace abounding to the chief of sinners)

کی کتاب کے مشابہ ہے۔ غزالی کے بعض رسالے بہت ہی مختصر ہیں وہ بطور خطبا رسالے کے ہیں *

اُس کی مختصر کتابوں میں سے مفصلہ ذیل کا ذکر ہو گا:۔ الادب فی الدین۔ ادب آداب کے بارہ میں جسے اُس نے اپنے شاگردوں کے لئے لکھا۔ اس میں کامل شاگرد۔ کامل اُستاد کا اکل و شرب

نکاح و دینی زندگی کا بیان ہے ایک اور چھوٹی کتاب بنام ایوہ الولد ہے (اے بچے) جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس میں اُس نے ایمان اور اعمال کی تعریف کی ہے اور اُن میں امتیاز کیا ہے دیباچہ میں ایک عجیب سی عبارت آئی ہے جس سے غزالی کی صداقت پر کچھ شک پڑتا ہے یا کم ازکم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے کس "انجیل" کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ اس کا بیان ہے" اے میرے بچے جیسا تو چاہے ویسے زندگی بسر کر کیونکہ تو تو مُردہ ہے جس کو چاہے پیار کر کیونکہ جدائی اٹل ہے اور جو چاہے کر کیونکہ اس کے لئے ضرور تجھے حساب دینا پڑیگا فی الحقیقت میں نے عیسٰے (الصلوٰۃ والسلام علیہ) کی انجیل میں دیکھا کہ اُس نے (عیسٰے) کہا جس ساعت سے کہ لاش چارپائی پر رکھی جاتی ہے اُس وقت تک کہ وہ قبر کے کنارہ پر رکھی جلئے خدا اُس سے چالیس سوال پوچھے گا جن میں سے پہلا سوال یہ ہوگا۔ اے میرے خادم تو نے آدمیوں کے سامنے جانے کے لئے بہت سالوں تک اپنے تئیں پاک صاف کیا۔ لیکن میرے دروازوں پر حاضر ہونے کے لئے ایک گھنٹے کے لئے اپنے تئیں صاف نہیں کیا اور ہر روز یہ آوازہ بنیرے کانوں میں ڈالی جاتی تھی۔ جو کچھ تم دوسروں کے لئے کرتے ہو کیوں تم میرے لئے نہیں کرتے جو تمہیں رحمت سے احاطہ کئے ہوئے تھے لیکن تم بہرے بنے رہے اور سننے پر

راضی نہ تھے +
اُس کی کتاب کیمیاے سعادت میں ایک مشہور باب دربارہ "اپنے تئیں جان ئہے - آدمی کی روح اور اُس کے دشمنوں کے بارہ میں جو اس کا محاصرہ کئے ہیں ایک تمثیل آئی ہے جو بنین کی کتاب "جنگ مقدس" سے مشابہ ہے - جہاں تک مجھے معلوم ہے اُس کی سب سے چھوٹی کتاب القواعد العشرہ ہے (دس مسائل) یہ کئی بار شائع ہو چکی ہے - اس میں ایمان اور عمل کے دس اصولوں کا ذکر ہے اور معمولی خط کی طوالت سے قدرے بڑی ہے - اسی قسم کی دوسری کتاب رسالۃ الطیر ہے (پرندوں کی تمثیل) - اُس کا مشہور رسالہ اخلاق اور عمل کے بارہ میں میزان العمل کے نام سے موسوم ہے - یہ واعظ کی کتاب یا امثال کی کتاب کے پہلے ابواب کی مانند ہے - دیباجہ میں الغزالی نے ان لوگوں کی احمقیت کو فاش کیا جو اپنی غیر فانی روحوں کی خوشحالی سے اور اُن لوگوں کی خطرناک حالت سے غافل رہتے ہیں جو عاقبت پر ایمان رکھنے کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں - خوشحالی کا صحیح طریقہ حق کے جاننے اور کرنے پر مشتمل ہے - روح ایک فرد ہے اور اُس کے مختلف قوے باہم وابستہ اور پیوستہ ہیں - تصوف کا طریقہ صحیح ایمان کو صحیح عمل سے وابستہ کرتا ہے - اُس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ دینی عبادت کے ذریعہ سیرت کا بدلنا ممکن ہے اور اُن نیکیوں کا اُس نے ذکر کیا جن کو

عمل میں لانا چاہیئے اور اُن بدیوں کا جن کو خدا کی طرف اور خوشحالی کی طرف جانے میں ترک کرنا چاہیئے +

زندگی کے کوتاہ ہونے اور ابدیت کی اہمیت پر زور دینے کے لئے الغزالی نے یہ کہا "فرض کرو کہ کل جہان خاک سے بھرا ہے اور ایک چھوٹا پرندہ ہر ہزار سال میں ایک دفعہ اُس خاک کا ایک ذرہ اُٹھا لیجاتا ہے ۔ ہم جانتے ہیں کہ اِس پرندے کا کام بھی ختم ہوجائیگا ۔ لیکن ابدیت میں کچھ فرق پیدا نہ ہوگا ۔ اُس کا کوئی انجام نہیں" ۔ اگرچہ اِس کتاب کی تعلیم بہت عمدہ ہے ۔ لیکن پھر بھی اس کا حصر اِس اصول پر ہے کہ نجات بذریعہ اعمال ہے ۔ دِل کی نئی پیدائش کے ذریعہ سیرت کے مبدل ہونے کے امکان کا کچھ ذکر نہیں ۔ نہ وہ راستہ بتایا گیا جس کے ذریعہ ایسی قوت حاصل ہو کہ آزمائش پر فتح پاکر مظفرانہ زندگی بسر کریں +

اُس کی ساری تصنیفات میں سے سب سے مشہور کتاب احیاالعلوم الدین ہے ۔ اسلامی تعلیم و اخلاق کا مفصل بیان اُس میں آیا ہے اور کل اسلامی خیال پر حاوی ہے اِس کتاب کی اشاعت کئی بار ہو چکی ہے اور کئی تفسیریں اس کی لکھی گئی ہیں ۔ اِن میں سے مشہور تفسیر محمد الزبیدی المرتضےٰ کی تصنیف ہے یہ کتاب چار جلدوں میں ہے اور ہر ایک جلد میں دس دس کتابیں ہیں اور کل ایک ہزار گنجان صفحے ہونگے ۔ اگرچہ عام طور

پر اصلی زبان میں یہ کتاب پڑھی جاتی ہے پھر بھی اس کے کئی
خلاصے چھپ چکے ہیں ۔ ان اختصاروں میں سے ایک کا نام
"واعظ المومنین" ہے جسے محمد جمال الدین دمشقی نے تالیف کیا اور
امریکن مشن قاہرہ کے ڈونٹی سکول میں پڑھائی جاتی ہے ؀
اصلی کتاب کے پہلے حصّے کا نام "عبادت کے بارہ میں" دوسرے
حصّے کا نام "عمل کے بارہ میں" تیسرے حصّے کا نام "جو اشیا کو
برباد کرتی ہیں" یعنی بدیاں ۔ چوتھے حصّے کا نام "جو اشیا روح کو
مخلصی دیتی ہیں" یعنی نیکیاں ۔ مضامین مفصلہ ذیل ہیں :-

"عبادت کے بارہ میں"

اوّل ۔ کتاب العلم ۔ جس کے سات حصّے ہیں :-

۱ ۔ علم کے فوائد ۔
۲ ۔ کس قسم کا علم ممنوع اور کس قسم کا جائز ہے ۔
۳ ۔ علم الٰہی دفہرست اسما ۔
۴ ۔ بحث اور مباحثہ کی شرائط ۔
۵ ۔ اُستاد اور شاگرد کا رشتہ ۔
۶ ۔ علم کے خطرے ۔
۷ ۔ عقل اور اُس کا استعمال ۔

دوم ۔ کتاب مسائل جس کے چار حصّے ہیں :-

۱ ۔ اسلامی عقیدہ ۔

۲ - ایمان کے درجے

۳ - خدا - اُس کا وجود - صفات اور کام

۴ - ایمان اور اسلام

سوم - کتاب الاسرار الصفا - اس کے تین حصے ہیں

۱ - ناپاک اشیا سے طہارت

۲ - ناپاک حالتوں سے طہارت

۳ - ناپاک چیزوں سے طہارت جو بدن کے متعلق ہیں (مثلاً ناخن - کان - وغیرہ)

چہارم - کتاب الاسرار الصلوٰۃ - اس کے سات حصے ہیں

۱ - صلوٰۃ کے فوائد

۲ - صلوٰۃ کا ظاہری عمل

۳ - صلوٰۃ کے شرائط

۴ - امام -

۵ - صلوٰۃ الجمعہ

۶ - متفرقات

۷ - خاص نمازیں

پنجم - کتاب الاسرار الزکوٰۃ - اس کے چار حصے ہیں

۱ - زکوٰۃ کے اقسام

۲ - دینے کے شرائط

۳- کس کو دیا جائے -

۴- اُن پر کیسے عمل کریں

ششم - کتاب الاسرار الصوم - اِس کے تین حصے ہیں

۱- اِس کی ضرورت -

۲- اُس کے اسرار

۳- صوم کے ذریعہ اطاعت

ہفتم - کتاب الاسرار الحج - اس کے تین حصے ہیں

۱- اس کے فوائد اور سیرت

۲- تربیت عمل

۳- اس کے اندرونی معنی

ہشتم - کتاب التلاوت القرآن

نہم - کتاب الذکر والصلوٰۃ

دہم - کتاب الذکر اللیل

"امور متعلقہ عمل"

۱- اکل و شرب کے آداب

۲- نکاح کے آداب

۳- تجارت کے آداب

۴- اوامر و نواہی

۵- آداب دوستی و قیل و قال

۶ - اعتکاف کی زندگی
۷ - آداب سفر
۸ - آداب موسیقی و شاعری
۹ - عنایات و عتابات کے بارہ میں
۱۰ - حقیقی معاشرت اور نبی کی خوبیاں

"جو امور روح کو برباد کرتے ہیں"

۱ - دِل کے عجائبات
۲ - روح کی ریاضت
۳ - دو تمناؤں کے خطرے یعنی اشتہا اور شہوت کے
۴ - زبان کی بدیاں
۵ - خفگی اور حسد کی برائیاں
۶ - دنیا کو حقیر جاننے کے بارہ میں
۷ - افلاس اور لالچ کی تحقیر پر
۸ - عزت کی تمنا اور ریاکاری کی تحقیر پر
۹ - بُطلانوں کی تحقیر کے لئے

"جو امور روح کو مخلصی دیتے ہیں"

۱ - کتاب التوبہ
۲ - کتاب الصبر و الشکر
۳ - کتاب الخوف

۴۔ کتاب الافلاس و ریاضت
۵۔ کتاب التوحید اللہ
۶۔ کتاب الحُبّ
۷۔ کتاب دربارہ نیک ارادہ اور خلوص قلبی
۸۔ کتاب الامتحان النفس
۹۔ کتاب الذکر
۱۰۔ کتاب دریاد الموت

اِس کتاب کے تیسرے اور چوتھے حصوں سے خاص کر ظاہر ہوتا ہے کہ غزالی صوفی اور راستبازی کا تلقین کرنے والا تھا۔ یہ امور جو روح کو مخلصی دیتے ہیں"۔ کتاب کے دس حصوں میں سے یہ مصالح جمع کرنا مشکل نہ ہو گا کہ ہر دن کے لئے روحانی خیالات نکالیں۔ غزالی کی تصنیفات سے جواہرات کی ایسی تسبیح بنا کر نہ صرف مسلمانوں کے لئے مفید ہو گی بلکہ مسیحیوں کی عبادت کے لئے بھی ٭

دوسری نہایت دلچسپ کتاب موسوم بہ المقصد الاسنیٰ شرح اسماء اللہ دال حسنہ ہے۔ اسلئے مقصد۔ خدا کے اسماء حسنہ کی تشریح۔ یہ کتاب تین حصوں پر منقسم ہے جس کے پہلے حصے میں فلسفانہ طور پر لفظ "نام" کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ بتایا ہے کہ کسی شے کے نام رکھنے اور جس شے کا نام رکھا

جانئے اُس میں کیا امتیاز ہے اور کیسے یہ ممکن ہے کہ خدا کے نام بہت بھی ہوں اور پھر بھی ذات واحد ہو۔ کتاب کا دوسرا حصّہ سب سے لمبا ہے اور اُس میں خُدا کے ننانویں ناموں کا ترتیب وار ذکر ہے اور یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کیسے اُس کی سات صفات اور ذات واحد میں اُن کو سمجھ سکتے ہیں۔ تیسرا حصہ مختصر ہے اِس میں یہ بیان ہے کہ فی الحقیقت ننانوے سے زیادہ نام ہیں لیکن خاص معقول وجوہات سے یہ شمار ٹھیرایا گیا اور پھر ایک فصل اِس بیان میں ہے کہ خدا کا بیان کیسے کرنا اور کیسے نہ کرنا چاہیئے ✦

الغزالی نے اِس کتاب میں یہ تعلیم دی کہ ایماندار کا اعلےٰ مقصد خدا کے صفات کی تقلید ہے۔ خدا کے عرفان میں تین درجے ہیں۔ اور اِس کے بارہ میں اُس نے یہ بیان کیا "راستبازوں کی نیکیاں اولیاؤں کے قصور ہیں"۔ اِس سے اِس کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی قربت میں جس قدر ہم زیادہ جاتے ہیں۔ ہماری سیرت کا معیار اُسی قدر بلند ہوتا ہے۔ عرفان کے تین درجے یہ ہیں (۱) عقلی۔ (۲) تعریف و تقلید کی کوشش (۳) خُدا کی صفات کی عملی تحصیل جیسے فرشتوں کو ہے۔ خدا کی قربت کے درجے ہیں بلحاظ مکان یا جگہ کے۔ جُنید کے مشہور قول کا اقتباس بڑی پسندیدگی سے کیا ہے "خدا کو سوائے خود خدا تعالےٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اِس لئے اُس نے اپنی اشرف

مخلوقات پر صرف اپنے ناموں ہی کو منکشف کیا ہے - جن میں وہ اپنے تئیں چھپاتا ہے - اُس نے بیان کیا کہ خدا کے اور مومن کے بارہ میں دو امور درست ہیں - ہر سچے مومن کو یہ کہنا چاہئے "مجھے خدا کے سوا کچھ معلوم نہیں" اور "میں خدا کے بارہ میں کچھ نہیں جانتا"

الغزالی کی آخری کتاب "منہاج العابدین" ہے - کہتے ہیں کہ یہ کتاب اُن لوگوں کے لئے لکھی گئی تھی جو "احیا" کو نہ سمجھ سکتے تھے اور اِس میں از روئے تصوّف اسلام کے عقیدے اور رسوم کا بیان ہے - اِس کے حاشیہ میں "ہدایت المبتدین" مرقوم ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے - الغزالی کی یہ دو کتابیں بہت مشہور ہیں اور اِن کی اشاعت بہت وسیع ہوئی ہے ؎

کتاب منہاج سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزالی نے اپنی زندگی کے آخری حصّے میں عام تعلیم کے لئے بھی تصوّف کی اصطلاحات کو استعمال کیا - یہ مختلف ابواب منازل کہلاتے ہیں جو روح کو نجات اور اطمینان کی طرف جانے میں طے کرنی پڑتی ہیں - پہلی منزل نو عرفان کی ہے - پھر توبہ کی - خدا کے راستے پر چلنے میں جو رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں اُن کی فہرست ہے - روح کی ترقی میں جو امور حارج ہوتے ہیں مثلاً دنیا اور اُس کی تحریصات جسم شیطان - حواس - دوسری رکاوٹیں یہ ہیں - روزی کمانے کی فکریں - زندگی کی گھبراہٹیں اور تکلیفیں اور صوفی کی راہ

یں آخری منزلیں یہ ہیں مثلاً ہر حالت میں خدا کی حمد کرنا اور اس کی حضوری کی حقیقت تک پہنچنے میں دل و جان سے کوشش کرنا۔

جس راہ کا الغزالی نے ذکر کیا وہ ایسی مشکل ہے کہ اس نے یہ بیان کیا " بعض طالبان ان منزلوں کو ستر سال میں طے کرتے ہیں بعض دس میں۔ مگر بعض ایسے طالب علم ہیں جن کی روحیں ایسی منور ہو چکی ہیں اور جو دنیا کے فکر و اندیشہ سے ایسے مبرّا ہیں کہ وہ اس سفر کو ایک سال میں۔ ایک مہینہ میں بلکہ ایک گھنٹے میں طے کر کے منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں۔ وہ اصحاب کہف کی طرح جاگتے ہیں اور جو تبدیلی اُن کو اپنے میں اور دوسروں میں نظر آتی ہے وہ مثل خواب کے ہے " ۔

کتاب " احیا " میں جو تعلیم اُس نے نماز کے بارہ میں دی ہے وہ رسم پرستوں کی نماز سے جو ظاہری رسوم کی سخت پابندی کرتے ہیں کہیں اعلےٰ ہے " نماز کے تین درجے ہیں۔ ان میں سے پہلا درجہ تو وہ ہے جس میں نماز محض ہونٹوں سے ادا ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی نمازیں وہ ہیں جن کو روح بہت مشکل سے اور سعی بلیغ سے ادا کرتی اور الٹی باتوں پر بد خیالات سے منتشر ہوئے بغیر توجہ لگاتی ہے۔ تیسری قسم کی نماز وہ ہے۔ کہ جب روح ایسی باتوں کا دھیان کرنے سے مشکل رکتی ہے لیکن نماز کا یہ عین مغز ہے کہ جس سے دعا مانگی جاتی ہے وہ دعا

کی روح پر تصرف کرلے اور دعا مانگنے والے کی روح خدا میں
محو ہوجائے جس سے کہ وہ دعا مانگتا ہے۔ جس کا دعا مانگنا بند ہو
جاتا ہے اور اپنی ذات کا سارا علم جاتا رہتا ہے یہاں تک دعا
کا عین خیال بھی اُس کی روح اور خدا کے درمیان ایک حجاب
دکھائی دیتا ہے۔ اس حالت کا نام صوفیوں میں "مجذوبا" ہے
اس وجہ سے کہ انسان خدا میں ایسا جذب ہوجاتا ہے کہ اُسے
بدن کا خیال بھی نہیں رہتا نہ کسی اور شے کا جو ظاہرا واقع ہو
رہی ہو اور نہ اپنی روح کی حرکات کا بلکہ وہ پہلے خداوند کی طرف
جانے میں مصروف ہوتی ہے اور آخر کار کلیتہً خدا میں مجذوب
ہوجاتی ہے۔ اگر یہ خیال بھی پیدا ہو کہ وہ اس مطلق میں مجذوب
ہوگیا تو عیب میں داخل ہے۔ کیونکہ وُہی مجذوبیت اِس نام
کی مستحق ہے۔ گو نیم ملّا اُن کو بیوقوف ٹھیرائینگے۔ لیکن یہ بے
معنی نہیں۔ لیکن سوچو جس حالت کا میں ذکر کرتا ہوں وُہ اُس
شخص کی حالت سے مشابہ ہے جو کسی دوسری شے کو پیار کرتا
ہو مثلاً دولت۔ عزت یا عشرت کو۔ ایسے لوگ اُن کی محبت
کے سیلاب میں اور دوسرے اُن کے غیظ و غضب کے سیلاب
میں ایسے بہ جاتے ہیں کہ جو اُن سے کلام کرتے ہیں۔ اُن کی
آواز وہ نہیں سنتے اور جو اُن کے پاس سے اُن کی آنکھوں کے
سامنے گزرتے ہیں اُن کو وہ نہیں دیکھتے۔ وہ اپنے جذبہ میں ایسے

محو ہوتے ہیں کہ وہ اپنی محویت کو بھی نہیں جانتے - تم بالضرور اپنے مقصود سے اُس کو ہٹاتے ہو" ٭

ایک دوسرے مقام میں العزالی نے یہ کہا "اِس زندگی کا آغاز یہ ہے کہ خدا کی طرف قدم اُٹھائیں - پھر آدمی اس کو پالیتا ہے جب اُس میں محو اور مجذوب ہو جاتا ہے - پہلے پہل تو یہ عارضی ہے جیسے بجلی آنکھوں کے سامنے کوند جاتی ہے لیکن بعد ازاں مشق سے یہ مستقل ہو جاتی ہے - اِس کے ذریعہ روح عالم بالا میں داخل ہو جاتی ہے - وہاں وہ نہایت خالص عین ذات اُس سے ملتی اور روحانی دنیا کے تصورات سے بھر دیتی ہے اور الوہیت کی عظمت اُس پر ظاہر ہوتی ہے" ٭

العزالی کی تصنیفات اور اُن اقتباسات میں جو یہاں دئے گئے ہیں اُن کی خلوص قلبی اور اخلاقی سنجیدگی کا اظہار ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا اثر ایسا گہرا اور مستقل کیوں ہوا اور جو فلاسفر محض معقول ہی تھے مثلاً آورروز (Averroes) وغیرہ اُن پر ایسی سبقت کیوں لے گیا - گو اُس نے سکالسٹک (Scholastic) فلسفہ کی مخالفت کی لیکن اُس نے اخلاقی فلسفہ کی حمایت کی - ناظرین کو یاد ہوگا کہ وہ اپنے سفروں میں اخلاق کی کتاب اپنے ساتھ رکھتا تھا - اُس کی وفات کے بعد کئی مشہور اخلاقی رسالے تالیف ہوئے جن میں

بہت کچھ اُس کی تعلیم میں سے درج ہؤا - کلاڈ فیلڈ صاحب کا بیان ہے " ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب اخلاق جلالی ہے جو جلال الدین اسعد الدوانی کی تصنیف ہے جس کا ترجمہ ٹامسن صاحب نے نہایت عمدگی سے انگریزی میں کیا - اخلاق جلالی خود بہت کچھ عربی کا فارسی ترجمہ ہے - عربی میں یہ کتاب دسویں صدی میں کتابتہ الطہارت کے نام سے شائع ہوئی - اِس سے دو صدی بعد ابو ناصر نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اخلاق ناصری نام رکھا اور ابو سینا سے اُس میں کچھ ڈالا - اور پندرھویں صدی میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اخلاق جلالی کے نام سے شائع ہوئی ؏

الغزالی کی ساری تصنیفات سے ظاہر ہے کہ وہ فطرت کا بڑا مشاہدہ کرنے والا تھا قرآن کے جن حصوں میں فطرت کا بیان آیا ہے اور اجرام فلک سے سبزہ زار زمین سے حیوانات سے اور سمندر اور اُس کے خطرات سے اُن کا خاص اثر اُس کے دِل پر ہؤا - اُس کی ایک کتاب کا نام الحکمت فی مخلوقات اللہ ہے - یہ اُس کی چھوٹی کتابوں میں سے ہے لیکن اجرام فلک زمین اور سمندر اور اربعہ عناصر کا ذکر اِس میں نہایت خوبصورتی سے ہؤا ہے - ایک باب تو خاص علم الارحام اور انسانی جسم کے طبعی عجائبات پر مشتمل ہے - ایک باب پرندوں کے بارہ

ہیں ہے - اور ایک باب چوپایوں اور مچھلیوں کے بارہ ہیں -
سارے رسالے کا نتیجہ و دلیل تجویز ہے کہ خالق کا احسان اور
عظمت اُس کی صنعتوں سے ہویدا ہے - اس ستاروں سے بھرے
گنبد پر نظر ڈالنے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں - اُس کا مقابلہ
ہم داوٗد کے آٹھویں اور انیسویں مزامیر کے الفاظ سے کر سکتے
ہیں - الغزالی کا بیان ہے:- آسمان کے گنبد پر نظر ڈالنے سے
فکر بھاگ جاتا - شیطان کے وسوسے دور ہوتے - خوف
جاتا رہتا - خدا کی یاد آتی - دل سے خدا کی بڑائی ہوتی - بد
خیالات دور ہوتے - مایوسی جاتی رہتی - صاحب جذبات کو
تسلی ہوتی - عاشق کو خوشی - اور اُن کے لئے یہ بہترین قبلہ
ہے جو نماز میں خدا کو پکارتے ہیں" ؎

الغزالی علم مناظرہ اور بحث مباحثہ میں بھی ماہر تھا - اُس
نے قرآن کی تفسیر چالیس جلدوں میں لکھی - لیکن وہ کبھی مطبوع
نہیں ہوئی - اور تقریباً ایک درجن کتابیں مختلف بدعتیوں کی
تردید میں لکھیں جن میں سے ایک کا نام " افضل جواب اُن کو
جنہوں نے انجیل میں تحریف کی" - الغزالی پر خود بدعت کا الزام
آیا تھا - لیکن اسلام کے فضلا میں وہ وسیع ہمدردی کے لئے
مشہور ہے اس نے یزید پر لعنت کرنے سے بھی ممانعت
کی جو محمد کے نواسے حسین کا قاتل تھا اور اپنی رائے اِن الفاظ

ہیں ظاہر کی ہے مسلمان پر لعنت کرنا منع ہے۔ یزید مسلمان تھا۔ یہ یقینی امر نہیں کہ اُس نے حسینؓ کو قتل کیا اور کسی مسلمان کی نسبت بدگمانی کرنا منع ہے ہم کو یہ بھی تحقیق معلوم نہیں کہ اُس نے حسینؓ کے قتل کا حکم دیا۔ ہم کو کسی بزرگ کی موت کے سبب کا یقینی علم نہیں اور خاص کر اتنے عرصہ دراز کے بعد۔ اِس خاص معاملہ میں طرفداری اور جھوٹے بیانات کا خیال رکھیں نیز اگر اُس نے اُسے قتل بھی کیا وہ اِس فعل کی وجہ سے بے ایمان نہیں ٹھیرتا۔ اُس نے صرف خدا کی نافرمانی کی۔ اور شاید اُس نے مرنے سے پیشتر توبہ کرلی ہو۔ علاوہ ازیں لعنت کرنے سے باز رہنا کوئی جرم نہیں کسی سے یہ پوچھا نہ جائیگا کہ اُس نے کبھی شیطان پر لعنت کی۔ اگر اُس نے لعنت کی تو اُس سے یہ سوال ہوگا کہ کیوں ؟ ہم صرف اُنہیں کو لعنتی جانتے ہیں۔ جو حالت کفر میں مرتے ہیں"؂

جو کتابیں اُس نے فلاسفروں کے خلاف لکھیں اُن میں سے ہم تین کا ذکر کرینگے جن کا ایک دوسری کے ساتھ تعلق ہے اِن میں سے ایک تو مقصد الفلسفہ ہے۔ فلاسفروں کی صحیح تعلیم کا بیان اور دنیا کے بارہ میں اُن کی رایوں کا اظہار۔ دوسری کا نام تحفۃ الفلسفہ ہے۔ جس میں اُن کی رایوں کی تردید ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ دِل وجان سے اسلام کی پیروی کرتے

ہیں وہ اُس تعلیم کو مان نہیں سکتے - تیسری کتاب قواعد ہے جس میں اُن صداقتوں کا ذکر ہے - جو فلاسفروں کی غلطیوں کی بجائے ماننی چاہئیں - پہلی مذکورشدہ کتاب میں بقول مکڈانلڈ صاحب "اُس نے فلاسفروں کے چوتڑوں اور ران پر طمانچے مارے اور اُن کے اوزاروں کو اُن ہی کے خلاف استعمال کیا - اور عقل پر پرلے درجے کی بدگمانی کی - ہیؔوم سے سات سو سال پہلے اُس نے علت معلول کے سلسلے کی گرہ کاٹ ڈالی اور یہ ظاہر کیا کہ ہمیں سبب یا نتیجہ کا علم نہیں - ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایک شے دوسرے کے بعد آتی ہے" ؂

الغزالی کی مشہور کتاب احیاؔ العلوم الدین نے اندلوسیا (Andalusia) میں سخت حیرت پھیلادی - علما کی تنگ خیالی کے باعث اُن کا تعصب حد سے تجاوز کرگیا - اُن کا علم الٰہی صرف شریعت کی واقفیت پر محدود تھا - جس مذہب کی تعلیم الغزالی نے دی - اُس میں اُس کی کچھ گنجائش نہ تھی - جو شخصی اور جوشیلا اور دِل کا مذہب تھا - جب اُس نے اپنے ہم عصر علمائے دین پر جو شرعی بحث اور دین کی ظاہری رسوم میں مصروف تھے حملہ کیا تو اُس نے شریعت کے ان فریبیوں کے نازک مقام کو چھوا - جس سے وہ چلا اُٹھے - بقول ڈوزی (Dozy) "کارڈوداکے قاضی ابن ہمدین نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص الغزالی کی کتاب

پڑھیگا وہ دوزخ میں پڑیگا۔ وہ کافر ہے اور اُس نے یہ فتوے دیا کہ اُس کتاب کی ساری جلدیں آگ سے جلا دی جائیں۔ اس فتوے پر کارڈووا کے فقیہوں نے دستخط کیے اور علی نے اُس کی تصدیق کی چنانچہ وہ کتاب کارڈووا میں اور سلطنت کے دوسرے شہروں میں جلا دی گئی اور یہ حکم صادر ہوا جسکے پاس سے وہ کتاب نکلیگی وہ جان سے مارا جائیگا اور اُس کی جائداد ضبط ہو گی"۔

لیکن دیگر ممالک کے مسلمانوں کی یہ رائے نہ تھی۔ اُس کی حین حیات میں اور خاص کر اُس کی وفات کے بعد فلسفہ کے خلاف جو اُس کی کتابیں تھیں اور جو اسلامی عقیدے کی تشریح پر تھیں۔ اُن کا مطالعہ اور اُن کی تفسیر بہت لوگ کرنے لگے۔

مسلمان مصنفوں اور یورپین عالموں نے معقول وجہ سے اُس پر یہ الزام لگایا ہے کہ اُس نے دوسری کتابوں کے اقتباس کرنے اور حوالہ دینے میں احتیاط اور صحت سے کام نہیں لیا۔ اُس کے مخالفین نے اُس پر ایک الزام یہ لگایا کہ اُس نے احادیث کی تکذیب کی۔ مکڈانلڈ صاحب نے اُس کی کچھ رعایت کی اور یہ کہا "اُس نے اِن اقتباسات میں زیادہ تر اپنی یادداشت سے کام لیا اور اصل کتابوں سے مقابلہ نہیں کیا۔ اِس لئے اُس کی زندگی کے آخر تک یہ حوالے اور اقتباسات لفظی صحت کے ساتھ نہیں"۔

السبقی نے اپنی کتاب طبقات الشافعیہ الکبری میں ایک

خاص فصل اِس میں مخصوص کر دی ہے کہ الغزالی نے اپنی کتاب
احیا میں جن حدیثوں کا حوالہ بلا اسناد دیا ہے - یعنی ایسی حدیثیں
جن کو اُس نے مستند سمجھ کر اقتباس کیا لیکن جو اسلامی علم جرح
کے اصول کے مطابق بالکل ضعیف و بے وقعت ہیں - کتاب کی
اِس فصل کے بہت سے صفحے ہیں اور اِس میں چھ سو حدیثوں کا شمار
دیا گیا جو احیا کے فلاں فلاں باب میں مذکور ہوئیں - اِس لئے شک
کی کوئی وجہ نہیں کہ السبقی (۱۷۱ھ) الغزالی کا مدّاح تھا اور اُس
کی تعلیم کی قدر کرتا تھا - جب اُس نے اولیاؤں کی زندگیوں کے
اِس مجموعے میں الغزالی کے اپنے شاگرد نے اس پر ایسا بڑا الزام
لگایا تو پھر ہم کیا کہیں ؟

جب محمد کے "صحیح اقوال" کا یہ مجموعہ (جس میں سے اکثر قول
بلاسند یا بُنیاد کے اُس سے منسوب کئے گئے ہیں) ہم پڑھتے ہیں
تو اسلام کے سب سے بزرگ حامی دین کی یہ زود اعتقادی اور
عدم صحت کو دیکھ کر حیرت پیدا ہوتی ہے - اگر الغزالی نے احادیث
کی نسبت احتیاط سے کام نہیں لیا اور محمد صاحب سے ایسی باتیں
منسوب کیں جو ضعیف - پر فسانہ اور اخلاق سے گری ہوئی ہیں
تو مابعد محدثوں پر ہم کو کیا اعتبار رہا - ہم الغزالی کو اس ذہنی
جھوٹ سے کیسے بری کریں ؟

اُس کی تصنیفات کے بارہ میں ایک اور بات خاص دلچسپی

رکھتی ہے۔ وسطی زمانوں میں الغزالی نے یہودی خیال پر بڑا اثر کیا۔
ضمیمہ میں اس کی کتابوں کے بعض ترجموں کی فہرست دی گئی ہے۔
جو عبرانی زبان میں کیئے گئے۔ فلسفہ کے یہودی شائقین مثلاً میمونی
ویس (Maimanides) وغیرہ نے بہت خیالات اُس
کی کتاب "مقاصد" اور دیگر کتابوں سے اخذ کئے۔ الغزالی نے
فلسفے پر جو حملے کئے انہیں کو یہودا ہالیوی نے اپنی کتاب کوزری
(Cuz-ari) میں دُہرایا۔ لیکن اُس کے فلسفہ کی نسبت اُس کی
اخلاقی تعلیم نے یہودی عالموں کی توجہ کو کھینچا۔ بروآیڈ (Brayde
کا بیان ہے "وہ یہودی اخلاقی تصور کی غایت تک اِس قدر پہنچا کہ
بعضوں نے سمجھا کہ وہ یہودی ہو گیا تھا اور اِس لئے یہودی مصنفوں
نے اس کی تصنیفات کا بہت مطالعہ اور استعمال کیا۔ ابراہیم ابن
عزراہ نے الغزالی کی کتاب میزان الاعمال سے یہ تمثیل لی جس میں
انسانی بدن کے اعضا اور بادشاہ کے ملازموں میں مقابلہ کیا ہے۔
اور یشیبی لب (Yashene leb) کی نصیحت کے لئے
استعمال کیا۔ ابراہیم ابن داؤد نے اُسی کتاب سے وہ تمثیل اخذ
کی جو علوم کے مختلف صیغوں میں امتیاز کرنے کے ثبوت میں ہے
اور شمعوں دوراں نے اپنی کتاب کشیدت (Keo-het) میں
ایک مقام کتاب موزینی ہاعیونیم سے نقل کیا جسے وہ موزینی ہاحکماء
کہتا ہے ؛

اُس کی تصنیفات کے عبرانی ترجمے تیرھویں صدی میں ہوئے۔
کم ازکم گیارہ عبرانی تفسیریں کتاب مقاصد پر لکھی گئیں۔ یوحنان الیمنہ
(Johanan alemanna) نے غزالی کے واعظانہ طریق
کی تعریف کی اور غزالی کے قیاس میں نور کی ترتیب اور درجوں کو
قبالہ کے قیاس سے تشبیہ دی"۔

سائنس کے بارہ میں الغزالی کے خیالات وہی تھے جو اُس کے
ہمعصروں کے تھے۔ دنیا بطلیمی نظام کے مطابق ہی تھی۔ اور صرف
اربعہ عناصر کو مانتے۔ اور ہستی کی تین صورتیں سمجھتے تھے۔ عالم
احساس۔ خدا کے ازلی حکم کا عالم۔ تصورات یا خدا کی قدرت کا
عالم۔ خوابوں اور رویتوں میں ہم باقی دو عالموں سے ملتے ہیں۔ اس
طریقہ سے الغزالی نے اسلامی دین کی نفسانی مادی تعلیم کی شکل
سے اجتناب کیا۔ ایسی اشیا کا امکان ہے جو اصلی اور حقیقی ہوں تو
بھی وہ عالم احساس سے علاقہ نہ رکھتی ہوں۔

ڈاکٹر میکڈانلڈ صاحب نے بیان کیا کہ الغزالی کی تاثیر اسلام
پر چوہری تھی"۔ اوّل تو اُس نے لوگوں کی توجہ لفظی بحث مباحثہ سے
اِس طرف پھیری کہ قرآن اور احادیث سے زندہ تعلق رکھیں جو اسلام
کا حقیقی چشمہ ہے۔ وہ آج کل کے معنی میں "بائیبل کا عالم" کہلا سکتا
ہے۔ بائیبل سے یہاں مراد اسلامی بائیبل یعنی قرآن ہوگا۔ احیا کے
تقریباً ہر مقام کے شروع میں قرآن کی آیت دی گئی ہے اور

ترجمہ کرنے میں اُس نے ماقبل مفسرین کی تقلید نہیں کی - بلکہ روحانی معنی نکالے" ÷

دوم - اس نے اسلام میں خوف کا عنصر داخل کیا - اوائل ایام میں مثلاً خود قرآن میں روز عدالت اور دوزخ کے عذاب کا ڈر دیا گیا تاکہ لوگ توبہ کریں - الغزالی نے اسلامی تعلیم کے اِس حصے پر ازحد زور دیا ہے - دیکھو اُس کی چھوٹی کتاب الدرہ الفاخرہ جو دیندار مسلمانوں میں آج تک بہت مقبول کتاب ہے" ÷

سوم - تصوف نے جو اسلام میں موجود تھا لیکن اکثر بدعت سمجھا جاتا تھا - الغزالی کی زندگی اور تعلیم کے ذریعہ اُس وقت سے لے کر آج تک اسلام میں ایک خاص جگہ حاصل کرلی ÷

چہارم - اُس نے فلسفہ کو ایسا آسان کر دیا کہ عوام الناس بھی سمجھ سکیں - فلسفہ کے بنیادی اصولوں کو ظاہر کیا اور فلسفہ کے خطروں سے لوگوں کو آگاہ کیا اور اپنی تصنیفات میں یہ تشریح کردی کہ حقیقی فلسفہ اور حقیقی اسلام ضدین نہیں - اس امر میں وہ رے منڈال (Raymund Lall) کے مشابہ ہے - جس نے یہ ظاہر کیا کہ فلسفہ کو مسیحیت کی خادمہ کے طور پر استعمال کریں - میکڈانلڈ صاحب کا خیال ہے کہ اُس کے کام اور تاثیر کے بارہ میں پہلا اور چوتھا طریقہ نہایت اہم ہیں انہیں نے اُسے اسلام کی تاریخ میں اوّل درجہ کا مصلح بنا دیا ÷

اُس کی اخلاقی تعلیم

مارٹین سین (morten sen) نے مسیحی اخلاق کی یہ تعریف کی ہے کہ "وہ اخلاق کا سائنس ہے مشروط از مسیحیت"۔ لیکن اسلام کی تعلیم مسیحی اخلاق کے تین بنیادی تصورات کے مخالف ہے۔ اعلےٰ احسان۔ نیکی اور اخلاقی شریعت کا محمدی تصور مسیحی تصور کے مطابق نہیں۔ خود محمد صاحب کی سیرت اور اُن کے تحریر شدہ اقوال سے بخوبی عیاں ہے۔ اعلےٰ نیکی محمد صاحب کی تقلید کے وسیلے حاصل ہوتی ہے۔ اور اخلاقی شریعت کی نسبت ادنےٰ خیالات رکھنے کی وجہ سے بلحاظ اس کی حقیقی سیرت۔ اُس کی تعلیم اور اُس کی غایت کے اُس کو عملاً منسوخ کر دیا ہے"۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم راستبازی کی بیرونی اور خام جیسی تعلیم ہے سوشیل رشتوں کے طبقے میں دیانتداری اور یقین اور قول میں وفاداری اور کام کو خدا کے لحاظ سے سرانجام دینا اس دین کی اعلےٰ باتیں ہیں لیکن عمق میں یہ دل تک نہیں پہنچتی نہ ان کی بنیاد محبت پر ہے۔ اعلےٰ درجہ کی نیکی ہر فرد بشر کی بیرونی اور نفسانی خوشحالی ہے"۔ جن لوگوں نے اسلام کا مطالعہ اُس کے اصلی چشموں کے وسیلے کیا ہے ان کے لئے اس بیان کے ثبوت کی

ضرورت نہیں۔ پروفیسر مارگلائتھ صاحب نے جن الفاظ میں مسلمان
بزرگوں یعنی محمد صاحب کے رفیقوں اور پیروؤں کا ذکر کیا وہ شاید سخت
سمجھی جائیں لیکن وہ نادرست نہیں "جو لوگ اسلام کی تاریخ کا بیان
کرتے ہیں وہ اخلاق کے معمولی قوانین کو بالائے طاق رکھ دیتے
ہیں ورنہ وہ تصویر اپنی چمک دمک نہیں دکھا سکتی۔ وہ تو اُن کا بیان
ہرگز لکھ نہ سکتے اگر بیوفائی۔ خونخواری۔ ظلم و شہوت کی طرف سے
دل کو کڑا نہ کر لیتے گو قرآن اور احادیث نے اِن پہلی تین باتوں کی
ممانعت کی ہے اور چوتھی پر کچھ حد لگائی ہے"۔ ندی اپنے چشمے
سے بلند نہیں ہو سکتی۔ برج اپنی بنیاد سے زیادہ چوڑا نہیں ہو سکتا
محمد صاحب کے اخلاقی قدر کا اندازہ اسلام کے سارے اخلاقی تصورات
کا چشمہ اور بنیاد ہے اُن کا چال چلن سیرت کا معیار ہے۔ اِس
لئے ہم تعجب نہ کریں کہ اخلاقی معیار ایسا ادنے ہے۔ الغزالی
میں بھی گو وہ کبھی کبھی قرآن اور نبی پر بھی سبقت لے جاتا ہے۔
جو کتابیں اُس نے اخلاق پر لکھی ہیں اُن میں سے تقریباً ہر
ایک میں عربی نبی کی سیرت کا اعلےٰ نمونہ بیان کیا ہے۔ اس کے
رسالے بنام "گوہر بے بہا" میں ایک مقام ہے جس میں ایک
حدیث سے اقتباس ہے اُس میں یسوع مسیح کو یہی درجہ دیا گیا
ہے (صفحہ ۴۴ طبع قاہرہ) "یسوع (کلمۃ اللہ) کے پاس جاؤ کیونکہ
جو رسول بھیجے گئے ان سب میں سے وہ صدیق تھے۔ اور جسے

خدا کا عرفان سب سے زیادہ حاصل تھا اور جس کی زندگی اُن سب سے زیادہ مرتاض تھی اور حکمت میں جو سب سے زیادہ فصیح تھا۔ شاید وہ تمہاری سفارش کرے" مگر یہ حوالہ روز قیامت کے بارہ میں ہے جب مختلف قومیں خدا کی شفقت اور معافی کی تلاش کرینگی +

اگر ہم اُس زمانہ کا لحاظ کریں جس میں وہ زندہ تھا۔ اور اُس کی محمدی اخلاقی تعلیم کا تو بقول مکڈانلڈ صاحب "الغزالی کا درجہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کے بارہ میں ہمارے سارے قوانین اور قیاسات عقل کی صفات کی تقسیم خواہ وہ نیک ہوں یا بد ان کے اسباب کے پوشیدہ نقصوں کا سراغ لگانا اور اِن اسباب کے مقابلہ کرنے کے طریقے۔ یہ سب امور (الغزالی یہ سکھاتا ہے) ہم کو اولیاء اللہ کے طفیل حاصل ہوئے جن پر خدا نے خود اِن باتوں کو ظاہر کیا۔ یہ اولیا ہر زمانے اور ہر ملک میں گزرے ہیں۔ خدا نے اپنے تئیں کبھی بے گواہ نہیں چھوڑا۔ اُن کے اور ان کی محنتوں کے اور اُس روشنی کے بغیر جو خدا نے اُن کو عطا کی تھی ہم کبھی اپنے آپ کو جان نہ سکتے۔ دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی الغزالی کا درجہ صاف ظاہر ہے کہ سارے علم کا نمایت چشمہ مکاشفہ من جانب اللہ ہے۔ ایسے مکاشفہ کلاں کہہ سکتے ہیں جو اُن معتبر انبیا کے ذریعہ پہنچا جو اُستاد ہو کر خدا کی طرف

سے آئے اور اُن کی تصدیق کے لئے ان کو معجزات عطا ہوئے اور اُن کے پیغام کی صریح صداقت انسان کے دِل پر اثر کرتی تھی۔ اور اُسے ہم مکاشفہ خورد کہہ سکتے ہیں جو ادنےٰ اور تشریحی تھا جو مختلف درجہ کے اولیاؤں کو خدا کی طرف سے حاصل ہوُا تھا۔ جہاں اولیاء اللہ چھوڑتے ہیں وہاں سے انبیا شروع کرتے ہیں اور بغیر ایسی تعلیم کے طبعی علم میں بھی انسان تاریکی میں سرگرداں رہتا" +

اخلاق کے بارہ میں الغزالی نے جو بہ صاف بیان کیا ہے مبادا اِس میں غلط فہمی ہو۔ ہم یہ ایزاد کر سکتے ہیں کہ مقدم الذکر مکاشفہ تو قرآن ہے اور یہ اولیاء اللہ پہلے خلفا اور اُن کے تابعین ہیں۔ مسلمانی فقہ کے عالم جن میں الغزالی بھی شامل ہے۔ گناہ کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ "شرع معلومہ کے خلاف ذمہ دار شخص کا دانستہ فعل" ہے۔ اِس کے مطابق جو گناہ نادانستہ سرزد ہوں یا بچپن میں سرزد ہوں وہ حقیقی گناہ نہیں سمجھے جاتے۔ وہ گناہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی کبیرہ و صغیرہ۔ بعضوں کا خیال ہے کہ گناہ کبیرہ کا شمار سات ہے۔ یعنی بت پرستی۔ قتل۔ زنا کا جھوٹا الزام۔ یتیموں کا مال ضائع کرنا۔ روپیہ پر سود لینا۔ جہاد سے کنارہ کشی۔ والدین کی نافرمانی۔ بعضوں کی رائے میں ان کا شمار سترہ ہے اور اِن میں وہ شرابخوری۔ جادو۔ جھوٹی قسم کو بھی شامل کرتے ہیں۔ محمد صاحب کی احادیث میں جو اخلاق

کی بنیاد ہیں رسمی اور اخلاقی شریعت میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔ مثلاً نبی نے (صلی اللہ وسلم) فرمایا۔ ایک درہم سود کا اگر آدمی سود سمجھ کرلے وہ چھتیس حرامکاریوں سے بدتر ہے اور جو کوئی اِس کا مرتکب ہوگا وہ نار جہنم کا مستوجب ہوگا"۔

عام مسلمانوں میں گناہ کی یہی تقسیم ہے۔ کبیرہ اور صغیرہ۔ الغزالی نے ایک شخص سے یہ اقتباس کیا "گناہوں میں کوئی کبیرہ اور صغیرہ نہیں بلکہ جو کچھ خدا کی مرضی کے خلاف ہے وہ گناہ کبیرہ ہے"۔ لیکن اِس کی تردید میں قرآن کی آیات پیش کی ہیں اور یہ کہہ کر اِس اخلاقی مشکل سے رہائی پائی کہ اگر آدمی گناہ صغیرہ میں مبتلا رہے تو وہ گناہ کبیرہ ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ پانی کے قطرات کے متواتر گرنے سے پتھر پر نشان پڑجاتا ہے اور جب خدا کا بندہ اپنے کسی گناہ کو کبیرہ سمجھتا ہے تو خدا اُس کو صغیرہ سمجھتا ہے اور جب آدمی اپنے گناہ کو صغیرہ سمجھتا ہے تو خدا اُسے کبیرہ ٹھہراتا ہے"۔

جو گناہ دِل کو مغلوب کرلیتے ہیں ان کو وہ چار قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ خودی۔ شیطانی۔ حیوانی۔ ظلم۔ پہلی قسم میں اُس نے غرور۔ خودبینی۔ شیخی اور خود غرضی وغیرہ کو رکھا۔ حسد۔ عداوت۔ فریب۔ کینہ۔ رشوت۔ اور بے ایمانی کو دوسری قسم میں۔ اور لالچ۔ شکم پروری۔ شہوت۔ زنا۔ لونڈے بازی چوری۔ اور یتیموں کا مال لوٹنا حیوانی گناہ کہلاتے ہیں۔ اور غصہ

غضب - گالی - لعنت - قتل - رہزنی وغیرہ ظلم میں داخل ہیں ؂
اخلاق پر غزالی کی ساری کتابوں میں اور اُس کے چھوٹے رسالوں میں جو اِس مضمون پر لکھے گئے رسمی اور اخلاقی شریعت کے درمیان کوئی صاف امتیاز نہیں کیا گیا - عربی لفظ اخلاق کے بارہ میں ادب آیا ہے - جس میں حسن اخلاق - ادب آداب خوش خلقی اور ظاہری روش میں شائستگی - بزرگوں کے حضور تعظیم وغیرہ کا خیال داخل ہے لیکن ان احکام پر عمل کرنے یا اُن اصولوں پر چلنے کی طرف کچھ اشارہ نہیں جس سے شریفانہ سیرت پیدا ہوتی ہے - اُس کے مختصر رسالے الادب فی الدین کے مضامین کے پڑھنے سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے ؂

اِس رسالے میں اخلاقی تعلیم کی بنیاد کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے " الحمد اللہ جس نے ہم کو خلق کیا اور ہماری خلقت کو کامل کیا اور ہم کو اخلاق سکھائے اور ہمارے اخلاق کو حسنہ بنایا - اور اپنے نبی محمد کو بھیجنے کے ذریعے (صلی اللہ وسلم) ہم کو عزت دی اور ہمیں سکھایا کہ ہم کیسے اُس کی عزت کریں - فی الحقیقت سیرت میں سب سے اکمل عنصر اور نہایت ممتاز اور حسن عمل اور نہایت ذوالجلال - مذہب کے لحاظ سے درست چلن ہے - کیونکہ مذہب یہ سکھاتا ہے کہ حقیقی مومن کو چاہیئے کہ رب العالمین کی صنعت اور انبیاورسل کے خالق کو جانے -

اور خدا نے قرآن میں ہم کو اس کی تعلیم دی اور اس کے بارہ میں روشنی
ڈالی اور احادیث کے مطابق محمد النبی کو ہمارے چال چلن کا نمونہ
ٹھیرایا - وہ ہمارا نمونہ ہیں اور ویسے ہی اُس کے رفیق اور ان کے
تابعین ہیں - اِن کے وسیلے ہم پر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ اُن کے
نقش قدم پر چلنا ہمارا فرض ہے جس کا بیان ہم نے اُن کے لئے
کر دیا ہے جو ہمارے بعد آئینگے" +

اِس رسالے کے بابوں یا فصلوں کے یہ نام ہیں:- مومن کے
اخلاق - اُستاد کے بارہ میں - شاگرد کے بارہ میں - جو قرآن کی تلاوت کو سنتے ہیں -
قاری کے بارہ میں - مدرس کے بارہ میں - اُن کے متعلق جو احادیث
کو سمجھنے کے طالب ہیں - واعظ کے بارہ میں - سر تاض کے -
شریف کے - نیند کے آداب - شب بیداری کے - قضائے
حاجت - حمام کے - وضو کے - مسجد میں داخل ہونے کے - اذان
کے - نماز کے - شفاعت کے - جمعہ کے خطبہ کے - عیدوں کے
کسوف خسوف کے عرصے کے - خشک سالی کے ایام کے -
بیماری کے - جنازے کے - زکوٰۃ کے - امیر و غریب کے - روزہ
کے - حج کے - تاجر کے - صرّاف کے - اکل و شرب کے -
نکاح (اس کی مختلف فصلیں ہیں) - راہ کے کنارے بیٹھنے - بچے
معہ اُسکے والدین کے - والدین معہ اُس کے بچے کے - برادروں
ہمسایوں - آقا معہ غلام کے - سلطان معہ اُس کی رعیت کے - قاضی

کے ۔ شاہد کے ۔ قیدی کے بارہ میں ۔ اِس دلچسپ کتاب کے
آخری باب میں مختلف اقوال کا بیان ہے جو مختلف اوقات پر
شائستہ چلن کے لئے مناسب ہیں ؂

کھانے کے بارہ میں جو فصل ہے اور جو طوالت میں
دوسری فصلوں کے تقریباً برابر ہے ۔ اُس کا ترجمہ اُس کے
مضامین کا کچھ تصوّر ہم کو دیگا " آدمی کو چاہیے کہ کھانے سے
پیشتر اور اُس کے بعد ہاتھ دھوئے اور کھانے سے پیشتر خدا
کا نام لے اور داہنے ہاتھ سے کھائے ۔ اور رکابی میں سے
چھوٹا نوالہ لے اور نوالے کو منہ میں خوب چبائے ۔ اور جو دیگر
مہمان اُس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں اُن کے چہروں
کی طرف نہ تاکے ۔ نہ زیادہ جھکے اور نہ اشتہا سے زیادہ کھائے ۔
اور جب کافی کھا چکے تو معذور رکھے جانے کی درخواست کرے
تاکہ میزبان کو یا جس کو زیادہ کھانے کی ضرورت ہے فکر پیدا نہ
ہو ۔ اور رکابی کے وسط میں سے کھانا شروع نہ کرے بلکہ ایک
کنارے سے اور کھانے کے بعد اپنی انگلیاں پونچھے اور خدا کا
شکر کرے اور کھانے کے وقت موت کا ذکر نہ کرے تاکہ حاضرین
میں سے کسی کو نحوست کا خوف پیدا نہ ہو " ؂

دستر خوان کے یہ آداب مسلمان بچوں کے لئے دلچسپ
اور اہم بھی ہیں ۔ اطاعت اور ظاہری روش میں فروتنی ۔

مسجد میں تعظیم ۔ جو عمر اور مرتبے میں بڑے ہیں اُن کی عزت اور اسی طرح دیگر خانگی آداب کا حکم ہے ۔ لیکن اِس کتاب میں جن باتوں کا ذکر نہیں ہؤا وہ بھی حیرت انگیز ہیں ۔ راستی ۔ دل کی پاکیزگی ۔ اخلاقی حوصلہ کمزوروں اور عورتوں کی حفاظت میں جان جوکھوں میں ڈالنے کی شریف صفت ۔ ایسی صفات جن سے کہ انسان انسان بن سکتا ہے وہ معدوم ہیں +

کتاب احیا (فصل ۳ صفحہ ۱۹۶) کی ایک فقرہ میں اِس امر کا ذکر ہے کہ کونسے موقعوں پر جھوٹ بولنا جائز ہے ۔ اِس سے صاف عیاں ہے کہ الغزالی کے نزدیک کم از کم صداقت کے احاطہ میں "مقصد سے وسائل راست ٹھہرتے ہیں" چنانچہ اُس نے یہ تحریر کیا کہ "جھوٹ بذات خود حرام نہیں بلکہ اس وجہ سے حرام ہے کہ سننے والے کو بدنتائج کی طرف لے جاتا ہے اور اسے ایسی بات کا یقین دلاتا ہے جو فی الحقیقت درست نہیں ۔ بعض اوقات نادانی مفید ہے اور اگر جھوٹ سے اِس قسم کی نادانی پیدا ہو تو وہ جائز ہے ۔ بعض اوقات جھوٹ بولنا فرض میں داخل ہے ۔ میمون ابن مُہراں کا قول ہے "بعض اوقات جھوٹ سچ سے بہتر ہے ۔ مثلاً اگر کوئی آدمی تمہیں ملے جو کسی شخص کو قتل کرنے کی تلاش میں ہے اور وہ تم سے اُس شخص کا پتہ پوچھے تو تم کیا جواب دوگے ؟ لا کلام تم یوں جواب

دو گے ۔ کیونکہ ایسا جھوٹ جائز ہے" اگر جھوٹ اور راستی دونوں
سے نیک نتیجہ نکلے ۔ تو تم سچ بولو کیونکہ ایسی حالت میں جھوٹ
بولنا منع ہے ۔ اگر جھوٹ ہی ایک واحد طریقہ نیک نتیجہ تک
پہنچنے کا ہے تو وہ حلال ہے جھوٹ اُس وقت جائز ہے جب
فرض ادا کرنے کا وہ واحد طریقہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان کسی
بے انصاف شخص کے سامنے سے بھاگ جائے اور تم سے
اُس کا پتہ پوچھا جائے تو اُس کی جان بچانے کے لئے جھوٹ
بولنا لازمی ہے ۔ اگر جنگ کا فیصلہ ۔ دو جدا شدہ دوستوں
کے ملاپ یا کسی مظلوم کی حفاظت جھوٹ بولنے پر موقوف
ہو تب جھوٹ جائز ہے ۔ سارے معاملات میں ہم بڑی
خبرداری کریں کہ جہاں ضروری نہ ہو ہم جھوٹ نہ بولیں۔ مبادا وہ
حرام ٹھیرے ۔ اگر کوئی شریر شخص کسی سے اُس کی دولت
کے بارہ میں سوال کرے تو وہ کہہ دے کہ اُس کے پاس دولت
نہیں ۔ ویسے ہی اگر سلطان کسی سے ایسے جرم کے بارہ
میں دریافت کرے جس کا وہ مرتکب ہُوا ہے تو وہ اُس کے
سامنے انکار کر کے یہ کہے "میں نے چوری نہیں کی" حالانکہ
اُس نے کی ہے اور نہ کوئی بدی کی ہے ۔ حالانکہ اُس نے
کی ہے ۔ نبی نے یہ فرمایا جس سے کوئی شرمناک فعل سرزد
ہُوا وہ اُسے چھپالے کیونکہ ایک شرمناک فعل کو ظاہر کرنا

بھی شرمناک ہے۔ آدمی دوسروں کے گناہ کا بھی انکار کرے۔
بیویوں کے مابین صلح کرانا فرض ہے اگرچہ اُسے ان میں سے
ہر ایک کو یہ کہنا پڑے کہ وہ اُس کو سب سے زیادہ پیار کرتا
ہے اور اُس کو خوش کرنے کے لئے وعدے کرنے پڑیں ✣

جب سچ بولنے سے ناخوشگوار نتائج نکلتے ہوں تو جھوٹ
بولنا فرض ہے۔ اپنی خوشی کے لئے جھوٹ بولنا یا دولت کی
ترقی یا شہرت کے لئے جھوٹ بولنا منع ہے۔ ایک جورو
اپنے خاوند کے لئے جھوٹ نہ بولے تاکہ دوسری جورو کو چڑا نہ
بچوں کو پھسلا کر سکول بھیجنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ نیز جھوٹے
وعدے اور جھوٹی دھمکی دینا بھی" ✣

تعلیم و تربیت کے بارہ میں الغزالی نے جو کچھ بیان کیا اُس
سے اُس کی تعلیم کا ایک اور پہلو نظر آتا ہے۔ کتاب احیا (جلد سوم
صفحہ ۵۳) میں ایک خاص فصل ہے۔ جس میں بچوں کی تعلیم اور
اُن کی اخلاقی ترقی کا ذکر ہے۔ یہ جائے تعجب نہیں کہ لڑکیوں
کی تعلیم کے بارہ میں اُس نے کچھ نہیں لکھا کیونکہ بہت مسلمان
عُلما اب تک لڑکیوں کی تعلیم کو مناسب نہیں سمجھتے کہ وہ لکھنا
پڑھنا سیکھیں۔ اِس فصل کا شروع اِس طرح سے ہے:۔

"یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ لڑکوں کی تربیت کیسے
کریں۔ کیونکہ لڑکا اپنے باپ کے ہاتھوں میں ایک امانت ہے

اور اُس کا صاف دل ایک قیمتی جوہر ہے مثل اس تختی کے جس پر کچھ لکھا نہیں گیا۔
اس لئے وہ اس قابل ہے کہ جو کچھ اس پر لکھنا چاہو وہ لکھدو اگر وہ نیکی کرنا
سیکھتا ہے اور اُسے یہ سکھایا جاتا ہے اور اُس کا نشو و نما اُسی کے مُطابق
ہوتا ہے تو وہ اِس دُنیا میں اور اگلی دُنیا میں خوشحال ہے اور اُس کے والدین
اور اُستادوں کو اُس کی تعلیم کے لیئے اجر ملیگا لیکن اگر وہ بدی سیکھتا ہے اور
بے زبان مویشی کی طرح اُس کی طرف سے غفلت ہوتی ہے تو وہ صداقت سے وگردان
ہوکر تباہ ہوگا اور اُس کا گناہ اُس کے متولیوں کی گردن پر ہوگا۔
اللہ نے یہ فرمایا۔" اے ایماندارو اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت
آگ سے کرو۔ جیسے باپ اِس دنیا کی آگ سے اپنے بیٹے کی
حفاظت کرتا ہے تو کتنا زیادہ آئندہ جہاں کی آگ سے اُس کو
بچانے کی سعی کرنا چاہیئے؟ وہ یوں اس کی حفاظت کرسکتا ہے کہ
اُس کو تنبیہ کرے۔ اُسے تعلیم دے اور اعلےٰ نیکیاں اُسے سکھائے
اِس غرض کے حاصل کرنے کے لئے وہ اُسے کسی نیک دیندار
دایہ کے سپرد کریگا۔ جو مناسب غذا کھاتی ہے کیونکہ حرام غذا سے
جو دودھ پیدا ہوتا ہے۔ اُس میں کوئی برکت نہیں ہوتی "۔

پھر اُس نے یہ بیان کیا کہ لڑکے کی تربیت و تعلیم ان
امور پر مشتمل ہے۔ دسترخوان کے آداب سکھانا۔ حرام کھانوں
پُرخوری۔ اور بداخلاقی سے پرہیز کرنا۔ اُس نے والدین کو
یہ نصیحت دی کہ وہ بچوں کو قیمتی لباس نہ پہنائیں بلکہ سادہ لباس

چنانچہ اُس نے یہ لکھا :۔

"اِن باتوں کے سکھانے کے بعد اُسے ایسے سکول میں بھیجنا مناسب ہوگا جہاں وہ قرآن سیکھے اور احادیث کی تعلیم حاصل کرے اور صادقوں کی کہانیاں اور سوانحِ عمریاں سیکھے تاکہ دینداروں کی محبت اُس کے دِل پر نقش ہو جائے۔ گندہ نظم پڑھنے سے روکا جائے۔ اور ایسے تعلیم یافتہ لوگوں کی صحبت سے کنارے رہے جن کے زعم میں ایسی گمراہ کرنے والی نظم مفید اور ترقی بخش ہے۔ بلکہ برعکس اِس کے ایسی کتابوں سے بچہ کے دِل میں فساد کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ جب کبھی لڑکے میں کوئی خوبی نظر آئے یا اُس سے کوئی قابلِ تعریف فعل سرزد ہو تو اُس کی تعریف کی جائے اور اُس کو انعام دیا جائے تاکہ اُس کا دِل خوش ہو جائے اور خاص کر دوسروں کے سامنے ایسا کرنا مناسب ہے۔ اگر برعکس اِس کے ایک یا زیادہ بار اس کے برعکس فعل سرزد ہو تو اُس کو نظر انداز کریں اور نہ اُس کا قصور اُس کو جتائیں گویا تم یہ خیال کرتے ہو کہ کوئی شخص ایسے فعل کی جرأت نہ کریگا۔ خاص کر اِس وقت جب کہ لڑکا خود اُسے چھپاتا ہے اور چھپانے کا اُس نے عزم کر لیا ہے۔ کیونکہ اُس کا پردہ فاش کرنے سے آئندہ کو اُس کے ارتکاب میں زیادہ دلیر ہو جائیگا۔ اگر اُس سے بار بار وہ قصور سرزد ہو تو اُس کو پوشیدہ سزا دی جائے" +

یہ عجیب اخلاقی تعلیم ہے۔ اس میں نیک و بد نصیحت ملی ہوئی ہے اور یہ بھی ایسے شخص کی طرف سے جو اسلامی اخلاق میں اعلےٰ رکن اور بڑی سند مانا گیا۔ اسلامی علم ادب میں اور نیز الغزالی کی تصنیفات میں بیاہ شادی کے آداب کا بہت ذکر آیا ہے۔ ہر مسلمان کو بیاہ کرنے کی تاکید ہے اور تجرد کی تائید نہیں کی گئی۔ نبی محمد نے کہا "بیاہ میرا دستور ہے اور جو اسے ناپسند کرتا ہے وہ میری امت میں سے نہیں"۔ دوسری حدیث میں یہ لکھا ہے "بیاہ نصف حقیقی دین ہے"۔ مسلمان فقیروں کے فرقے کے لوگ بھی عموماً بیاہ کرتے ہیں۔ اس لئے صوفیوں میں تجرّد کے عہد کا کوئی ذکر پایا نہیں جاتا۔ اسلامی فقہ کے مطابق بیاہ ایک عہد نامہ ہے جس کے ذریعہ خاوند "جورو کا مالک بن جاتا ہے اور اُس سے حظ اُٹھانے کا مجاز ہے بشرطیکہ اِس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو" خود الغزالی نے یہ کہا "بیاہ ایک قسم کی غلامی ہے۔ کیونکہ جورو اپنے شوہر کی غلام بن جاتی ہے اور جورو کا فرض ہے کہ جو کچھ اُس کا شوہر کہے مطلقاً اُس کی اطاعت کرے بشرطیکہ وہ حکم اسلامی قوانین کے خلاف نہ ہو" ÷

جورو کے انتخاب کے لئے اُس نے عورت میں مفصلہ ذیل صفات دیکھنے کی ہدایت اپنے شاگردوں کو کی۔ (۱) دینداری (۲) نیک چلنی (۳) حُسن (۴) معمولی دہیز (۵) بچہ جننے کی قابلیت

(۶) کنوارا پن (۷) شریف خاندان (۸) قریبی رشتہ دار نہ ہو۔ احیا اور دوسری کتابوں میں الغزالی نے اُن فرائض کا ذکر کیا ہے جو شوہر کے جورو پر ہیں۔ اور جو رو کے شوہر پر ہیں۔ اِس تعلیم کے مطابق شوہر کا فرض ہے کہ بارہ امور میں اپنی جورو کے ساتھ حدِ اعتدال کو مدنظر رکھے۔ یعنی اِن امور میں نہ شفقت حد سے زیادہ ہو اور نہ سختی حد سے زیادہ ہو۔ (۱) بیاہ کی ضیافت (۲) سلوک (۳) لہو و لعب (۴) اپنی عزت کا پاس (۵) غیرت (۶) نفقہ وظیفہ (۷) تعلیم (۸) ہر جورو کو اُس کے حقوق دینا (اسلامی معنی میں) (۹) تنبیہ (۱۰) قوانین مباشرت (۱۱) زچگی (۱۲) طلاق۔ ایک مقام میں اُس نے یہ لکھا کہ اگر جورو نافرمان اور ضدی ہو۔ تو شوہر کو اُسے سزا دینے اور اطاعت کے لئے مجبور کرنے کا حق حاصل ہے لیکن وہ بتدریج اس سے کام لے۔ پہلے نصیحت کرے۔ تاکید کرے دھمکائے۔ تین دن تک اُس سے بات چیت نہ کرے۔ یہاں تک اُس کو زدو کوب کرے کہ اُسے درد محسوس ہو۔ لیکن اس کے چہرے پر زخم نہ آنے پائے نہ کثرت سے خون بہنے لگے نہ اُس کی ہڈی ٹوٹے۔ طلاق اور غلامی کے بارہ میں الغزالی کی تعلیم بالکل مسلمانی ہے اور بہت کچھ ترجمہ کے قابل بھی نہیں۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ دیگر مسلم عالمان فقہ کے ساتھ متفق الرائے ہے کہ مشت زنی اور بعض اوقات کے دیگر گناہوں کو معذور رکھے۔ بلکہ

یہاں تک اُس نے کہا کہ گناہ کبیرہ سے بچنے کے لئے اِن گناہوں کا ارتکاب فرض ہو جاتا ہے ٭

زن و مرد کے رشتے کے اِس اسلامی تصوّر کے باوجود بھی ہم الغزالی کی عزّت کرتے ہیں کیونکہ اُس نے جورو سے محبّت کا سلوک رکھنے کی تاکید کی اور طلاق کی خرابیاں ظاہر کیں۔ یہ معلوم کرنے کو توجی چاہتا ہے کہ آیا اس کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ آیا اس کی بیوی اُس کی قابل رفیق یا وُہ اُس کا قابل رفیق تھا۔ جنہوں نے اُس کی سوانح عمریاں لکھیں وہ اس امر میں خاموش ہیں ٭

"آدمی اپنی جورو سے سلوک کے ساتھ رہے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وُہ اُسے کبھی رنج نہ پہنچائے۔ لیکن اگر جورو سے کچھ تکلیف پہنچے۔ خواہ اس کی نادانی سے خواہ ناشکر گزاری سے۔ صبر سے اُس کی برداشت کرے۔ عورت کمزور مخلوق ہے اور پوشیدگی کی خواہاں۔ اِس لئے صبر سے اُس کی برداشت کرنی چاہئے اور اُس کو پردہ میں رکھیں۔ نبی نے یہ کہا "جو کوئی اپنی بیوی کی بدمزاجی کی برداشت صبر سے کرتا ہے اُس کو ایسا ثواب حاصل ہوگا جیسے ایوب کو اپنی مصیبتوں کی برداشت سے حاصل ہُوا تھا۔ بستر مرگ پر بھی وہ یہ کہتا سنا گیا "نماز میں لگے رہو۔ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری قیدی ہیں" ٭

داناؤں نے یہ کہا ہے "عورتوں سے مشورت کرو اور جو وہ صلاح دیں اُس کے خلاف عمل کرو"۔ الغرض عورتوں میں کچھ کجی پائی جاتی ہے اور اگر ان کو ذرا بھی آزادگی ملے تو وہ قبضے میں سے نکل جاتی ہیں اور ان کو قابو میں لانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اُن کے ساتھ برتاؤ کرنے میں سختی اور نرمی ۔ خاص کر نرمی ۔ دونوں چاہئے ۔ نبی نے یہ فرمایا "عورت کج پسلی سے بنائی گئی ۔ اگر تم اُس کو خم کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائیگی اگر تم اُس کو آزاد چھوڑ دوگے تو وہ زیادہ زیادہ کج ہوتی جائیگی اس لئے نرمی سے اُس کے ساتھ برتاؤ کرو"۔

" طلاق دینے میں نہایت ہی بڑی احتیاط کرنی چاہئے ۔ کیونکہ گو طلاق کی اجازت ہے تو بھی خدا اِسے ناپسند کرتا ہے ۔ کیونکہ عین یہ لفظ "طلاق" عورت کو رنج دیتا ہے اور کسی کو رنج دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جب طلاق کی اشد ضرورت پڑے تو طلاق کا فتوے ایک ہی وقت تین دفعہ نہ دیا جائے ۔ بلکہ تین مختلف موقعوں پر ۔ عورت کو شفقت کے ساتھ طلاق دے نہ غصے یا حقارت سے اور نہ بلا معقول وجہ کے ۔ طلاق کے بعد وہ اپنی پہلی بیوی کو کچھ تحفہ دے اور دوسروں سے یہ نہ کہے کہ فلاں فلاں قصور کے باعث اُسے طلاق دیا گیا ۔ کسی خاص شخص کا ذکر ہے جس نے طلاق کے

رلئے درخواست کی تھی کہ جب لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ تو کیوں
اُسے طلاق دے رہا ہے"؟ تو اُس نے جواب دیا کہ "میں اپنی
بیوی کا راز فاش نہ کرونگا" اور جب وہ طلاق دے چکا تو لوگوں
نے پھر اُس سے یہی سوال کیا اور اُس نے یہ جواب دیا کہ "اب
وہ میرے رلئے بیگانہ ہے اور مجھے اُس کے خانگی امور سے کچھ
واسطہ نہیں" +

زندگی کے سارے رشتوں - اِس کی عشرتوں اور فرائض
کا ذکر ادب کی کتابوں میں آیا ہے - ہر بیرونی فعل کی تفصیل
دی ہے اور ہر ایک کے سلئے نبی کے عمل کو نمونہ ٹھیرایا ہے -
مثلاً انار کو ٹھیک کیسے کھانا چاہیئے - کیسے حمام کرنا - کیسے
مسواک کرنا - یہودیوں اور عیسائیوں سے کیسے برتاؤ کرنا - یہ
ساری باتیں اسلامی علم اخلاق میں آئی ہیں - ناظرین کے سلئے
ایک مؤثر مثال پیش کرتے ہیں +

اُس کی تصنیف کیمیائے سعادت میں ایک باب رقص و سرود
کے بارہ میں ہے کہ وہ دینی زندگی میں ممد ہیں -

موسیقی سازوں کے مسئلہ پر الغزالی کے دنوں میں ویسی ہی
بحث ہوتی رہی جیسے آج کل اُن مسیحیوں کے درمیان ہے - جن
کو اندیشہ ہے کہ بیبٹوں کی آوازوں سے خدا کے گھر کی تحقیر
ہوتی ہے - عُلمائے دین میں اِس پر بہت بحث رہی کہ دینی

ریاضتوں میں رقص و سرود سے کیا مدد مل سکتی ہے۔ مفصلہ ذیل عبارت سے الغزالی کی عقل سلیم اور ظرافت طبع کا ثبوت ملتا ہے اور ساتھ ہی اُس کے مشتبہ نتیجہ کا۔ کیونکہ وہ ایسی عشقیہ نظم کو بھی جائز ٹھیراتا ہے جو خدا کے جلال کے لئے گائی جائے ؛

"قادر مطلق خدا نے انسان کا دل چقماق کے پتھر کی طرح ساخت کیا ہے اِس میں آگ پوشیدہ ہے جو سرود اور الحان کے ذریعہ بھڑک اٹھتی ہے اور انسان کو بیخودی کی حالت میں ڈال دیتا ہے ۔ یہ الحان حسن کے اُس جہان کی صدائیں ہیں جسے ہم عالم ارواح کہتے ہیں یہ آدمی کو یاد دلاتی ہیں کہ اُس کا رشتہ اُس عالم سے ہے اور اُس میں ایسا گہرا جذبہ پیدا کرتی ہیں کہ وہ خود اُس کی تشریح میں قاصر ہے۔ رقص و سرود کا اثر اُسی نسبت سے گہرا ہوتا ہے جس قدر کہ سُننے والے کا دِل سادہ اور قابل اثر ہوتا ہے۔ دِل میں جو محبت چھپی ہوتی ہے وہ اِس کے ذریعے مشتعل ہو جاتی ہے ۔ خواہ یہ آگ خاکی اور نفسانی ہو خواہ الٰہی و روحانی" ؛

پھر ایسے امور کا ذکر کیا جہاں رقص و سرود کے ذریعے دِل میں مخفی بد خواہشات مشتعل ہو گئیں اور پھر ان امور کا جو بالکل جائز تھیں حاجیوں میں سے ایسے شخص ہیں جو مکہ میں بیت اللہ کی تعریف کے گیت گایا کرتے ہیں اور دوسروں کو حج پر جانے کی ترغیب دیتے ہیں اور ایسے مطربوں کا ذکر کیا جن کے گانے بجانے سے

اُن کے سامعین کے سینہ میں جنگی جوش پیدا ہوتا ہے اور سامعین کو کافروں کے ساتھ جنگ کرنے پر اُکساتے ہیں۔ ویسا ہی ماتمی موسیقی جس کے ذریعہ دینی زندگی میں گناہ اور قصور کے لئے غم پیدا ہو وہ جائز ہے۔ داؤد کا موسیقی اِس قسم کا تھا۔ لیکن جن مرثیوں کے ذریعہ مُردوں کے لئے غم افزود ہو وہ جائز نہیں کیونکہ قرآن میں یوں لکھا ہے "جو کچھ تم سے کھو گیا اُس پر مایوس نہ ہو" برعکس اِس کے بیاہ شادی کی تقریب پر اور ختنہ اور سفر سے واپس آنے کے موقعوں پر خوشی کا گانا بجانا جائز ہے۔

جس حالت بیخودی اور وجد میں صوفی صاحبان پڑتے ہیں وہ اُن کے جذبات کے مطابق مختلف درجہ کی ہوتی ہے۔ مثلاً محبت خوف۔ آرزو۔ توبہ وغیرہ۔ جیسا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ایسی حالتیں نہ صرف قرآن کی آیات سُننے کا نتیجہ ہیں بلکہ کافیاں سُننے کا۔ بعضوں نے تو ایسے موقعوں پر نظم اور قرآن کو الحان کے ساتھ پڑھنے پر بھی اعتراض کیا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ قرآن کی ساری آیات ایسے جذبات مشتعل کرنے کے قابل نہیں مثلاً قرآن کا یہ حکم کہ آدمی اپنی والدہ کے لئے اپنی جائداد کا چھٹا حصہ چھوڑے اپنی ہمشیرہ کے لئے آدھا یا یہ حکم کہ بیوہ دوسری شادی کرنے سے پیشتر اپنے خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ تک انتظار کرے۔ جن لوگوں میں ایسی آیات کے سُننے سے حالت وجد پیدا ہو وہ

شاذو نادر ہیں"۔ بیشک۔

الغزالی کی تصنیفات کے پڑھنے سے اُس کے نقیض اور ضدین بیانات پر تعجب آتا ہے بعض اوقات تو وہ ہمیں ایسی بلند چوٹیوں پر لیجاتا ہے۔ جن پر آسمان کے نور کی جھلک پڑ رہی ہے یعنی توحید کی اعلےٰ تعلیم۔ اور ابدیت کے تصوّرات۔ اور پھر وہ ہمیں نفسانیت اور دنیوی جھگڑوں کے دَلدل میں جھونک دیتا ہے۔ یہ خیالات اُس کی قلم کے شایاں نہ تھے +

ہم پہاڑ کی بلند چوٹی پر جائیں جہاں ہوا زیادہ صحت بخش ہے۔ دوسرے امور میں الغزالی کا خواہ کچھ ہی قصور ہو لیکن اسلامی نقطہ خیال سے تحصیل اخلاق کے لئے اُسے اعلےٰ تصور حاصل تھے۔ کیمیائے سعادت میں اُس نے یہ لکھا "جب پرہیزگاری کی صلیب پر روح شہوات نفسانی سے پاک ہوجاتی ہے تو وہ بلند چوٹی پر جاپہنچتی ہے۔ اور شہوت وغضب کا شکار ہونے کی بجائے وہ صفات ملکوتی سے ملبس ہوجاتی ہے۔ اُس حالت کو حاصل کرکے آدمی اُس ازلی ابدی حُسن کے دھیان میں آسمان میں پہنچ جاتا ہے اور جسمانی خوشیوں کے جہان سے نکل جاتا ہے۔ جو روحانی کیمیا آدمی میں یہ تبدیلی پیدا کرتی ہے ویسی ہی ہے جیسے کسی بوٹی کے ذریعہ تانبا سونا بن جاتا ہے۔ وہ آسانی سے حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہر ایک بڑھیا کے گھر میں دستیاب ہوتی ہے" +

اور اس اعلےٰ تصور کی تحصیل میں اُسے یقین ہے کہ اُسے
جنگ کرنا پڑیگا - آسان منزلوں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا -
جذبات نفسانی کے ساتھ جنگ حقیقی ہے اور بہت قربانی مطلوب
ہے - اِس جنگ مقدس کی تصویر اُس نے تقریباً ویسی ہی کھینچی
ہے جیسی جان بنین صاحب نے - "اِس روحانی جنگ کے جاری
رکھنے کے لئے جس کے ذریعہ اپنا اور خدا کا عرفان حاصل ہوتا
ہے بدن کو ایک سلطنت سے تشبیہ دے سکتے ہیں روح اُس کا
بادشاہ ہے اور مختلف حواس اور قوائے اُس کی فوج ہیں - عقل
اُس کی وزیر ہے - جذبہ اس کا محصل اور غصہ اُس کا کوتوال -
خراج جمع کرنے کے بھیس ہیں - جذبہ ہمیشہ اپنی طرف سے لُوٹ مار
پر تُلا رہتا ہے اور خفگی ہمیشہ سختی اور تشدد پر مائل ہے - یہ
دونوں یعنی محصل اور کوتوال بادشاہ کے قابو میں رہنے چاہئے -
لیکن اُن کو قتل یا خارج کرنا درست نہیں کیونکہ اُن کے بھی فرائض
منصبی تکمیل کے لئے ہیں - لیکن اگر جذبہ اور غصہ عقل پر غلبہ حاصل
کریں تو اس کا لازمی نتیجہ روح کی بربادی ہوگا - جو روح اپنے اونٰے
قوائے کو اعلےٰ قوائے پر غالب ہونے دیتی ہے وہ اُس شخص
کی مانند ہے جو فرشتے کو کُتّے کے اختیار میں رکھ دے یا مسلمان
کو بے ایمان کے ظلم کے حوالے کرے" +
اِس لئے یہ جنگ جسم اور روح کے درمیان ہے - مقدس

پولس کی طرح الغزالی کا بھی یہ تجربہ ہُوا ہو گا "جس نیکی کا ارادہ کرتا ہوں وہ تو نہیں کرتا۔ مگر جس بدی کا ارادہ نہیں کرتا اُسے کر لیتا ہوں" اعلےٰ اور ادنےٰ ذاتوں کے درمیان جو اندرونی جنگ ہے وہ اُس سے واقف تھا۔ بار بار اُس نے بدن اور روح کا مقابلہ کیا اور بتایا کہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی جد و جہد میں رہے ۔ دونوں خدا کی طرف سے ہیں ۔ اور اُس کی طرف سے انعام ہیں ۔ دونوں کے ذریعہ خدا کی حکمت اور قدرت ظاہر ہوتی ہے لیکن اُن کی حقیقی قدر و قیمت میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

"بدن تو روح کی سواری کا صرف مرکب ہے ۔ مرکب تو فنا ہو جاتا ہے روح باقی رہتی ہے ۔ روح بدن کی خبر گیری کرے جیسے حاجی مکہ کی طرف سفر کرتے ہوئے اپنے اونٹ کی خبر گیری کرتا ہے ۔ لیکن اگر حاجی اپنا سارا وقت اُس حیوان کے کھلانے پلانے میں صرف کرے تو وہ کارواں کے پیچھے رہ جائیگا اور بیابان میں فنا ہو گا" ۔

چار بڑی نیکیاں ۔ جو دیگر سب صفات کی ماں ہیں ۔ بقول الغزالی یہ ہیں "حکمت ۔ پرہیزگاری ۔ شجاعت ۔ اعتدال (یعنی حدّ اوسط)" یہ تقسیم اُس نے افلاطون سے لی اور ایسا ہی بہت کچھ چال چلن کے بارے میں ۔ اِن سب کی تشریح اُس نے قرآن کے الفاظ میں کی ہے اور محمد کی زندگی اور اسلام کے پہلے بزرگوں اور مابعد صوفیہ کرام کی

زندگیوں سے اُن کو واضح کیا +

بدیوں اور ان کی ضد نیکیوں کا ذکر کرنے میں
اُس نے کمال کیا - غرور اور فخر کا جو بیان اُس نے لکھا اُس
کو پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُس نے اپنے تجربہ کا بیان کیا
ہے "جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی غرور ہو وہ بہشت
میں کبھی داخل نہ ہوگا" اور اُس کا دوسرا قول یہ ہے "خدا تعالےٰ
نے فرمایا "غرور میرا چوغہ ہے اور عظمت میرا لبادہ اور جو کوئی
ان میں سے کسی کو مجھ سے چھین لیتا ہے میں اُسے دوزخ میں
ڈالونگا اور میں کچھ پرواہ نہ کرونگا" - ایک دوسرا قول جو محمد صاحب
سے منسوب ہے اور غالباً انجیل سے لیا گیا یہ ہے "جو کوئی خدا کے
سامنے اپنے آپ کو فروتن کرتا ہے - خدا اُسے سرافراز کریگا اور جو
کوئی مغرور ہے اُس کو وہ پست کریگا" - فروتنی کی جو تعریف
اُس نے کی وہ بھی احسن ہے "حقیقی فروتنی صداقت کے تابع
ہو گی اور اگر ایک بازاری لڑکا بھی اِس کی غلطی نکالے تو اُسے
قبول کرے" - اِس قرینہ میں اُس نے یسوع کا ایک قول بھی
نقل کیا - "مسیح نے کہا (سلمہ اللہ تعالےٰ) "وہ شخص مبارک
ہے جسے خدا نے اپنی کتاب سکھائی وہ کبھی اپنے غرور میں نہ مریگا +
غرور کا مختلف طریقوں سے بیان کیا - الغزالی نے علم کا -
عبادت کا - قوم کا - خاندان کا - حُسن کا - لباس کا - دولت کا -

جسمانی طاقت کا۔ پیشوائی کا غرور بتایا۔ اُس نے محمد صاحب کو فروتنی کا نمونہ ٹھیرایا اور نیز ابو سعید خودری کو جس نے کہا "اے میرے بیٹے خدا کے لئے کھا۔ خدا کے لئے پی۔ خدا کے لئے کپڑا پہن لیکن اِن میں سے جو کچھ تو کرتا ہے اگر اُس میں تکبر کا یا ریا کاری کا دخل ہو تو وہ نافرمانی میں شمار ہوگا۔ جو کچھ تو اپنے گھر میں کرے تو ایسا ہی کر جیسا رسول خدا نے کیا۔ کیونکہ وہ بکریوں کو دوہتے اور اپنی جوتیوں کی مرمت کرتے اور اپنے چوغہ کو سیتے۔ اور اپنے نوکروں کے ساتھ کھاتے۔ بازار میں سودا خرید تے تھے نہ اُن کے فخر نے اُن کو اپنا بوجھ اُٹھا کر گھر لے جانے سے روکا۔ وہ امیر اور غریب دونوں کو دوست رکھتے اور جب کوئی اُن کو راہ میں ملتا تو وہ سب سے پہلے خود سلام کرتے وغیرہ"۔

یہ قابل غور ہے کہ جہاں اُس نے اپنی اعلےٰ اخلاقی تعلیم کا ذکر کیا اُس نے اپنے بیان کا حصر مسیح کے اقوال (یا نوکر فل اقوال) پر رکھا۔ جن کو ہم نے آخری باب میں دیا ہے۔ الغزالی نے محمد میں اپنے دِل کے اعلےٰ تصورات کی تکمیل پانے کی کوشش تو بہت کی لیکن ناکام رہا۔ اسلام کا یہ افسوسناک انجام ہے۔

الغزالی بحیثیت صوفی

جارج ٹیرل (George Tyrrel) نے تصوف کی یہ تشریح کی ہے :- "تصوف ایک دین ہے اور دینی مذاق کے لوگوں کے لئے پناہ ہے جنہیں یہ ممکن نہیں ہوتا کہ بیرونی سند پر حصر رکھیں"۔ مکاشفہ سے روگردان ہونے پر یا تو تصوف کو چننا پڑیگا یا معقول پسندی (Rationalisin) کو۔ یہ تو سچ ہے کہ ان امور میں یا انتخاب کی بات تو نہیں جیسا کہ ان دونوں فریق میں سے متعصب اصحاب کا گمان ہے ۔ اِن دونوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ بہت کچھ آدمی کے اپنے مزاج پر موقوف ہے یا شاید یہ کہیں کہ درجۂ حرارت پر صوفی تو گرم ہوتا جاتا ہے اور معقول پسند (Rationalistic) ٹھنڈا پڑتا جاتا ہے ۔ معقول پسند کو ذرا گرما دو تو وہ ضرور صوفی بن جائیگا ۔ اور صوفی کو ذرا ٹھنڈا کر دو تو وہ معقول پسند ہی باقی رہ جائیگا ۔ خیال کی تاریخ نے بار بار اِس کی تشریح کر دی کہ کیسی آسانی سے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو سکتے ہیں ۔ ہر ایک کا مرکز وہ خود ہی ہے اور انسانی انانیت ایسی بڑی نہیں جو اتنا بڑا

فرق پیدا کردے جہاں تم اپنا مرکز اپنے اندر ہی پاتے ہو۔ تو
بھی چونکہ تصوف آدمی کو گرما دیتا ہے اس لئے اس کی بے
مرکزی حالت دینی مذاق کے اشخاص کے لئے زیادہ دلکش
ہے" +

Benjamin B. Warfield in the
Princeton Theological Review

اسلام میں سب سے قدیم صوفیوں میں سے ایک خاتون ربعہ
نام تھی جو یروسلم میں مدفون ہے۔ اس کا اصل وطن بصرہ تھا۔ اور
اس نے اسلام کی دوسری صدی میں بمقام یروسلم وفات پائی۔
ابن خلیقان کے بیان کے مطابق وسطی زمانوں میں اس کی قبر کی زیارت
کے لئے لوگ جایا کرتے تھے اور غالباً العزالی نے بھی اس کی زیارت
کی۔ اُسکے چند شعر کتاب احیا میں منقول ہوئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے

"میں دو طریقوں سے تجھے پیار کرتی ہوں ایک تو مجازی اُس
کا بھی تو مستحق ہے یہ مجازی محبت ہے کہ ہر خیال کے ساتھ میں
سوائے تیرے اور کسی کا خیال نہیں کرتی۔ خالص پاک محبت
وہ ہے جب تو میری مداح نگاہ کے آگے حجاب کو اُٹھا دیتا
ہے +

نہ اِس میں اور نہ اُس میں میری کوئی تعریف ہے +
میں یہ جانتی ہوں کہ دونوں میں تیری محبت ہے" +

یہ نام صوفی مسلمانوں میں ابو خیر کے وسیلے آیا جو دوسری صدی ہجری کے آخر میں زندہ تھا۔ اس کے شاگرد صوف کا لباس پہنا کرتے تھے اور اسی لئے اُن کا نام صوفی ہؤا۔ اس سے مابعد صدی میں اَل جُنید جس کو الغزالی نے بڑی سند مانا (۲۹۷ھ) اس تحریک کا بڑا پیشوا تھا اور یہ تحریک اسلام میں بہت پھیل گئی۔ اسلامی مجرد توحید اور رسم پرستی سے تنگ آکر لوگوں نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ کیونکہ جن مشرقی قوموں نے اسلام کو قبول کیا ان کے دلوں کو اسلام کی ایسی تعلیم سے تشفی نہ ہوئی۔ اس نئی تعلیم کے واعظ جابجا گئے اور ہر قسم کے لوگوں سے ملے۔ اس طریقے سے اُنہوں نے بہت چشموں سے خیالات حاصل کئے۔ اگرچہ وہ ہمیشہ یہ اقرار کرتے تھے کہ اُن کی تعلیم کا حصر قرآن اور حدیث پر تھا۔

نکلسن صاحب کا خیال ہے کہ مسلمان صوفیوں نے نہ صرف مسیحی دین اور نئی افلاطونی تعلیم سے بہت خیالات لئے بلکہ گناسٹک (Gnostic) اور بدھ مذہب سے بھی۔ انجیل کی بہت آیات اور یسوع کے اقوال (جو اکثر اپوکرفل کتابوں سے لئے گئے) قدیم صوفی کتابوں میں منقول ہیں۔ مسیحیوں سے اُنہوں نے صوف پوشی۔ عہد خاموشی۔ اور ذکر (لتانیہ) کو لیا اور نیز دیگر ریاضت کے طریقے۔ اُن کی تعلیم میں بہت باتیں

مسیحیوں کے خیالات کے مشابہ ہیں۔ نکلسن صاحب کا بیان ہے۔ کہ "مقدس یوحنا اور مقدس پولس اور دیگر مسیحی صوفیوں نے مسیح کے بارہ میں جو خیالات ظاہر کئے وہ مسلمان صوفیوں نے بانی اسلام سے منسوب کئے۔ چنانچہ محمد نور خدا کہلایا اور کہ وہ دنیا کی خلقت سے پہلے موجود تھا وہ ساری زندگی کا چشمہ قرار دیا (خواہ وہ زندگی بالفعل ہو یا بالقوہ) گیا وہ انسان کامل کہلایا جس میں ساری الہٰی صفات کا ظہور ہوا۔ اور ایک صوفی حدیث میں محمد صاحب کا قول آیا ہے کہ "جس نے مجھے دیکھا اُس نے خدا کو دیکھا"۔ مگر اسلامی تعلیم میں کلام خدا (لوگاس) کا مسئلہ کچھ ادنیٰ درجہ کا ٹھیرا۔ اور یہ عیاں ہے کہ جب انسان کا فرض کلی یہ سمجھ لیا گیا کہ خدا کی وحدت کا یقین حاصل ہو۔ کلام خدا کا مسئلہ مقدم نہ سمجھا جائیگا"۔

نو افلاطونی تعلیم سے مسئلہ صدور اور وجد کو لیا۔ ستر ہزار حجابوں کی تعلیم کا مسئلہ جس کی تشریح ایک درویش نے کینن گارڈنر۔ (Canon Gairdner) سے کی۔ گناسٹک تعلیم کا خاص سُراغ دیتا ہے "ستر ہزار حجاب اللہ کو جو واجب الوجود ہستی ہے عالم مادہ اور عالم حواس سے جدا کرتے ہیں۔ اور ہر روح اپنی پیدائش سے پیشتر ان ستر ہزار میں سے گذرتی ہے۔ ان میں سے باطنی نصف تو نور کے حجاب ہیں۔ دیگر ظاہری نصف تاریکی کے

حجاب - پیدائش کی طرف آتے وقت نور کے جس جس حجاب سے روح گزرتی جاتی ہے اُس کی ایک ایک الہٰی صفت دور ہوتی جاتی ہے اور تاریکی کے حجابوں میں سے گزرتے وقت روح سفلی صفات کو پہنچتی جاتی ہے - اِس لئے بچہ روتا ہوا پیدا ہوتا ہے - کیونکہ روح اللہ واحد حقیقی سے جدا ہونے کو محسوس کرتی ہے اور جب بچہ خواب میں روتا ہے تو اُسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ روح کو یاد آتا ہے کہ اُس نے کیا کچھ کھو دیا۔ اِن حجابوں میں سے گزرتے وقت روح کو نسیان کی صفت حاصل ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام انسان ہوا اب وہ گویا بدن میں مقید ہے اور اِن موٹے پردوں کے ذریعہ اللہ سے جدا ہے - لیکن تصوّف کی علت غائی یا درویش کا طریقہ یہ ہے کہ روح اس قید میں سے رہائی پائے ان ستر ہزار حجابوں میں سے نکل جائے اور اِس بدن میں رہتے ہوئے واحد حقیقی سے پھر وصل حاصل کرے +

رہا بدھ مذہب کی تاثیر کا - پروفیسر گولڈزیہر (Goldziher) نے اِس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ گیارھویں صدی میں بدھ مذہب کی تعلیم نے مشرقی فارس خاص کر بلخ میں جہاں بہت صوفی رہتے تھے بڑا اثر کیا - بدھ مذہب والوں سے تسبیح کا استعمال آیا اور شاید فنا کا یا خدا میں محو ہونے کا مسئلہ بھی +

بقول نکلسن اگرچہ فنا کا ہمہ اوستی مسئلہ نروان کے مسئلہ سے بالکل مختلف ہے تو بھی جو الفاظ اُن کے لئے مستعمل ہوئے

ہیں وہ ایسے مشابہ ہیں کہ ہم اِن دونوں کو کلیہ طور پر ایک دوسرے سے خارج نہیں کر سکتے۔ مسئلہ فنا کا ایک اخلاقی پہلو ہے۔ یہ سارے جذبات اور تمناؤں کے عدم پر مشتمل ہے۔ صفات قبیحہ اور بداعمال جو اُن سے پیدا ہوتے ہیں وہ صفات حسنہ اور اعمال حسنہ میں قائم رہنے سے دور ہو جاتے ہیں"۔ صوفی معنی ہیں خدا پر دھیان لگانے سے سیرت کی تربیت حاصل کرنا اُن کی منزل مقصود ہے۔ خدا کو جاننا اُس کی مانند ہونا ہے اور اُس کی مانند ہونے کا کمال محو ہے۔ یا حالت وجد ہے۔ اُن کا ایک مشہور قول یہ تھا جو اُن کے نبی نے خدا سے منسوب کیا "میں چھپا خزانہ تھا اور میں نے چاہا کہ میں معلوم ہو جاؤں۔ اِس لئے میں نے خلقت پیدا کی تاکہ میں معلوم ہو جاؤں"۔ جیسے عالم خدا کی ہستی کا آئینہ ہے ویسا ہی صوفیوں کے نزدیک انسان کا دِل عالم کا آئینہ ہے۔ اگر انسان خدا کو باصداقت کو جاننا چاہے تو اپنے دِل میں نظر ڈالے +

خود الغزالی نے یہ دیکھا "جس مقصد کو صوفی مد نظر رکھتا ہے اُس کا یہ بیان ہے:۔ روح کو جذبات کے ظالمانہ جوئے سے چھڑانا۔ اُس کی ناروا رغبتوں اور بد خیالوں سے مخلصی دینا تاکہ پاک شدہ دِل میں خدا کے لئے اور اُس کے مقدس نام کے ذکر کے لئے ہی جگہ باقی رہے +

"چونکہ اُن کی تعلیم پر عمل کرنے کی نسبت اس تعلیم کا سیکھنا

آسان تھا اِس لئے جن کتابوں میں اُن کی تعلیم پائی جاتی تھی میں نے پہلے اُنہیں کا مطالعہ کیا۔ مثلاً ابو طالب مکی کی کتاب دلوں کی غذا۔ حارث اَل محبسی کی تصنیفات۔ اور جنید۔ شبلی۔ ابو یزید بسطانی۔ اور دیگر علما کی (خدا ان روحوں کو پاک کرے) کتابوں کو پڑھا۔ اُن کے معلومات کا میں نے کامل علم حاصل کیا اور مطالعہ اور زبانی تعلیم کے طریقوں کو جہاں تک ممکن تھا۔ میں نے سیکھا اور یہ صاف ظاہر ہوگیا کہ محض تعلیم کے ذریعہ آخری منزل تک نہیں پہنچ سکتے بلکہ محویت اور وجد کے اور باطنی انسانیت کی کامل تبدیلی کے ذریعہ (صفحہ ۴۱ - اقرارات)

"صوفیوں کی تعلیم میں یہ امر بھی داخل ہے کہ محمد النبیؐ نور کی ذات میں بنائے عالم سے پیشتر موجود تھا۔ احادیث کے مطابق جس وقت آدمی خاک و گل کے درمیان تھا اُس وقت میں نبی تھا۔ اور مجھ سے بعد کوئی نبی نہیں۔ صوفیوں کی یہ تعلیم ہے کہ محمد خلقت سے پیشتر بھی نبی تھا اور وہ اب تک نبی ہے۔ چونکہ محمد کو عنصر اولی کہا اِس لئے اُس کو بعض نام اِسی لحاظ سے دیئے گئے۔ مثلاً عقل کل۔ روحِ العظیم۔ صدق الانسان۔ صاحب شعاع نور۔ نور محمدی۔ خدا کے جلال ہی سے"+

صوفیوں کی ساری تعلیم و عمل کا مقصود یہ ہے کہ خدا میں محو ہوجائے یا اُس کے ساتھ وصل حاصل کرے۔ نفس کی کلی

نفی کے ذریعہ صداقت کی تحصیل کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ خدا کی
طرف اس سفر کی منزلیں ہیں جن کا شمار عموماً آٹھ بتایا جاتا ہے
مثلاً عبادت۔ محبّت۔ نفی۔ عرفان۔ وجد۔ صدق۔ وصل۔
فنا۔ بعض صوفیوں نے بیرونی مذہب کو بالکل بالائے طاق رکھ
دیا اور رسمی اور اخلاقی شریعت کی طرف سے بالکل لاپروائی کی۔
لیکن الغزالی ایسے زمرہ میں سے تھا بلکہ اُس نے یہ تعلیم دی کہ عام
عالم شرع صوفی طریقہ میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اب تک مسائل
کا غلام ہے اور تاریکی میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج مع
سارے لوازمات کے اور اُن کے بجالانے کی رسوم کے دُہرے معنی
ہیں۔ ایک ظاہری اور رسمی جسے عوام الناس سمجھ سکتے ہیں اور ایک
حقیقی روحانی معنی۔ جسے صرف وُہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اپنے
تئیں بالکل خدا کے سپرد کرتے ہیں ÷

الغزالی کو تصوف کے خطرات کا کُلی علم تھا ایک طرف تو وہ
ہمہ اوست کی طرف لے جاتا ہے اور دوسری طرف بے شرعی کی
طرف۔ اُس نے معلوم کر لیا کہ اخلاق و دین کو جدا کرنا ہولناک
تھا۔ اِس لئے عمرِ خیام کے اِن شعروں سے اُسے صدمہ پہنچا ہوگا

"اے خیام تم اپنی خراب زندگی پر کیوں روتے ہو
ایسی گریہ وزاری سے کیا فائدہ۔ بلکہ خوش ہو۔ جو
گناہ نہیں کرتا وہ رحمت کا مستحق نہیں کیونکہ رحم تو

گنہگاروں کے لئے بنا ہے - غم نہ کھا"*

گناہ اور توبہ کے بارہ میں اُس کی تعلیم زیادہ تر
اصولی تھی جیسا کہ بعد میں ذکر ہو گا -

قدیم زمانے سے ہمہ اوستی تصوف نے خراسان میں مسلمانوں کے درمیان اپنا مسکن بنایا - اوتار کا قدیم تصور پھر پیدا ہوا جب اہل شیعہ نے اپنے تئیں الگ گروہ بنایا اور علیؑ کی ایسی اعلےٰ عزت کرنے لگے - خطائیہ فرقہ نے امام جعفر صادق کی پرستش خدا سمجھ کر کی - بعضوں کی یہ تعلیم تھی کہ روح الٰہی - عبد اللہ ابن عمر پر نازل ہوئی - خراسان میں اِس رائے نے بہت رواج پکڑا کہ ابو مسلم - (جس بڑے سرلشکر نے عمیہ خاندان کو پامال کر کے عباسیہ خاندان کو قائم کیا) وہ روح خدا کا اوتار تھا - اُسی علاقہ میں المنصور کے عہد سلطنت میں جو عباسیہ خاندان کا دوسرا خلیفہ تھا ایک دینی پیشوا اُستاسی (Ostaays) نامی نے دعوےٰ کیا کہ میں الوہیت کا صدور ہوں - ہزارہا اُس کے پیرو ہو گئے اور بہت جنگ و جدل کے بعد یہ تحریک دبائی گئی - خلیفہ مہدی کے زمانہ میں ایک شخص عطا نامی نے اپنے تئیں اوتار مشہور کیا چونکہ وہ اپنے مُنہ پر برابر سنہری برقع رکھا کرتا تھا اِس لئے اس کا نام مقنّع یا "حجاب پوش نبی" پڑ گیا - اُس کے بھی بہت لوگ پیرو ہو گئے اور کئی سالوں تک خلیفہ کے لشکروں کا مقابلہ کرتا رہا - لیکن ۷۷۹ھ

میں وہ اپنے قلعہ میں گِھر گیا اور اس پر اُس نے ۔ اُس کے خادموں نے اور اُس کے حرموں نے خودکشی کر کے اپنا کام تمام کیا ؎

الغزالی کی اپنی تصنیف سے پتہ لگتا ہے کہ صوفیوں کے اِن خیالات اور تصوف کے اِس قسم کے خطرہ کے بارہ میں اُس کی اپنی رائے کیا تھی ۔ "صوفیوں کے قیاسات کو دو قسموں پر منقسم کر سکتے ہیں ۔ پہلے حصّے میں خدا کی محبت اور اُس کے ساتھ وصل کے متعلق سارے امور داخل ہیں ۔ اور اُن کے نزدیک اُن سے سارے بیرونی کاموں کی تلافی ہوتی ہے ۔ اُن میں سے بعض کا تو یہ دعوےٰ ہے کہ اُن کو خدا کے ساتھ کامل اتحاد حاصل ہو گیا ہے اور اُن کے لئے وہ حجاب بالکل اُٹھ گیا ہے اور کہ اُنہوں نے خدا تعالےٰ کو نہ صرف اِن آنکھوں سے دیکھ لیا ہے بلکہ اُس کے ساتھ کلام کیا ہے اور وہ یہ کہنے کو تیّار تھے کہ "خدا تعالےٰ نے یہ کلام ہم سے کیا" ۔ وہ حلاّج کی تقلید کرنا چاہتے تھے جو ایسے الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے دار پر کھینچا گیا تھا ۔ اور اُس کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے "۔ انا الحق" ۔ وہ ابو یزید بسطامی کا بھی حوالہ دیتے تھے جس نے یہ کہا تھا ۔ "میری حمد ہو" بجاے اس کے کہ "خدا کی حمد ہو" عوام الناس کے لئے ایسا قیاس نہایت ہی خطرناک ہے اور یہ مشہور ہے کہ بہت اصحاب حرفہ نے اپنے پیشہ کو چھوڑا اور اِس قسم

کے الفاظ استعمال کئے۔ ایسے منقولات بہت مانوس تھے کیونکہ اِن
کے ذریعہ وہ محنت کے کام کو چھوڑ کر خفی وجد اور محویت کے وسیلے
اپنی روح کو صاف کرنے کی امید رکھتے تھے۔ عوام الناس اپنے
لئے ایسے حقوق کا دعوے کرنے میں پیچھے نہیں رہتے اور دیوانہ
وار الفاظ زبان سے نکالنے لگتے ہیں۔ صوفی قیاس کی دوسری
قسم میں بے معنی جملوں کا استعمال ہوتا ہے جن کے ذریعہ عوام
کی توجہ اُن کی طرف منعطف ہونے لگتی ہے لیکن جب گہری
نظر سے اُن کو پرکھا جائے تو حقیقی معنی سے وہ بالکل معرّا نکلتے
ہیں" ؂

نہ صرف الغزالی نے ہمہ اوست کے خطرہ کو سمجھا بلکہ اُسے
یہ بھی معلوم تھا کہ اِس قسم کا دینی جوش سخت ریاکاری کی طرف لے
جاتا ہے۔ کتاب احیا میں اُس نے بیان کیا کہ "نبی نے حکم
دیا کہ قرآن کو پڑھا جاتا سُن کر جس کے آنسو نہ نکل آئیں وہ
رونے اور گہرے مؤثر ہونے کا دکھاوا تو دکھائے"۔ کیونکہ الغزالی
نے دانائی سے یہ کہا "اِن معاملات میں آدمی مجبوری سے شروع
کرتا ہے لیکن پیچھے وہ آدمی کی عادت ہو جاتے ہیں"۔ علاوہ
ازیں چونکہ دینی جوش دِلی سرگرمی اور نہایت دینداری کا نشان
سمجھا جانے لگا اِس لئے ایسے لوگوں کا شمار بڑھ گیا جو روحانی
تنویر کے مدعی تھے۔ کافیوں کے سُننے سے جو وجد کی حالت

پیدا ہوتی ہے اُس کی چار قسمیں بنائی گئی ہیں۔ اوّل جو سب سے ادنیٰ ہے وہ سادہ احساسی حظ ہے۔ دوسری قسم وہ سرود کا حظ اور الفاظ کے ادراک کا حظ ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں الفاظ کے معنوں کو انسان اور خدا کے درمیان رشتوں پر عائد کرتے ہیں اور جو لوگ تصوف میں بتدی ہوتے ہیں وہ اِس قسم میں داخل ہیں۔ پھر اُس نے یہ کہا "اُس نے اپنے لئے منزل مقصود کو مد نظر رکھ لیا ہے اور یہ منزل مقصود عرفان الٰہی ہے۔ اس کو ملنا اور خفی ذکر کے ذریعہ اُس سے اتحاد پیدا کرنا اور جو حجاب اُسے چھپائے ہے اُسے دُور کرنا۔ اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صوفی ایک خاص طریقے پر عمل کرتے ہیں وہ چند ریاضتیں عمل میں لاتا ہے اور اِس طریقے سے بعض روحانی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ جب کافیوں کے گائے جانے کے وقت صوفی الزام یا تعریف۔ مقبولیت اور مردودیت۔ محبوب سے وصل و ہجر۔ کسی کے انتقال پر ماتم یا نگاہ معشوق کی آرزو کا ذکر سنتا ہے اور عربی نظم میں اس کا بارہا ذکر آتا ہے۔ اور اِن امور میں سے کسی ایک کو اپنی حالت کے مطابق پاتا ہے تو اُس پر ایسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے آتش کا ہیزم پر۔ اور اُس کا دل شعلہ زن ہو جاتا ہے۔ آرزو اور محبت اُس پر طاری ہو جاتے ہیں اور روحانی تجربات کے مختلف نظارے اُس پر منکشف ہو

جاتے ہیں" +

"چوتھی اور اعلےٰ قسم ہیں وہ لوگ داخل ہیں جو کامل سالک ہیں اور مذکورہ بالا منزلوں سے گزر چکے ہیں ۔ اور خدا کے سوا جن کے دل میں کسی دیگر شے کو دخل نہیں ۔ ایسا شخص انانیت سے بالکل خالی ہے ۔ یہاں تک کہ اُسے اپنے تجربات اور اعمال کی بھی خبر نہیں ۔ گویا اُس کے حواس پر مُہریں لگ گئیں اور اُس نے ذکرِ الٰہی کے بحر میں غوطہ مارا ہے ۔ ایسی حالت کو صوفی اصطلاح میں فنا کہتے ہیں (" افزارات")

ایک دوسرے مقام میں انسانی روح کی اسی حالت میں محویت کو شفاف شیشے سے تشبیہ دی ہے ۔ شیشے سے اُس کی مراد صیقل شدہ پیتل یا برنج ہے جس میں ہر مقابل شے کے رنگوں کا عکس پڑتا ہے ۔ اپنی تصنیفات میں اُنھوں نے بار بار اس تشبیہ یا استعارہ کا ذکر کیا ہے ۔ گناہ روح کے شیشے پر زنگ ہے ۔ روشنی کا عکس تو اس میں پڑتا ہے لیکن شعاعیں صاف طور سے نمایاں نہیں جب تک کہ خطا اور جذبات کا زنگ توبہ کے ذریعہ دور نہ کیا جائے +

الغزالی نے اپنی تصوف کی تعلیم میں عقیدہ کے چھ مسائل اور پانچ ارکان دین پر ہمیشہ زور دیا اور کہا کہ انھیں کے ذریعہ روح کو خدا کی طرف جانے کی حقیقی تحریک حاصل ہوتی ہے ۔

تو بھی الغزالی نے عبادت کے روحانی پہلو پر ہمیشہ زور دیا۔
عبادت کی ظاہری صورت بذات خود کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔
مثنوی کے مصنف نے الغزالی کی تصنیفات پر عبور کیا ہوا تھا
اور اُسی کی روح میں محو تھا جب اُس نے یہ لکھا۔

"احمق مسجد کی تعریف اور بڑائی کرتے ہیں جب
پاک صاحب دلوں کو ستانے کی کوشش کرتے ہیں
لیکن مقدم الذکر تو محض صورت ہے اور موخر الذکر
روح اور صداقت ہے۔ حقیقی مسجد تو اولیاء اللہ
کا دِل ہے اور اولیاء اللہ کے دِل میں جو مسجد تعمیر
ہوتی ہے وہ سب کی عبادت گاہ ہے کیونکہ خدا
وہاں بستا ہے" +

خدا کی تقلید پر مولانا روم نے جو کچھ تحریر کیا وہ تقریباً
لفظ بہ لفظ الغزالی کی کتاب میں سے ہے جس میں خدا کی صفات
کا ذکر ہے +

"خدا اِس لئے اپنے تئیں "بصیر" کہتا ہے تاکہ اُس
کی آنکھ ہر لحظہ تم کو گناہ سے ڈرائے۔ خدا اِس لئے
اپنے تئیں "سمیع" کہتا ہے تاکہ کوئی بد کلام تمہارے
لبوں سے نہ نکلے۔ خدا اِس لئے اپنے تئیں "علیم"
کہتا ہے تاکہ تم بدی کا منصوبہ نہ باندھو۔ یہ نام خدا

کے عارضی نام نہیں جیسے زنگی کا نام کافور رکھا جائے
بلکہ وہ نام خدا کی عینی صفات سے صادر ہیں اُس علّت
اولیٰ کے فضول نام نہیں" ؛
ابوسعید بن ابوالخیر ساکن خراسان (۳۹۶ھ سے ۴۴۰ھ)
تصوف کے مدرسے میں العزالی کا معلّم تھا۔ جس وقت اُس سے
پوچھا گیا کہ صوفی کی تعریف کیا ہے تو اُس نے کہا "جو کچھ تیرے
دماغ ہے اُس کو فراموش کر دے۔ جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے
دے ڈال اور جو کچھ تجھ پر واقع ہو اُس سے لاپرواہ ہو جا" ؛
صوفی تعلیم کے برپا ہونے کے بارہ میں یعنی اُس کے آغاز
اور سیرت کے بارہ میں ڈاکٹر۔ سی۔ سنوق حور گرانجی . . .
(Dr. C. Snouck Hurgranji) نے یہ بیان کیا
" اللہ نے جو چراغ محمد کے ہاتھ میں دیا جس کی روشنی سے کہ نوع
انسان کی رہبری کرے۔ نبی کی وفات کے بعد وہ زیادہ زیادہ
بلند ہوتا گیا تا کہ روز افزوں انسانوں کو روشنی دے سکے لیکن
یہ ممکن نہ تھا جب تک کہ اِس کے حوض کو اُن مختلف قسم کے
تیلوں سے پُر نہ کیا جائے جن کے ذریعہ قدیم زمانوں سے مختلف
قوموں کو روشنی ملتی رہی۔ تصوف کا تیل مسیحی حلقوں سے آیا اور
لاکلام نو افلاطونی چشمے سے۔ فارس اور ہندوستان نے بھی اِس
میں اپنا حصّہ ڈالا۔ بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے بذریعہ

ریاضت اور جسم کے کشتہ کرنے کے مختلف طریقوں کے ذریعے
روح کو آزاد کیا تاکہ وہ پرواز کر کے ساری ہستی کے اصل سے
وصل حاصل کرے۔ حتیٰ کہ بعضوں نے اپنا عقیدہ اِن الفاظ
میں ظاہر کیا "انا الحق" جو کفر ہے"۔

لیکن اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ گو بعض حد سے تجاوز کر گئے
اور ہمہ اوستی خیالات میں مستغرق ہو کر اخلاقی شریعت اور چال
چلن کی پابندی کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن الغزالی نے اِس خطرے
سے اسلام کو بہت درجہ تک بچا لیا۔ اُس نے اِس امر پر زور
دیا کہ بذریعہ ریاضت روح کا اخلاقی کمال ہی وہ طریقہ ہے جس
سے آدمی کو خدا کی قربت حاصل ہو سکتی ہے" اس کے تصوف
نے ہمہ اوستی خطرے سے بچنا چاہا جس میں کہ بہت صوفی اپنے
غور خوض میں مبتلا ہو گئے تھے اور جس کے ذریعہ انہوں نے
شرع الٰہی اور اخلاق کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

اِس لئے اخلاقی تصوف کا آغاز اسلام میں الغزالی کے ایام
ہی سے ہوا جس میں شریعت اور مسائل دین داخل تھے۔ دینی
علوم کی یہ اب مقدس تثلیث ہے اور ہر اسلامی دارالعلوم اور
مدرسوں میں اِن کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مسائل دین کے لئے
دیگر مصنّف زیادہ مستند ہیں۔ اسلامی شریعت کے متعلق چار
بڑے اماموں کی تصنیفات کا مطالعہ کرایا جاتا ہے لیکن اخلاق

ہیں الغزالی اپنا ثانی نہیں رکھتا" +

ڈاکٹر حورگن جی نے یہ بھی بیان کیا ہے "الغزالی کا اخلاقی تصوف اب عموماً صحیح مانا گیا ہے اور باقاعدہ ریاضت اور ذکر کے ذریعہ اعلیٰ روحانی درجہ تک پہنچنے کو اب شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وسیع حلقوں میں یہ مفصلہ ذیل رائے بہت مشہور ہے۔ شریعت سب مومنوں کے آگے زندگی کی روٹی پیش کرتی ہے مسائل وہ سلاح خانہ ہیں جس میں سے اوزار لئے جاتے ہیں تاکہ بے ایمانی اور بدعت کے مقابلے میں دین کے خزانوں کی حفاظت کی جائے۔ لیکن تصوف خاکی حاجی کو آسمان کی راہ دکھاتا ہے" +

مگر ایک خاص امر میں یہ اخلاقی تعلیم بہت مایوسی پیدا کرتی ہے۔ الغزالی کا تصوف عوام الناس کے لئے نہیں ۔ یہ خفی تعلیم ایسے خاص لوگوں کے لئے ہے جو دینی فخر سے بھرے ہیں اور اس امر میں وہ دوسرے لوگوں کی مانند نہیں ۔ شریف سے شریف مسلمان بھی حقیقی دینی زندگی کو معدودے چند بڑے لوگوں میں محدود سمجھتے ہیں جس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ الغزالی کی تعلیم عوام کے لئے نہ تھی بلکہ بندیوں اور طالبوں کے لئے +

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ گو اس نے صوفیوں کے لئے طوس میں ایک خانقاہ بنائی اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں خود وہاں

تعلیم دیتا اور انتظام کرتا رہا لیکن اس نے صوفیوں کا کوئی خاص خاندان قائم نہیں کیا۔ پروفیسر میکڈانلڈ کا خیال ہے کہ اُس کے زمانے میں ایسے متواتر خاندانوں اور برادریوں کا رواج نہ تھا لیکن یہ غلط ہے کیونکہ کشف المجوب میں (۴۵۶ھ) درویشوں کے مختلف خاندانوں کی فہرست دی گئی ہے اور اُن کی عبادت کے خاص طریقوں کا بیان آیا ہے۔ البتہ الغزالی کی تعلیم آج کل سارے درویش خاندانوں میں مروج ہے +

کینن ڈبلیو۔ ایچ۔ ٹی۔ گارڈنر نے الغزالی کی ایک کتاب کا جو تصوف پر ہے اور جس کا نام مشکوٰۃ الانوار ہے خاص مطالعہ کیا۔ جس میں اُس نے اِس کتاب کے معترضین کا جواب دیا اور قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ الغزالی کا خواہ کوئی طریقہ ہو اُس نے خلوص قلبی سے کام لیا۔ اِس دلچسپ اور عالمانہ رسالہ سے ہم دو مقامات نقل کرتے ہیں جن سے الغزالی کے طریقے کی تشریح ہو جائیگی :۔

"ستر ہزار حجابوں کی حدیث کی تشریح کرتے ہیں جن حجابوں کے ذریعہ خدا نے اپنے تئیں انسان کی نظر سے محجوب کیا ہے الغزالی کو موقعہ ملا کہ مختلف مذاہب اور فرقوں کے درجے ٹھہرائے بلحاظ اِس کے کہ کس قدر کم و بیش موٹا پردہ نور کے چھپانے کے لئے اُن پر پڑا تھا یعنی جس قدر کہ وہ الحق - اللہ تک رسائی

رکھتے ہیں۔ جو حجابات کہ الٰہی نور کو چھپانے کے لئے مختلف
مذہبوں اور فرقوں پر پڑے ہوئے تھے وہ دو قسم کے بیان ہوئے
ہیں۔ نور کے حجاب اور تاریکی کے حجاب۔ اور ان مذہبوں اور
فرقوں کے درجے اس اندازے سے ٹھیرائے ہیں جس اندازہ
سے کہ اُن پر حجاب پڑا ہے (ا) تاریک حجابوں سے (ب) تاریکی
اور نور آمیختہ (ج) یا صرف نور کے حجابوں سے۔ اور آخر میں وہ
مختصر عبارت آئی ہے جس میں ذکر ہے کہ واصلین کو صوفی تعلیم
کشف صاف و صریح طور سے حاصل ہو گئی ہے ✣

(ا) جن لوگوں پر خالص تاریکی کا حجاب چھایا ہوا ہے وہ ملحد
ہیں جو خدا کی ہستی اور یوم الآخر کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے
دو بڑے حصے ہیں۔ جن لوگوں نے دنیا کی علت کی تلاش کی
اور یہ معلوم کیا کہ فطرت ہی وہ علت ہے۔ اور جن لوگوں نے
ایسی تحقیقات نہیں کی۔ مقدم الذکر لوگ تو دہریہ ہیں جن سے
الغزالی کو سخت نفرت تھی۔ یہ جائے تعجب ہے کہ اُن کی بدچال
چلن کا کوئی مزید ذکر نہیں کیا اور وسطی زمانہ کا یہ خاص خیال تھا کہ
سب سے سخت سزا کی مستحق بدچالی کی نسبت غلط رائے ہے۔
بدکار دوسری قسم میں داخل ہے (جن کو پہلی قسم پر سبقت نہیں
دی گئی) یہ ایسے لوگ ہیں جو ایسے طامع اور خود غرض ہیں
کہ وہ علت کی تلاش ہی نہیں کرتے اور اپنی نفسانیت کے سوا

اور کسی شے کا اُن کو خیال ہی نہیں ۔ اِن کو ہم انانی کہینگے ۔ اِن کے درجے یہ ہیں (۱) نفسانی خوشی کے طالب (۲) حکومت کے خواہاں (۳) زردوست (۴) شہرت کے گردیدے ۔ پہلی قسم تو معمولی حیوانی صفات کے لوگوں کی ہے اور نیز نفسانی فلاسفر ۔ اُن کے حجاب بہیمی صفات کے حجاب ہیں اور دوسری قسم کے تند خو لوگ جو سبائع کہلاتے ہیں ۔ اِس قسم کے لوگ عرب ۔ بعض کُرد اور بیشمار احمق لوگ ہیں ۔ تیسری اور چوتھی قسم پر کسی طرح کی شرح نہیں لکھی ٭

" اس گہری تاریکی کے طبقات سے اُتر کر ہم (ب) پر پہنچتے ہیں جن پر نور و تاریکی کے آمیختہ حجاب پڑے ہیں تاریکی کے حجابات کا جو تصور الغزالی کو تھا وہ اِن دونو فصلوں کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ اِس فصل میں تاریک حجاب الوہیت کے غلط تصورات ہیں جو انسانی عقل اپنی فطری ساخت کی محدودیت کی وجہ سے اختراع کر لیتی ہے (عُلوی میزان کے مطابق) یعنی حواس ظاہری ۔ یا قوت متخیلہ یا علم تقریر کے ذریعے ۔ ماقبل فصل کے تاریک حجاب کلّی انانیت اور مادیت ہے جو اِن قوائے کو اپنی ذات اور دُنیا کے لئے استعمال کرتے ہیں خدا کے خیال کے بغیر ۔ چنانچہ نور کے حجاب راست لیکن جُزوی لدنیات ہیں جن کے وسیلے

انسان الوہیت کے تصور تک یا کم از کم اپنے سے اعلےٰ کے تصور تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ لدنیات جزوی ہیں کیونکہ وہ الوہیت کے کسی ایک پہلو یا صفت کو مدنظر رکھتے مثلاً اُس کی عظمت۔ حسن وغیرہ پر اور اُس ایک پہلو یا صفت کو سب کچھ مان کر وہ اُس پہلو یا صفت یعنی اُس عظیم یا حسین وغیرہ کو خدا ماننے لگتے ہیں۔ یوں اُن کے ذریعہ نصف اللہ تو منکشف ہوتا ہے اور نصف اللہ مخفی ہوتا ہے۔ یہ تو نور کے حجاب ہیں"+

اِس بیان سے مقدس پولس کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں۔ "اب ہم کو آئینے میں دھندلا سا دکھائی دیتا ہے مگر اُس وقت روبرو دیکھینگے"۔ کیا الغزالی نے یہ خیال بھی انجیل سے مستعار لیا؟

پروفیسر مارگولی اوتھ اور بعض دیگر علما نے اِس کا ذکر کیا ہے کہ محمدی تصوف بہت کچھ مسیحی تعلیم پر مبنی ہے خاص کر ابو طالب پر یہ بات صادق آتی ہے جس کی الغزالی نے اِس مضمون کے بارہ میں بہت تعریف کی ہے۔ بعض اوقات تو مضمون کلیتہً لے لیا مثلاً بیج بونے والے کی تمثیل کو صوفی مصنفوں نے کلیتہً نقل کیا۔ ابو طالب نے مسیح کی دوسری آمد کے اور دنیا کے آخر کے بارہ میں گفتگو کو نقل کیا جو مسیح اور اُن لوگوں کے مابین ہوئی جن کو خداوند نے یہ طعنہ دیا تھا

کہ اُنہوں نے اُسے بھوکا دیکھ کر اُسے کھانا نہ کھلایا۔ البتہ سائل کی جگہ اُس نے لفظ اللہ کو ڈالا اور سب سے چھوٹے کی جگہ اپنا مسلمان بھائی۔ بعض اوقات مبارکبادیاں نقل کیں اور مسیح کا نام بھی ظاہر کیا جس کی زبان سے وہ مبارکبادیاں صادر ہوئی تھیں۔ مسیحی وعظ کی کتابوں میں جو عام بیانات پائے جاتے ہیں وہ صوفی وعظوں میں بھی قدرے تبدیلی یا بلا تبدیلی کے ساتھ ملتے ہیں۔ توما رسول کے اعمال کی کتاب میں ذکر ہے کہ جب بادشاہ نے اُسے اپنے محل کی تعمیر پر مامور کیا تو اُس نے وہ روپیہ خیرات میں غریبوں کو دے دیا۔ عین اُسی وقت کے قریب بادشاہ کا بھائی مر گیا اور اُس نے دیکھا کہ جو روپیہ توما نے بادشاہ کے نام سے خیرات میں دیا تھا اس کے وسیلے فردوس میں بادشاہ کے لئے ایک عالیشان محل بنایا گیا۔ یہ قصہ ابو طالب کے رسالہ میں آیا ہے کہ ایک غریب آدمی نے کسی دولتمند سے خیرات لی اور اُس کے ساتھ اُس نے فردوس میں اُس دولتمند کے لئے ایک گھر بنایا"۔

نہ صرف ابو طالب کی مشہور قُوتُ القلوب میں بلکہ الغزالی کی ساری تصنیفات میں بہت سے اقتباسات اور حوالے اناجیل سے ہیں خواہ وہ اپوکرفل اناجیل ہوں خواہ صحیح اناجیل۔ چنانچہ اس کا ذکر بعد میں آئیگا۔

الغزالی نے صبح وشام کی نماز کی ترتیب بیان کی ہے وہ

اُس ترتیب سے بہت متفرق نہیں جو مسیحی نماز کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ نماز پر جو رسالہ اُس نے لکھا اُس میں اِس رسم کے روحانی معنی بتانے کی اُس نے کوشش کی۔ اور اس میں اُس نے قدیم صوفیوں کی تعلیم کی تقلید کی۔ اُن کی غایت یہ تھی کہ نماز کے وقت وہ خدا میں محو ہو جائے۔ خیالات کی پریشانی سے بچنے کے لئے اُس کی یہ نصیحت تھی کہ خالی دیوار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تاکہ عمارت کی خوبصورتی یا نقش و نگار اُن کی توجہ کو دعا سے منعطف نہ کردے۔ بعض کا یہ فخر تھا کہ وہ ہر حالت میں محویت حاصل کر سکتے تھے۔ "ایسے اولیا بھی گزرے ہیں کہ صلوٰۃ شروع کرنے کے وقت وہ اپنے اہل حرم کو کہہ دیتے تھے کہ جس قدر چاہیں باتیں کریں اور اگر چاہیں تو ڈھول بھی بجائیں وہ اپنی نماز میں ایسے محو ہونگے کہ وہ کچھ نہ سُن سکینگے خواہ کتنا ہی شور کیوں نہ ہو۔ اُن میں سے ایک کسی روز بصرہ کی مسجد میں اپنی صلوٰۃ ادا کر رہا تھا اور اس اثنا میں ایک ستون گر پڑا جس کے گرنے سے چار منزلیں گر پڑیں۔ پر وہ نماز پڑھتا رہا اور جب اُس نے نماز ختم کی تو لوگوں نے اُس کے بچ جانے پر اُس کو مبارکباد دی۔ تب اُس نے پوچھا کہ کس بات پر اُسے مبارکباد دیتے ہو؟ بعض ایسے بزرگوں کے نام بھی بتائے گئے ہیں جو نماز کو اِس زودی سے ختم کرتے تھے اور اس کو ایسا مختصر پڑھتے تھے تاکہ شیطان کو اُن کے خیال

پریشان کرنے کا موقعہ نہ ملے"۔

مگر الغزالی نماز میں ادب پر زور دیتا رہا اور اُس نے یہ تاکید کی کہ عبادت کے لئے ظاہری و باطنی دونوں طرح کی تیاری چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے کہا "نماز خدا کی قربت ہے اور ایک تحفہ ہے جو ہم بادشاہوں کے بادشاہ کی نذر کرتے ہیں جیسے کوئی دور کے گاؤں سے کوئی تحفہ حاکم کے لئے لاتا ہے اور تمہارے تحفے کو خدا قبول کرتا اور عدالت کے روزِ عظیم کو وہ تمہیں واپس ملیگا۔ اِس لئے یہ تمہارا ذمہ ہے کہ حتی الامکان احسن تحفہ نذر کرو۔ اُس نے محمد کا ایک قول نقل کیا "حقیقی نماز یہ ہے کہ آدمی اپنے تئیں حلیم اور فروتن بنائے اور اس پر اُس نے یہ ایزاد کیا کہ دِل کی حضوری حقیقی نماز کی جان ہے اور دِل کی عدم حضوری نماز کی ساری قدر و قیمت کو برباد کر دیتی ہے"۔

چنانچہ اُس نے یہ بیان کیا کہ "حقیقی نماز چھ امور پر مشتمل ہے۔ دِل کی حضوری۔ فہم۔ خدا کی بڑائی کرنا۔ خوف۔ امید اور شرم کا احساس"۔ بعد ازاں سلسلہ وار اُس نے ان میں سے ہر ایک امر کا بیان کیا اور بتایا کہ وہ کن امور سے مرکب ہے اور کیسے وہ وقوع میں آئے ہیں اور اُن کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں ہم اپنے دلوں کی حضوری اُس ازلی ابدی کے گہرے احساس کے ذریعہ حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا کی عظمت کے بارہ میں جو اُس نے

بیان کیا اُس کا مقابلہ ایسی عبارت سے کر سکتے ہیں جیسی آٹھویں زبور میں آئی ہے "انسان کیا ہے کہ تو اُس کی یاد کرے"۔ عبادت میں اپنی خطاؤں اور قصوروں کو یاد کرنے سے شرم کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ نماز میں دل کی حضوری حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ بیرونی اور اندرونی مشغلوں سے خیالات کو نکال دیں۔ عام بازاروں میں ہم دعا نہ مانگیں۔ کیونکہ ہماری توجہ پریشان ہوگی۔ بلکہ ایسی سادہ دیوار کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھیں جس پر توجہ کو پریشان کرنے والی کوئی شے نہ ہو۔ اس سے مدد ملیگی۔ لیکن دِل کی باطنی کشیدگی زیادہ ضروری ہے +

جو کچھ اُس نے حقیقی قبلہ کے بارہ میں کہا وہ بھی نقل کرنے کے قابل ہے "یہ خدا کے مقدس گھر کی سمت کے سوا باقی چاروں طرف سے ظاہری نگاہ کو ہٹا لینا ہے کیا تمہارا یہ خیال نہیں کہ ساری باتوں کی طرف سے اپنے دل کو ہٹا لینا اور خدا تعالےٰ کے دھیان پر اُس کو لگانا تم سے طلب کیا جاتا ہے؟ بیشک یہی طلب کیا جاتا ہے۔ نماز میں اس کے سوائے تم سے اور کچھ طلب نہیں کیا جاتا۔ کوئی شخص بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کے قابل نہیں جب تک کہ وہ ساری سمتوں سے منہ نہ پھیرے پس فی الحقیقت دِل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے سوا باقی ہر شے سے علیحدہ نہ ہو جائے" +

اس نے لکھا کہ "جب تم دعا مانگنے کھڑے ہو تو اُس دن کو یاد کرو جب تم کو خدا کے تخت کے سامنے کھڑے ہو کر حساب دینا ہوگا - نماز میں ریاکاری سے بچے رہو - اُن لوگوں کی تقلید نہ کرو جو خدا کے چہرے کی عبادت کرنے کا دعوے کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی آدمیوں کی تعریف کے طالب ہوتے ہیں - شیطان سے بھاگو کیونکہ وہ نگلنے والا شیر ہے - جس شخص کا تعاقب شیر یا کوئی دشمن کرے جو اس کو نگلنا یا مار ڈالنا چاہتا ہے وہ کیسے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اِن سے اِس قلعہ یا اُس قلعہ میں خدا سے پناہ لیتا ہوں اور پھر بھی قلعہ میں داخل ہونے کے بغیر اِدھر اُدھر گھومتا پھرے؟ یقیناً اِس سے اُس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا محفوظ ہونے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ بدل ڈالے - اسی طرح جو کوئی اپنی شہوات نفسانی کی پیروی کرتا ہے جو شیطان کی کمین گاہیں ہیں اور رحیم خدا کی نگاہ میں مکروہات ہیں محض اعوذ باللہ کہنا اس کے لئے کافی نہ ہوگا - جو کوئی اپنے جذبات کو خدا بنا لیتا ہے وہ شیطان کے قبضے میں ہے اور اپنے خدا کی پناہ میں محفوظ نہیں" +

سورہ فاتحہ کی اُس نے نہایت عمدہ تفسیر کی "اپنی نماز کے آخر میں اپنی عاجزانہ مناجات اور الحمد ادا کرو اور جواب کے منتظر رہو اور اپنی دعا میں اپنے والدین اور دیگر حقیقی مومنین کو بھی شامل کرو - اور جب تم آخری سلام کہو تو اُن دو فرشتوں

کو بھی یاد کرو جو تمہارے دونوں کندھوں پر بیٹھے ہیں" ÷
اُس نے بیان کیا کہ زکوٰۃ دینے میں سات باتیں مطلوب ہیں :۔ شتابی ۔ پوشیدگی ۔ نمونہ (اور اس کے لئے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو محمد صاحب سے منسوب ہے کہ جو داہنا ہاتھ دے بائیاں ہاتھ اُس کو نہ جانے) عدم فخر ۔ اس تحفہ کو بڑا خیال نہ کریں۔ سب سے افضل تحفہ ہم سے طلب کیا جاتا ہے کیونکہ خدا نہایت ہی نیک خدا ہے اور جو کچھ افضل ہے وہ ہم سے طلب کرتا ہے اور ہم اپنی خیرات مستحق لوگوں کو دیں۔ خیرات کے مستحق لوگوں کی اُس نے چھ قسمیں بیان کی ہیں :۔ دیندار ۔ عالم ۔ راستباز مستحق غریب ۔ مستحق مریض ۔ یا مصیبت زدہ خاندان ۔ اور رشتہ دار ۔ اُس کے نزدیک خیرات خویشوں پر ختم ہوتی ہے ÷
مگر الغزالی کی تعلیم سے ظاہر ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں وہ صرف مسلمان ہی ہیں ۔ اسلام میں کوئی عالمگیر برادری نہیں ۔ یہودی اور مسیحی اُن کے احاطہ برادری سے باہر ہیں اور "ہمسائگی کے حق" کے سزاوار نہیں ÷

الغزالی نے قرآن کی تلاوت کا جو صوفی طریقہ بتایا ہے وہ مسیحی لوگ بائبل کی تلاوت کے لئے کام میں لا سکتے ہیں ۔ اُس نے تلاوت کے لئے آٹھ امور کا ذکر کیا :۔ مکاشفہ کی عظمت متکلم کی عظمت ۔ تیار دل کی ضرورت ۔ دھیان ۔ اُس مقام

کے معنی سمجھنا۔ اُس کے معنی کو نہ توڑنا مروڑنا۔ اُس مقام کو اپنے پر عائد کرنا اور آخر کار اس مقام کو ایسے طور پر پڑھنا کہ اس کا اثر ہماری زندگی پر ہو۔ ان کے قول کے مطابق لفظ قرآن سے مراد پڑھنا نہیں بلکہ اس تعلیم پر عمل کرنا ہے کیونکہ الفاظ کے تلفظ کرنے میں زبان کو ہلانا چنداں وقعت نہیں رکھتا حقیقی تلاوت وہ ہے جس میں زبان عقل اور دِل کا اتفاق ہو۔ زبان کا کام یہ ہے کہ تلاوت میں الفاظ کو صاف طور سے تلفظ کرے عقل کا کام یہ ہے کہ معنی کو سمجھے۔ دِل کا کام یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اُس کو منتقل کرے۔ زبان تو پڑھتی ہے عقل ترجمہ کرتی ہے اور دِل مترجم اور آگاہ کرنے والا ہے" +

توبہ کے بارہ میں جو اس کا بیان ہے وہ سب سے افضل ہے۔ اِس کو ۵۱ زبور بارہویں کے ساتویں باب سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اِس میں تو کسی کو شک نہیں کہ الغزالی کو گناہ کا گہرا احساس حاصل تھا۔ وہ فریسی نہ تھا بلکہ ایک سرگرم طالب خدا تھا۔ اُس نے صاف طور سے یہ تعلیم دی کہ سارے انبیا معہ محمد کے گنہگار تھے۔ اگرچہ اُس نے کسی جگہ یسوع مسیح کی گنہگاری کا ذکر نہیں کیا +

سب سے اعلےٰ مقام وہ ہے جس میں اُس نے معافی مانگنے کے فوائد کا بیان کیا۔ اُس کا ترجمہ یہ ہے "محمد النبی نے فرمایا۔

(سلمہ اللہ) "سچ مچ میں خدا سے معافی مانگتا اور ہر روز ستر دفعہ اُس کے آگے توبہ کرتا ہوں"۔ بقول الغزالی اُس نے یہ فرمایا اگرچہ خدا نے اُس کی نسبت یہ گواہی دی تھی "ہم نے تیرے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دئے"۔ رسول خدا نے فرمایا۔ "سچ مچ میرے دل میں غش سا آتا ہے جب تک ہر روز سو دفعہ میں اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگ لیتا"۔ اور نبی نے فرمایا (صلے اللہ وسلم) خواب کو جاتے وقت جو کوئی یہ کہتا ہے "میں خدائے تعالےٰ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ جو الحی ہے اور میں اپنے گناہوں سے تین بار توبہ کرتا ہوں"۔ خدا اُس شخص کے گناہوں کو بخش دیگا اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی طرح اور ریت کے ڈھیر کی طرح ہوں۔ یا درخت کے پتوں کی طرح ہوں" اور رسول خدا نے فرمایا (سلمہ اللہ) جو کوئی یہ لفظ کہیگا میں اُس کے گناہ بخش دونگا گو وہ لشکر میں سے نکل بھاگے"۔ الغزالی نے ایک شخص حفیفہ نامی کا قصہ بیان کیا جس نے یہ کہا تھا "میں اپنی بیوی سے سختی کے ساتھ بولا کرتا تھا اور میں نے کہا۔ اے رسول خدا مجھے اندیشہ ہے کہ میری یہ زبان کہیں نار جہنم میں نہ لیجائے اور تب رسول خدا نے (سلمہ اللہ) فرمایا۔ "گناہ کی معافی مانگنے میں میری نسبت تیرا کیا حال ہے۔ میں تو ہر روز سو دفعہ خدا سے معافی مانگتا ہوں"۔ اور عائشہ نے (خدا اُس

پر عنایت کرے) بنی کے بارہ میں کہا "اُس نے مجھ سے کہا اگر تُو گناہ کی مرتکب ہوئی تو خدا سے معافی مانگ اور اُس کے آگے توبہ کر کیونکہ گناہ سے حقیقی توبہ یہ ہے کہ آدمی گناہ سے کنارہ ہو جائے اور معافی مانگے"۔ اور رسول خدا (سلمہ اللہ) یہ کہا کرتے تھے جب وہ معافی مانگتے "اے خدا میرے گناہ۔ میری نادانی اور کسی کام میں جو زیادتی مجھ سے ہوئی تو معاف کر دے اور جو تو میری نسبت بہتر جانتا ہے۔ اے خدا میرے خفیف اور عمد کے گناہوں۔ میری غلطیوں اور غلط ارادوں اور جو کچھ مجھ سے ہؤا مجھے معاف کر دے۔ اے خدا مجھے معاف کر دے جو مجھ سے ماضی میں سرزد ہؤا یا مستقبل میں سرزد ہو گا۔ جو کچھ میں نے چھپایا اور جو کچھ میں نے ظاہر کیا اور جو کچھ تو میری نسبت بہتر جانتا ہے تو جو اول و آخر اور قادر مطلق ہے"۔ زمانہ حال میں اہل اسلام کے درمیان محمد کی بیگناہی کے بارہ میں جو تعلیم مروج ہے اُس سے یہ تعلیم کیسی مختلف ہے ٭

چونکہ الغزالی نے محمد صاحب اور اُس کی ضرورت معافی کے بارہ میں یہ بیان کیا اُس نے توبہ کو ظاہری طور سے نہیں لیا بلکہ ایسے شخص کے طور پر جس نے پشیمانی کی تلخی کا ذائقہ چکھا تھا اور جس نے اخلاقی شریعت کے تقاضا کے سامنے اپنی ناقابلیت کو محسوس کیا تھا۔ توبہ پر جو اُس نے رسالہ لکھا

اُس کی یہ فصلیں ہیں (۱) توبہ کی حقیقت (۲) توبہ کی ضرورت (۳) خدا حقیقی توبہ کی توقع رکھتا ہے (۴) آدمی کس سے توبہ کرے یعنی گناہ کی حقیقت۔ (۵) گناہ صغیرہ کیسے گناہ کبیرہ بن جاتے ہیں (۶) کامل توبہ۔ اُس کے شرائط اور اُس کی میعاد (۷) توبہ کے مختلف درجے (۸) کیسے فی الحقیقت تائب بنیں ÷

اُس کی تعلیم کا خلاصہ دے سکتے ہیں۔ اُس کی تعلیم قرآن پر کہیں زیادہ فوق رکھتی ہے۔ فی الواقع بعض اوقات اپنے بیان کے ثبوت میں جو آیات اُس نے پیش کی ہیں وہ سیاق عبارت کے لحاظ سے نبیؐ پر ایک خوفناک الزام عائد کرتی ہیں[1] اُس نے بیان کیا کہ توبہ کی ضرورت ہمیشہ اور سارے آدمیوں کے لئے ہے۔ کیونکہ نوع انسان میں سے کوئی بھی گناہ سے مبرّا نہیں "گو بعض صورتوں میں وہ بدنی اعضا کے بیرونی گناہ سے مبرّا ہو

[1] جن آیات کو اُس نے پیش کیا اُن میں سے ایک یہ ہے (سورۃ ۔ آیت ۲۲۲) "بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور جو پاک صاف ہیں اُن کو دوست رکھتا ہے" اُس کا قرینہ وہ ہے جہاں یہ بیان آیا ہے کہ "تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں ... وغیرہ۔ جس کی تفسیر بعض محمدی علما نے ایسی کی ہے جس سے بدی کی اجازت نکلے۔ اِس قرینے میں الغزالی نے بیان کیا کہ "سب نے گناہ کیا"۔ گو رومیوں کے پہلے باب کا یہ حوالہ نہیں دیا ÷

لیکن وہ دِل کے گناہ سے مبرّا نہیں - گو وہ جذبہ انسانی سے مبرّا ہو وہ وسوسہ شیطانی اور خدا کو فراموش کرنے یا عرفان خدا اور اُس کی صفات و صفات کے عرفان میں قاصر رہنے سے مبرّا نہیں" یہ سب کچھ تحصیل میں ناکامی ہے اور اس کی وجوہات ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اِس خدافراموشی کے اسباب کو ترک کر کے اُس کی مخالف صفات میں مصروف ہو تو یہ صحیح طریقے کی طرف عود کر آنا ہے اور توبہ کے معنی ہی یہ ہیں عود کرنا۔ تم تصوّر نہیں کر سکتے کہ ہم میں سے کوئی اس نقص سے خالی ہے - صرف خطا کے درجے میں فرق ہو گا لیکن وہ جڑ لاکلام ہم سب میں موجود ہے البتہ اُس نے موروثی گناہ کو نظر انداز کیا۔ کیونکہ وہ مسلمان تھا۔ لیکن اُس نے اس نتیجہ کا بہت ذکر کیا جو اس گناہ سے پیدا ہوتا ہے جس سے توبہ نہیں کی جاتی۔ لیکن یہ دل میں زیادہ زیادہ گہرا اترتا جاتا ہے حتیٰ کہ انسانی روح کے شیشے پر سے خدا کی تصویر مٹ جاتی ہے +

ایک اور تمثیل اُس نے استعمال کی کہ دِل ایک عمدہ پوشاک ہے جو کیچڑ میں لتھڑ گئی اور اب یہ ضرورت ہے کہ صابن اور پانی سے وہ دھوئی جائے۔ جب ہم اپنے دِل کو اپنے جذبات نفسانی میں استعمال کرتے ہیں تو یہ میلی ہو جاتی ہے اس لئے ہمیں چاہیئے کہ آنسوؤں کے پانی میں توبہ سے

رگڑ کر اُسے دھوئیں - یہ تمہارا فرض ہے کہ اس کو رگڑ رگڑ کر صاف کرو تب خدا اسے قبول کریگا"۔ داؤد۔ یسعیاہ اور یونس کی تعلیم کے کیسے قریب پھر بھی اُس سے کیسی بعید ہے - کیا الغزالی نے کبھی کسی دیندار یہودی کی زبان سے یسعیاہ کا یہ جملہ سنا کہ "ہماری ساری راستبازیاں گندی دھجیاں ہیں"۔

اِس مسلم عالم کے مطابق توبہ سے دُہرا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اِس گہرے مسئلے کو نہیں چھوتا کہ کیسے خدا منصف عادل بھی ہو اور گنہگار کو راستباز بھی ٹھہرائے - اُس نے یہ تعلیم دی کہ ہمارے گناہوں کی معافی کا نتیجہ یہ ہے کہ "ہم خدا کے سامنے ایسے کھڑے ہوتے ہیں کہ گویا ہم نے کچھ خطا نہیں کی اور ہم اعلےٰ درجہ کی راستبازی تک پہنچ جاتے ہیں"۔ الغزالی کے عقیدہ میں مسیح کی صلیب کی کڑی گم ہے۔ وہ مسیحی تعلیم کے بہت قریب پہنچ جاتا ہے لیکن ہمیشہ اُس تعلیم کے مرکز کو خطا کرتا ہے وہ ٹٹول کر نور کی طرف جاتا ہے۔ لیکن دوست کے ہاتھ کو نہیں پکڑتا نہ نجات دہندہ کو پاتا ہے۔ یہ ساری راستبازی بذریعہ اعمال ہے اور عرفان الٰہی کی تحصیل بذریعہ ذکر الٰہی ہے کفارہ کے وسیلے راستباز ٹھہرنے کے بغیر۔

"خدا کی حضوری کے عمل" پر جو تعلیم اُس نے دی وہ

برادر لارنس کی تعلیم کی طرح ہے جو اُس نے اپنے ایک رسالہ میں ظاہر کی۔" دین اور اخلاق میں بلندی کا رہنما" رسالے (البدایت) اُس نے یہ لکھا "جان لو کہ تمہارا رفیق جو کبھی تمہیں ترک نہیں کرتا نہ گھر میں نہ باہر۔ نہ خواب میں نہ باہر۔ نہ موت میں نہ زندگی میں۔ وہ تمہارا خداوند اور آقا۔ تمہارا خالق اور محافظ ہے اور جب کبھی تم اس کو یاد کروگے وہ تمہارے پاس ہی بیٹھا ملیگا۔ کیونکہ خدا نے خود یہ فرمایا ہے" جو مجھے یاد کرتے ہیں میں اُن کا نہایت رفیق ہوں" اور جب کبھی تمہارا دل خستہ وشکستہ ہو اس غم سے کہ تم نے دین میں غفلت کی ہے تو وہ تمہارا رفیق ہے جو تمہارے قریب رہتا ہے۔ کیونکہ خدا نے یہ فرمایا" جو میری خاطر شکستہ دل ہیں میں اُن کے ساتھ ہوں" اگر تم اُس کو جانتے جیسا کہ جاننا چاہیے تو تم اُسے اپنا رفیق پکڑتے اور اُس کی خاطر باقی سب آدمیوں کو چھوڑ دیتے۔ لیکن چونکہ ہمیشہ تم ایسا نہیں کرسکتے میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ رات اور دن ایک خاص وقت اپنے خالق کے ساتھ رفاقت رکھنے کے لئے مقرر کرو تاکہ تم اُس میں خوشی حاصل کرو اور وہ تم کو بدی سے چھڑائے" ÷

لیکن العزالی نے خدا کی قربت کو مسیح کے تجسم کے وسیلے نہیں سیکھا۔ جس خدا کے دیدار کی اُس کو آرزو تھی وہ خوف اور روز عدالت کی دہشت سے معمور تھا۔ خدا کا خوف حکمت

کا آغاز اور انجام تھا۔ خدا کے خوف کے بارہ میں جو کچھ اُس نے
سمجھا وہ اِس عبارت سے ظاہر ہے جو اُس کی کتاب احیاءالعلوم
سے لی گئی ہے "خدا کے خوف سے میری مراد عورتوں جیسے خوف
سے نہیں جب اُن کی آنکھیں نم ہوتی ہیں اور اُن کے دل کسی
فصیح دینی وعظ سننے پر مائل ہوتے ہیں جسے وہ جلد بھول جائیں
اور چھچھوری باتوں کی طرف پھر رجوع کرتی ہیں۔ یہ تو حقیقی
خوف ہرگز نہیں۔ جو شخص کسی شے سے ڈرتا ہے اُس سے
بھاگ جاتا ہے اور جو کسی شے کی امید رکھتا ہے اُس کے لئے
وہ کوشش کرتا ہے اور جو خوف تجھے نجات دیگا وہ ایسا خوف
ہے جو تمہیں خدا کے خلاف گناہ کرنے سے منع کرے اور اُس کی
اطاعت تمہارے اندر پھونک دے۔ عورتوں اور احمقوں کے
سطحی خوف سے خبردار رہو۔ یہ لوگ جب خداوند کے غضب
کا حال سُنتے ہیں تو ہلکے دِل سے یہ کہتے ہیں۔ "اعوذ باللہ" اور
عین اُسی وقت اُنہیں گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جو اُن کو ہلاک
کرینگے۔ شیطان ایسی دینداراں نہ دعاؤں پر ہنستا ہے وہ ایسے
شخص کی طرح ہیں جسے جنگل میں ایک شیر ملے اور قریب ہی
ایک قلعہ بھی ہو اور جب وہ اُس پھاڑنے والے حیوان کو دیکھے
وہ کھڑا ہو کر زور سے چلانا شروع کرے "اعوذ باللہ" خدا اپنی
عدالت کے عذابوں سے تمہیں نہ بچائیگا جب تک تم فی الحقیقت

اُس میں پناہ نہ پکڑو" ٭

خدا کے اِس خوف کے ساتھ موت کا خوف بھی شامل تھا جو وسطی زمانہ اور ابتدائے اسلام کا خاصہ تھا۔ اُس کی زندگی کے اختتام کے قریب اُس نے آخری زمانہ کے بارہ میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام اُس نے "گوہر بے بہا" رکھا۔ اِس میں اُس کے دیگر رسالوں کی نسبت موت اور عدالت کے عذابوں کا زیادہ مفصل ذکر ہے۔ اِس رسالہ میں اُس نے یہ بیان کیا "جب تم کسی مُردہ شخص کو دیکھو اور معلوم کرو کہ اُس کے مُنہ سے تھوک بہ رہا ہے اور اُس کے ہونٹ جُڑ گئے ہیں۔ اُس کا چہرہ کالا پھر گیا ہے اور آنکھ کی سفیدی اُبھر آئی ہے تو جان لو کہ وہ دوزخ میں ڈالا جائیگا اور دوزخ میں جلنے کا فتوے اُس پر ابھی منکشف ہؤا۔ لیکن اگر تم کسی مُردے کو دیکھو کہ اُس کے مُنہ پر تبسّم ہے اور چہرہ بشاش ہے۔ اُس کی آنکھیں نیم بند ہیں تو جان لو کہ اُسے خوشی کا مژدہ ملا ہے کہ اگلے جہان میں اُسے کیا حاصل ہوگا ٭

روزِ عدالت کو جب سب آدمی خدا کے تخت کے سامنے حاضر کئے جائینگے۔ اُن کے اعمال کا حساب لیا جائیگا اور نیک و بد اعمال تولے جائینگے۔ اِس سارے عرصے میں ہر ایک آدمی یہ گمان کریگا کہ خدا صرف اُسی کا حساب لے رہا ہے۔ حالانکہ شاید اُسی وقت خدا بیشمار لوگوں کا حساب لے رہا ہوگا جن کا

شمار بھی اُس کو معلوم ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو نہ دیکھینگے نہ ایک دوسرے کی آواز سنینگے"۔

صوفی کی سیرت کا خلاصہ دیتے وقت کلاڈ فیلڈ صاحب نے یہ بیان کیا "جیسے مقدس آگستین نے شک اور غلطی سے مخلصی اپنے باطنی تجربہ خدا میں حاصل کی اور ڈی کارٹے (Descarte) نے وقوف قلبی میں۔ ویسے ہی غزالی نے قیاسی ڈھکوسلوں سے غیر مطمئن ہو کر اور شک شکوک سے گھبرا کر اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے سپرد کر دیا۔ اُس نے یہ دوسروں کے لئے چھوڑ دیا کہ خدا کی ہستی کو بیرونی دنیا سے ثابت کریں لیکن اُس نے خدا کو اپنے وقوف قلبی میں اور خود مختاری کے راز میں پایا۔

اسلام میں یہ ایک لاثانی اور واحد شخص ہے اور اُس کو لوگوں نے اب تک صرف جزوی طور سے سمجھا۔ وسطی زمانوں میں اُس کی شہرت کو آوررَوز (Averroes) نے ماند کر دیا۔ جس کی تفسیر ارسطو کی طرف ڈینٹے (Dante) نے اشارہ کیا۔ اور جس کا مطالعہ ٹامس اکوائنیس (Thamas aquinas) اور دیگر علما نے کیا۔ آوررَوز کی ترتیب مکمل تھی لیکن غزالی اُن میں سے تھا جن کی رسائی اُن کی گرفت سے پرے تھی۔ وہ ہمیشہ ایسی شے کی تلاش میں تھا جس کو اُس نے حاصل نہ کیا تھا اور بہت باتوں میں آورز کی نسبت زمانہ حال کے علما کے

لگ بھگ ہے۔ رے نن (Renan) کو گو اُس کی مذہبی سرگرمی سے کچھ ہمدردی نہ تھی تو بھی اُس نے اُس کو "عربی فلاسفروں کے درمیان نہایت اصلی" کہا ÷

الغزالی کا شاگرد شاید سارے مسلمانوں میں سے انجیل کے زیادہ قریب ہے۔ اور ہم امید کرسکتے ہیں کہ جب اُس کی تصنیفات کا غور سے مطالعہ کیا جائیگا اور مسیحی دین کی تعلیم سے اُس کا مقابلہ کیا جائیگا تو وہ بہتوں کو مسیح تک پہنچانے میں اُستاد ثابت ہوگا ÷

زمانہ حال کے تعلیم یافتہ مسلمان الغزالی کی اِس آخری نصیحت سے فائدہ اُٹھائینگے جو اُس کی کتاب "اقرارات" کے آخر میں پائی جاتی ہے "جس علم کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ ایسے چشموں سے حاصل نہیں ہؤا جن تک انسانی سعی کو رسائی ہو اور اِسی وجہ سے محض دنیاوی علم میں ترقی کرنا گنہگار کے دل کو خدا کی مخالفت میں زیادہ سخت کردیتا ہے۔ برعکس اسکے حقیقی علم اُس انسان میں جو بندی ہو چکا ہے زیادہ خوف زیادہ تعظیم پیدا کرتا اور اُس کے اور گناہ کے مابین ایک سدّ حائل کردیتا ہے ممکن ہے کہ وہ لغزش کھائے اور گر پڑے اور جو بشری کمزوری سے ملبّس ہے اُس کو اِس سے چارہ نہیں لیکن ان لغزشوں اور ٹھوکروں سے اُس کا ایمان کمزور نہیں ہوتا۔ حقیقی مسلمان کبھی کبھی آزمائش میں مغلوب ہوجاتا ہے لیکن وہ توبہ کرتا ہے اور اُس غلطی کی راہ میں ضد سے پڑا نہیں رہتا۔ میں خدا قادرِ مطلق سے دُعا

کرتا ہوں کہ وہ ہم کو اپنے برگزیدوں میں شمار کرے اور اُن لوگوں میں گنے جنکو وہ محفوظ راہ میں ہدایت کرتا ہے۔ جن میں وہ سرگرمی ڈالتا ہے تاکہ وہ اُسے فراموش نہ کریں۔ جن کو وہ ہر آلودگی سے پاک کرتا ہے تاکہ اُن میں سوائے خدا کے کچھ باقی نہ رہے۔ ہاں اُن میں جن کے اندر وہ کامل طور سے سکونت کرتا ہے۔ تاکہ اُس کے سوائے وہ کسی کی پرستش نہ کریں" +

مسلمان ہونے کی حیثیت سے بالو تحز کے باعث اُس نے مسیحی دین کے تاریخی واقعات کی تلاش نہ کی یا شاید حسن ظن کے طور پر یہ کہیں کہ اناجیل سے اقتباسات۔ صحیح و غلط کے باوجود اُسے کافی موقعہ اِس تلاش کا نہ ملا۔ ورنہ ضرور اُسے وہ شے مل جاتی جس سے اُس کے دِل کی پیاس اور روح کی آرزو تشنگی پاتی یعنی خدا کا اظہار نہ کسی غیر محسوس اصول میں بلکہ زندہ شخص یسوع مسیح میں "وہ اندیکھے خدا کی صورت تمام مخلوقات میں سے پہلے مولود ہے۔ کیونکہ اُسی میں ساری چیزیں پیدا کی گئیں۔ آسمان کی ہوں یا زمین کی یا اندیکھی۔ تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات ساری چیزیں اُسی کے وسیلے سے اور اُسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں" (کلسیوں ۱-۱۵ سے ۱۷)۔ جو لوگ مسیح میں بستے ہیں اور جن میں مسیح بستا ہے وہ اُس کے روحانی بدن کا جزو ہیں۔ وہ زندہ تاک کی شاخیں ہیں۔ اُن کی زندگی اور مقصد واحد ہے اگرچہ

وہ اپنی فردی ہستی کا ادراک برابر رکھتے ہیں وہ خدا کے ساتھ گہری رفاقت کے لئے زیادہ قابل ہوتے جاتے ہیں - ایسے تصور تک صوفی کبھی نہیں پہنچا۔ الغزالی نے یہ تسلیم کرلیا کہ خدا کو کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا لیکن وہ اس کی دریافت میں قاصر رہا کہ "خدا کا اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا"۔ محمد کے مصنوعی جلال نے اُس سے جیسا کہ صدیوں بعد تک یسوع مسیح کے چہرہ میں خدا کے جلال کے علم کی جھلک کو چھپا لیا - لیکن کُلیہ طور پر نہیں جیسا کہ مابعد باب سے ظاہر ہوگا ؛

الغزالی کی تصنیفات میں یسوع مسیح

یسوع مسیح سیرت کا معیار ہے۔ روحانی پیشواؤں کا آقا ۔ اور واحد اعلےٰ لاغلط حاکم منصف جو کسی مذہب یا اُس کی تعلیم پر صحیح فتوے دے سکتا ہے۔ مسلمانوں میں جو فاضل اجل گذرا ہے اُس کی تعلیم میں یسوع مسیح کو کونسی جگہ دی گئی اور اس مکرم صوفی کے دل میں اِس طالب خدا کے دِل میں اُس کو کیا رتبہ حاصل تھا۔ خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی تحقیقات میں بالکل نیک نیت تھا۔ الغزالی نے قرآن کے مطالعہ کرنے میں یہ ملاحظہ کیا ہوگا کہ اِس کتاب میں مسیح کو اعلےٰ رتبہ دیا گیا۔ کم از کم تین سورتوں میں یعنی سورہ آل عمران (۳) سورہ مریم (۱۹) اور سورہ مائدہ (سورہ ۵) کا نام یسوع مسیح اور اُس کے کام کے لحاظ سے رکھا گیا۔ یہ نفس الامر کہ یسوع مسیح کو اسلامی علم ادب میں جگہ دی گئی اور سارے مسلمانوں نے انبیائے عظیم میں سے اُس کو تسلیم کیا اُس میں اور محمد میں مقابلہ کرنے پر ہم کو آمادہ کرتے ہیں۔ کیا الغزالی نے کبھی یہ خیال کیا اور محمد کا مسیح کے ساتھ مقابلہ کیا؟ اس باب میں ہمارا یہی مقصد ہے کہ اِس سوال کا جواب دیں اور اُس نے جو اسکی کتاب احیاء العلوم اور

اپنی دیگر تصنیفات میں دئے ہیں ان کو جمع کریں اور پھر نتیجہ نکالیں کہ وہ کن چشموں سے آئے اور امام غزالی کی کیا رائے تھی - ناظرین خود اپنے لئے یہ فیصلہ کرینگے کہ کہاں تک وہ مسلمانوں کو مسیح تک پہنچانے میں اُستاد کا کام دیتا ہے ÷

اس کی ساری تصنیفات میں مسیح کی زندگی یا اُس کی تعلیم کا خاکا نہیں دیا گیا - بیشک الغزالی نے وہ کتاب پڑھی اور اُس کا علم غالباً حاصل کیا ہوگا جس میں اسلامی چشموں کے مطابق یسوع مسیح کی زندگی کا مسلسل بیان قلمبند ہؤا تھا - اُس کا نام کتاب قصص الانبیا تھا جسے ابراہیم الثعلبی نے جو شافعی مذہب کا تھا لکھا اس شخص نے ۴۲۷ھ (۱۰۳۶ء) میں انتقال کیا - ان حدیثوں کی افسانگی اُس فصل کے ترجمے میں دکھائی گئی ہے جو یسوع مسیح کے بارہ میں ہے - الغزالی نے بالکل وہی کہانیاں تو بیان نہیں کیں جو الثعلبی نے بیان کیں لیکن بہت دیگر واقعات اور اقوال کا ذکر کیا ہے جو اُن کے مشابہ ہیں جو اناجیل میں پائے جاتے ہیں اور بعض بالکل اپوکرفل کتابوں سے منقول ہیں ÷

اب یہ سوال لازم آتا ہے کہ الغزالی نے انجیل کا یہ علم کہاں سے حاصل کیا ؟ کیا کوئی فارسی یا عربی ترجمہ اُس کو ملا یا جو کچھ ہم نے جمع کیا ہے وہ صرف اُسی کی سُنی سُنائی باتیں تھیں. جو اُس نے مسیحی راہبوں یا یہودی ربیوں سے سُنی ہونگی ؟ یہ تو پورے طور

سے واضح ہے کہ وہ نئے عہدنامہ کی حدیث کی نسبت عہد عتیق کی حدیث
سے زیادہ واقف تھا۔ بیسیوں ایسے مقامات ہیں جن میں اُس نے
موسےٰ کی تعلیم۔ داؤد کے زبور اور عہد عتیق کے انبیا کی زندگیوں کا
حوالہ دیا۔ ہم پہلے باب میں ذکر کرچکے ہیں کہ الغزالی کے زمانے سے
پیشتر بائبل کے ترجمے عربی زبان میں ہوگئے تھے۔ یہ حدیث ہے
کہ "اہل کتاب تورات کو عبرانی میں پڑھا کرتے اور عربی میں مسلمانوں
کے لئے ترجمہ کیا کرتے تھے"۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ
"کعب ؓ ایک کتاب خلیفہ عمر کے پاس لایا اور کہا 'یہ توریت ہے
اسے پڑھ"۔ یہودی انسائکلوپیڈیا میں لکھا ہے۔ الندیم کی
کی فہرست میں ایک احمد ابن عبداللہ ابن سلام کا ذکر ہے جس نے
بائبل کا ترجمہ عربی میں کیا تھا ہارون رشید کے عہد سلطنت میں۔ اور
فخرالدین رازی نے ذکر کیا کہ حبقوق کی کتاب کا ترجمہ ابن ربان الطبری
نے کیا۔ بہت عربی مورخ مثلاً الطبری مسعودی۔ حمزہ۔ اور بیرونی
بعض مقامات کو نقل کرتے اور یہودیوں کی ابتدائی تاریخ کا ذکر
اتفاقیہ طور سے کرتے ہیں۔ ابن قُطیبہ مُورخ (۸۹۰ء میں وفات
پائی) نے بیان کیا کہ اُس نے بائبل کو پڑھا اور اُس نے بائبل
کے چند مقامات کو جمع کرکے ایک کتاب میں جمع کیا جسے ابن جوزی
(بارھویں صدی) نے محفوظ رکھا۔ سب سے پہلا مشہور ترجمہ
سعدی گاؤں (Gaon) کا ہے (۸۹۲ سے ۹۴۲) اس ترجمہ

کارسوخ اُسی قدر تھا جس قدر کہ اُس کی فلسفہ کی کتاب کا ۔

زبور کا ترجمہ حافظ القوتی نے دسویں صدی میں کیا اور اندرونی شہادت سے ہمیں معلوم ہے کہ اس کا مصنّف مسیحی شخص تھا ۔ عہد عتیق کا ایک دوسرا ترجمہ عربی زبان میں قاہرہ کے یہودیوں نے گیارھویں صدی میں کیا ۔ سعدی کا ترجمہ مصر فلسطین سوریا میں دسویں صدی کے آخر میں مستند سمجھا گیا اور اس کی نظر ثانی ۱۸۷۰ء میں ہوئی ۔ بائبل کے فارسی ترجموں کے بارہ میں یہودی اِن سائی کلوپیڈیا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقول میمونی ڈیس (Mamonides) توریت کا ترجمہ فارسی زبان میں محمد سے کئی سو برس پیشتر ہوگیا تھا ۔ لیکن اِس سے زیادہ اِس بیان کی تصدیق نہیں ہوسکتی ۔ اناجیل عہد کے عربی ترجموں کے بارہ میں ہم ڈاکٹر کل گور (Kilgour) صاحب کا بیان دے چکے ہیں ۔

کیا یہ ظن غالب نہیں کہ اناجیل کے اِن ترجموں میں سے کسی ایک سے غزالی واقف ہوگا ؟ کیا اُس نے خود اِس کا بیان نہیں کیا ؟ "میں نے انجیل میں پڑھا ہے" ؟ نہ صرف اُس نے اناجیل سے قصوں اور مسیح کے اقوال کو نقل کیا بلکہ بعض صورتوں میں لفظ بہ لفظ نقل کیا ۔ یہ بھی سچ ہے کہ بعض بیانات بالکل اپوکرفل ہیں جن کا ذکر ۔ صحیح اناجیل میں بالکل پایا نہیں جاتا ۔ ہم اس سے ناواقف ہیں اور ہمیشہ ناواقف رہینگے کہ الغزالی

نے یہ مسودہ کہاں سے لیا۔ یا اُس نے اپنے دل سے گھڑ لیا جیسے کہ اُس کے ایام میں لوگ محمد کے بارہ میں قصوں کو گھڑ لیتے تھے؟

کتاب احیا میں مفصلہ ذیل واقعات کا ذکر ہے۔ حقیقی اور اپوکرفل مسیح کی زندگی کے بارہ میں جو زمین پر بحیثیت نبی اور ولی اللہ گزرے۔ ہم شروع میں یہ بیان کرینگے کہ مسیح کی بیگناہی کے بارے میں الغزالی نے کیا کہا۔ "یہ کہا گیا ہے کہ شیطان (لعنۃ اللہ علیہ) یسوع کے پاس آیا اور اُسے کہا "کہہ لا الہ الا اللہ"۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ کلمہ تو صحیح ہے لیکن میں تیرے پیچھے پیچھے یہ نہ کہونگا" (جلد سوم صفحہ ۲۳)۔

پھر "یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب یسوع پیدا ہؤا تو شیاطین نے ابلیس کے پاس آکر کہا کہ "سارے بُت مُنہ کے بل گر پڑے ہیں اُس نے کہا یہ تمہاری وجہ سے وقوع میں آیا"۔ پھر وہ اُڑا اور اور زمین کے طبقے پر پہنچا۔ تو اُس نے معلوم کیا کہ یسوع پیدا ہؤا ہے اور فرشتے اُس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ پھر اُس نے شیاطین کے پاس واپس جاکر اُن سے کہا "فی الحقیقت کل ایک نبی پیدا ہؤا۔ کسی عورت سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہؤا کہ میں وہاں موجود نہ ہوں۔ سوائے اس بچہ کی پیدائش کے"۔ اور اسی وجہ سے لوگ بتوں کی پرستش سے مایوس ہوگئے (جلد سوم صفحہ ۲۶)۔

"یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز یسوع پتھر پر تکیہ لگائے تھا اور شیطان نے پاس سے گزر کر کہا "اے یسوع اب

تو نے اپنی محبت دنیا کے لئے ظاہر کی ہے"۔ تب یسوع نے وہ پتھر اُٹھایا اور اُس کی طرف پھینک کر کہا "اِسے اور دُنیا کو لے" (جلد سوم صفحہ ۲۶)۔ ناصرت میں اُس کے لڑکپن کے بارہ میں یہ بیان آیا ہے "کسی نے یسوع سے کہا "تمہیں تعلیم کس نے دی"؟ اُس نے جواب دیا۔ "کسی نے نہیں" "میں نے احمقوں کی احمقی دیکھ کر اُسے حقیر جانا اور اُس سے روگردان ہؤا"۔ "یسوع نبی اُن میں سے تھا جو خاص طور پر مقربین تھے۔ اِس کے ثبوتوں میں سے ایک یہ ثبوت ہے کہ اُس نے اپنے پر سلام کہا۔ کیونکہ اس کا یہ قول ہے "سلامتی اُس دن پر کہ میں پیدا ہؤا اور جس دن میں مرونگا اور جس دن میں پھر زندہ کیا جاؤنگا"۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ اُسے دلی اطمینان حاصل تھا اور سب آدمیوں سے محبت اور الفت رکھتا تھا۔ لیکن یحییٰ ابن زکریا (سلمہ اللہ) خدا سے خوف رکھتا تھا اور اُس نے یہ الفاظ اس وقت تک نہ کہے جب تک کہ اُس کے خالق نے اُس سے نہ دُہرائے۔ جس نے یہ کہا "سلام اُس دِن پر کہ تو پیدا ہؤا۔ جس دن کہ تو مر گیا اور جس دِن کہ تُو زندہ کیا گیا"۔ مذکورہ بالا انتقالات پر یہ دلچسپ تفسیر ہے جو قرآن کی اُسی سُورت میں آئے ہیں اور کسی دوسری جگہ میں یسوع کی فوقیت یحییٰ پر ظاہر کرنے کے لئے مستعمل نہیں ہوئے (جلد چہارم صفحہ ۲۴۵)۔

الغزالی نے یسوع کو وُہی لقب دئے جو قرآن میں دئے

گئے ہیں یعنی ابن مریم۔ روح اللہ۔ حکمتہ اللہ۔ نبی۔ اور رسول۔
لیکن یہ پچھلے لقب چنداں وقعت نہیں رکھتے کیونکہ اس نے
اسلامی اس عجیب قیاس کو مانا کہ کم از کم ۱۲۴۰۰۰ انبیا دُنیا کے
شروع سے ہوئے ہیں۔ اُس کے رسالہ "اقتصاد" میں اُس نے
یہودیوں پر ثابت کرنے کے لئے ایک طویل دلیل دی ہے کہ
یسوع فی الحقیقت نبی تھا اور اس دلیل کا حصر اُس کی تعلیم اور
معجزوں پر رکھا۔ (صفحہ ۸۳ سے ۸۶) ۔ اُس نے اپنے رسالے
جواہر القرآن میں کنواری مریم کو بھی نبیوں میں شمار کیا اور اُن کا شمار
اِس ترتیب سے دیا۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ ہارون۔
زکریاہ۔ یحییٰ۔ یسوع۔ مریم۔ داؤد۔ سلیمان۔ یشوع۔ لوط۔
ادریس۔ خضر۔ شعیب۔ الیاس۔ محمد ✣

ہمارے خداوند کے روزے کے بارے میں الغزالی نے
یہ بیان کیا "یہ لکھا ہے کہ یسوع نے (سلمہ اللہ) ساٹھ دن کا
روزہ رکھا اور دعا میں مصروف رہا۔ تب اُسے روٹی کا خیال آیا
اور دیکھو کہ اُس کے ہاتھوں کے مابین ایک روٹی ظاہر ہوئی۔
تب وہ بیٹھ کر رونے لگا کہ میں دعا مانگنے بھول گیا اور دیکھو
ایک بوڑھا آدمی اُس کے پاس آیا اور اُس نے کہا۔ 'اے عبداللہ
خدا تجھے برکت دے۔ خدا تعالےٰ کو یاد کر کہ میں بھی غم کی حالت
میں تھا اور میں نے روٹی کا خیال کیا حتیٰ کہ میں دعا مانگنا بھول

گیا۔ تب اس بوڑھے آدمی نے دعا کی" اے خدا اگر تجھے کوئی موقعہ یاد ہے۔ جب میرے دعا مانگتے وقت میرے دماغ میں روٹی کا خیال پیدا ہوا تو مجھے معاف نہ کر"۔ تب اس نے یسوع کو کہا۔ جب کوئی شے میرے پاس کھانے کے لئے لاتا ہے تو میں اُسے کھالیتا ہوں بلا اِس کے سوچے کہ وہ کیا ہے" (جلد سوم صفحہ ۶۱)۔ مفصلہ ذیل قصہ انجیل کے اِس حکم پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ" اپنی آنکھ نکال ڈال" اگر وہ ٹھوکر کھلائے۔" یسوع (سلمہ اللہ) کے بارہ میں یہ بیان ہؤا ہے کہ ایک دفعہ وہ بارش کے لئے دعا مانگنے گئے اور جب لوگ جمع ہوئے تو یسوع نے اُن سے کہا" تم میں سے جو کوئی گناہ کا مرتکب ہؤا ہے وہ لوٹ جائے" اِس پر سب چلے گئے اور نماز میں اس کے ساتھ ایک کے سوا کوئی نہ رہا۔ اور یسوع نے اُس سے کہا" کیا تو نے کوئی گناہ کیا ہے"؟ اُس نے جواب دیا" خدا کی قسم مجھے کچھ معلوم نہیں سوائے اِس کے کہ ایک دن جب میں دعا مانگ رہا تھا تو ایک عورت میرے پاس سے گزری اور میں نے اِس آنکھ سے اس پر نگاہ کی اور میں نے اُس کو نکال دیا اور جاکر اُس عورت سے معافی مانگی"۔ تب یسوع نے اُس سے کہا" خدا سے دعا مانگ تاکہ میں تیری خلوص قلبی کا یقین کروں"۔ تب اُس آدمی نے دعا مانگی اور آسمان پر بادل چھاگئے اور مینہ چھما چھم برسنے لگا"۔ (جلد دوم صفحہ ۲۱۷)

مسیح کے معجزات کے بارہ میں مفصلہ ذیل قصّے آئے ہیں۔ شاگردوں نے یسوع کو کہا "دنیا کے بارہ میں تیرا خیال کیا ہے" اُنہوں نے کہا ہم تو اُسے اچھا جانتے ہیں"۔ یسوع نے جواب دیا کہ "میرے نزدیک تو یہ اور خاک برابر ہیں" (جلد سوم صفحہ ۱۶۱)

"نبی کو کسی نے کہا کہ یسوع (سلمہ اللہ) تو پانی پر چلا کرتا تھا اُس نے جواب دیا کہ اگر وہ پاکیزگی میں زیادہ کوشش کرتا تو ہوا میں اڑ سکتا" (جلد چہارم۔ صفحہ ۱۷)۔ "یہ بیان کیا ہے کہ کوئی ڈاکو بنی اسرائیل کے مسافروں کو چالیس برس تک لوٹتا رہا۔ یسوع ایک روز اُس راہ سے گزرا اور اُس کے پیچھے پیچھے بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے ایک ولی جو یسوع کا شاگرد تھا جا رہا تھا۔ اُس ڈاکو نے اپنے دل میں کہا "یہ جو گزر رہا ہے خدا کا نبی ہے اور اُس کے ساتھ اس کا ایک شاگرد ہے۔ اگر میں پیچھے جاؤں تو میں تیسرا ہونگا" پھر اُس نے یہ بیان کیا کہ اُس ڈاکو نے اپنی فروتنی اِس طرح سے ظاہر کی کہ وہ یسوع کے پیچھے نہیں بلکہ اُسکے شاگرد کے پیچھے چلتا تھا۔ یسوع نے اُن دونوں کو اُن کے گناہ پر ملامت کی (جلد چہارم۔ صفحہ ۱۱۰)۔ "یہ بیان ہوا ہے کہ یسوع (سلمہ اللہ) ایک اندھے کے پاس سے گزرا جو کوڑھی بھی تھا اور دونوں پاؤں سے لنگڑا کیونکہ مفلوج تھا اور کوڑھ سے اُس کا گوشت سڑ گل گیا تھا اور وہ یہ کہہ رہا تھا "خدا کی حمد ہو جس نے مجھے صحت بخشی

اور بہت مصیبتوں سے بچایا جس میں دیگر مخلوق مبتلا ہیں"۔ تب یسوع نے اُس کو کہا اے دوست تو اپنے تئیں کس مصیبت سے آزاد سمجھتا ہے؟ اور اُس نے جواب دیا اے روح اللہ میں اُن سے بہتر ہوں جن کے دل میں خدا نے اپنا عرفان اور فضل نہیں ڈالا اور یسوع نے کہا" تو نے سچ کہا۔ اپنا ہاتھ پھیلا" اور اُس نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور اُس کے بدن اور شکل کو کامل شفا حاصل ہوئی۔ کیونکہ خدا نے اُس کی ساری مرض دور کر دی۔ سو وہ یسوع کے ساتھ ہولیا اور اُس کو سجدہ کیا" (جلد چہارم۔ صفحہ ۲۵۰) +

الغزالی نے یسوع کی بیماروں کو شفا دینے کی طاقت کا اکثر نقشہ کھینچا ہے۔ کیونکہ مسیح کے رحم کی صفت ہمیشہ اور ہر جگہ مسلمانوں کو پسند آئی۔ چنانچہ مثنوی معنوی میں اِس کی ایک عمدہ مثال ملتی ہے اور جس کو الغزالی نے فصل بہ فصل نثر میں نقل کیا ہے:

درخانہ عیسٰے صاحبدلوں کی ضیافت گاہ تھا۔
مصیبت زدہ اُس کا دروازے چھوڑ کر نہ جاتے
چاروں طرف سے لوگ ہمیشہ جمع رہتے۔
بہت اندھے۔ لنگڑے۔ لولے اور مصیبت کے
مارے علے الصباح عیسٰے کے گھر کے دروازے پر تاکہ
وہ اپنے دَم سے اُن کی بیماریوں کو دور کرے۔
جونہیں وہ اپنی دعا مانگ چکتا۔

وہ قدوس تیسرے گھنٹے کے قریب باہر نکلتا ۔ وہ
صف صف ان ناتوانوں کی ملاحظہ کرتا ۔
جو امید و توقع سے اُس کے دروازے پر بیٹھے تھے
وہ اُن سے یہ کہہ کر کلام کرتا ۔ اے مریضو تمہاری
تمناؤں کو خدا نے پورا کر دیا ۔ اٹھو چلو بلا درد دکھ کے
خدا کی رحمت و شفقت کو مانو ۔
پھر سب ۔ جیسے اونٹ جن کے پاؤں بندھے
ہوں جب تم سڑک پر اُن کے پاؤں کھول دو ۔
تو فی الفور خوشی و خرمی سے اپنے منزل مقصود کو
جاتے ہیں ۔
اِس طرح وہ اُس کے حکم سے اپنے پاؤں پر نکل
بھاگتے ہیں"۔
مگر بہت سے معجزے اس قصے میں بہت چھچھورے سے ہیں
"کوئی آدمی یسوع (سلمہ اللہ) ابن مریم کے ساتھ ہولیا اور یہ کہا ۔
"میں تیرا رفیق ہو کر ہمراہ جانا چاہتا ہوں"۔ پس وہ روانہ ہوئے اور
ایک دریا کے کنارے پہنچے اور وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا ۔ اُن کے
پاس تین روٹیاں تھیں ۔ اُنہوں نے دو تو کھالیں اور تیسری باقی
رہی ۔ تب یسوع اُٹھ کر دریا سے پانی پینے گیا اور واپس آکر
تیسری روٹی نہ پائی ۔ اُس نے آدمی کو کہا کہ کس نے روٹی لی ۔

اُس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ پس وہ اپنے ہمراہی کے ساتھ روانہ ہوا اور اُس نے ایک غزال کو دیکھا جس کے دو بچے تھے اور یسوع نے اُن میں سے ایک کو بُلایا اور وہ اُس کے پاس آیا اور اُسے ذبح کر کے پکایا اور اُسے مل کر کھالیا۔ تب اُس نے بچہ کو کہا "خدا کی مرضی سے اُٹھ"۔ اور وہ اُٹھا اور چلا گیا اور پھر مُڑ کر اُس آدمی سے کہا کہ میں اُس کے نام سے جس نے یہ معجزہ تیری آنکھوں کے سامنے دکھایا تجھ سے پوچھتا ہوں کہ وہ روٹی کس نے لی۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ پھر وہ ایک غار میں گئے اور یسوع (سلمہ اللہ) نے ریت پر کنکر جمع کرنے شروع کئے اور اُن کو کہا "خدا کے حکم سے روٹی بن جاؤ"۔ اور وہ روٹی بن گئی۔ پھر اُس نے اُن کو تین حصوں میں تقسیم کر کے کہا "تیسرا حصہ میرے لئے۔ تیسرا حصہ تیرے لئے۔ اور تیسرا حصہ اُس شخص کے لئے جس نے روٹی لی۔ تب اُس آدمی نے کہا کہ "میں نے وہ روٹی لی تھی"۔ یسوع نے جواب دیا کہ یہ سب لے اور مجھ سے جدا ہو جا" (جلد سوم۔ صفحہ ۱۸۸)۔ العزالی نے یہ قصہ لالچ اور طمع کے باب میں کہا تاکہ ظاہر کرے کہ جو شخص اس دنیا کو پیار کرتا ہے وہ اولیاء اللہ کا رفیق نہیں ہو سکتا؟

کہ یسوع کلام اور چلن میں حلیم تھا وہ مفصلہ ذیل دو قصوں سے ظاہر ہے:۔ یسوع کے بارہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک

دفعہ ایک سور اُس کے پاس سے گذرا اور یسوع نے اُس سے کہا "سلامتی میں جا"۔ اُنہوں نے اس کو کہا "اے روح اللہ تو سور کو یہ کیوں کہتا ہے"؟ اُس نے جواب دیا "میں اپنی زبان کو بُرے الفاظ سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا" (جلد سوم صفحہ ۸۷)۔ "یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یسوع مع اپنے شاگردوں کے ایک دفعہ ایک کُتّے کی لاش کے پاس سے گزرا۔ شاگردوں نے کہا "اِس کُتّے سے کیسی بد بو آتی ہے"۔ یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا "اس کے سفید دانت کیسے چمک رہے ہیں"۔ اِس سے وہ شاگردوں کو ملامت کرنا چاہتا تھا کہ کتے کو کیوں ملامت کی۔ اور اُن کو یہ سبق سکھایا کہ خدا کی کسی مخلوق کا ذکر بُرائی سے نہ کرو بلکہ اُس کی خوبی کا بیان کرو۔ اِس کا ذکر جلال الدین نے نظم میں کیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"ایک شام کو یسوع چوک میں پھر رہا تھا۔ صداقت اور فضل سے معمور تمثیلیں لوگوں کو سکھا رہا تھا۔ اتنے میں چبوترہ کے نزدیک انبوہ مردم اُٹھتا نظر آیا۔ نفرت انگیز حرکات کرتا اور مکروہ چیخیں مارتا ٹھیر گیا۔ اُستاد اور اُس کے حلیم شاگرد دیکھنے گئے کہ اِس ہنگامے اور نفرت کی وجہ کیا تھی اور دیکھا کہ مرا کتّا پاس پڑا ہے۔ نفرت کا نظارہ جس پر ہر چہرے سے نفرت ٹپکتی تھی کسی نے اپنا ناک بند کیا کسی نے اپنی آنکھ۔ کسی نے منہ پھیر لیا۔ اور سب آپس میں آواز بلند کہنے لگے مکروہ حیوان جس سے زمین و ہوا آلودہ

ہوگئی۔ اُس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور کان گندے ہیں۔ اور اُس کی پسلیاں ننگی ہیں۔

اُس کے زخمی چمڑے پر ایک تسمے کی جگہ باقی نہیں رہی! بلا ریب مکروہ کتا چوری کے واسطے پھانسی ملا۔ اُس کے دانتوں کی سفیدی کے آگے موتی بھی ماند ہیں"!

مفصلہ ذیل عبارت الغزالی کے رسالے "گوہر بے بہا" سے نقل کی جاتی ہے جس میں یسوع کے افلاس فروتنی اور بے خانماں گی کا ذکر ہے:۔ "یسوع مسیح پر غور کرو۔ کیونکہ اُس کی نسبت یہ بیان ہؤا ہے کہ سوائے اُون کے ایک چوغے کے اُس کے پاس کچھ نہ تھا اُسی کو وہ بیس سال تک پہنے رہا اور اپنے سارے سفروں میں کچھ اپنے ساتھ نہ لیا سوائے پانی کی صراحی تسبیح۔ اور کنگھی کے۔ ایک دن اُس نے ایک آدمی کو بذی سے ہاتھوں کے ساتھ پانی پیتے دیکھا۔ اس پر اُس نے اپنی صراحی پھینک دی اور پھر کبھی اُسے استعمال نہ کیا۔ اُس نے ایک دوسرے شخص کو انگلیوں سے اپنے بالوں کو درست کرتے دیکھا۔ اس پر اُس نے اپنی کنگھی پھینک دی اور کبھی اُسے استعمال نہ کیا! اور یسوع یہ کہا کرتا تھا۔ "میرا گھوڑا میری ٹانگیں ہیں۔ میرا گھر زمین کی غاریں۔ میری خوراک زمین کی نباتات۔ میں دریاؤں سے پانی پیتا ہوں اور میرا مسکن ابنائے آدم میں ہے"۔ ایک دوسرے

موقعہ پر اُس نے یہ لکھا! یسوع سے کسی نے کہا" اگر تو ایک گھر لے کر رہاں رہے تو تیرے لئے بہتر ہوگا"۔ اُس نے جواب دیا۔ "جو ہم سے پہلے گزر گئے اُن کے گھر کہاں ہیں" (احیا جلد سوم صفحہ ۱۴۰) +

ایک قصہ (جلد چہارم ۔ صفحہ ۳۲۶) اِس امر کو ظاہر کرنے کے لئے بیان ہوا ہے کہ یسوع لوگوں کے دلوں کا حال جانتا تھا اور خدا سے دُعا مانگ کر اُن کے ارادے کو بدل سکتا تھا۔ اِس قصہ میں ایک بوڑھے شخص کا بیان ہے جس سے زمین کو جھاڑ دینے کا کام اُس نے چھوڑا دیا۔ اور سُلا دیا تا کہ اُٹھ کر پھر کام کرے +

ایک دوسرا قصہ یوں آیا ہے " یہ بیان ہوا ہے کہ یسوع (سلمہ اللہ) اپنی سیاحتوں میں ایک سوتے ہوئے آدمی کے پاس سے گزرا جو اپنے کپڑے میں لپٹا پڑا تھا۔ اُس نے اُسے جگا کر کہا۔ "اے سونے والے اُٹھ اور خدا کا ذکر کر۔" اُس نے جواب دیا۔ "تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ میں نے تو دُنیا کو اُس کے اہالیان کے لئے ترک کر دیا"۔ یسوع نے جواب دیا "تب سو بارہ اسے میرے عزیز"۔ (جلد چہارم ۔ صفحہ ۱۴۰) "یسوع کی نسبت یہ بیان ہوا ہے کہ وہ کسی آدمی کی دیوار کے سایہ تلے بیٹھا تھا۔ اُس آدمی نے اُسے وہاں بیٹھے دیکھ کر کہا کہ یہاں سے اُٹھ کھڑا ہو اور وہ

اس پر یسوع نے جواب دیا - کہ تو نے مجھے اُٹھا کر کھڑا نہیں کیا بلکہ خدا نے اُٹھا کر کھڑا کیا - کیونکہ خدا نہیں چاہتا کہ دِن کے وقت سایہ میں خوشی مناؤں" (جلد چہارم - صفحہ ۱۶۳) - اِس زندگی کی حقیقت سی خوشی بھی خدا کے اولیاؤں کے لئے نہیں +

"یحییٰ نے یسوع کو کہا (سلمہ اللہ) "خفا نہ ہو" - یسوع نے جواب دیا - "میں خفا ہونے سے بالکل رہ نہیں سکتا کیونکہ میں انسان ہوں" - تب یحییٰ نے کہا "جائداد کی تمنا نہ رکھ - یسوع نے جواب دیا کہ "یہ ممکن ہے" - (جلد سوم - صفحہ ۱۱۴) +

اُس نے یسوع کی مفصلہ ذیل دعا بھی نقل کی (جلد اوّل - صفحہ ۲۲۲) - "یسوع خدا سے یہ کہا کرتے تھے" اے خدا - میں نیند سے اُٹھا ہوں اور جس سے میں نفرت رکھتا ہوں اُس کو اپنے سے ہٹا نہیں سکتا اور نہ اُس سے فائدہ اُٹھانے کی قابلیت رکھتا ہوں جسے میں چاہتا ہوں - یہ سارا معاملہ میرے سوا کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے - میں نے اپنے کام کو پورا کرنے کا عہد کیا ہے اور میرے جیسا کوئی دوسرا غریب نہیں - اے خدا مجھ پر میرے دشمنوں کو خوشی منانے نہ دے اور نہ میرے دوست مجھ سے بُرائی کریں اور نہ میرے دین کے بارہ میں کوئی مصیبت مجھ پر آئے اور میں دنیا کی فکر میں مستغرق نہ ہو جاؤں اور نہ بے رحم آدمی مجھ پر غالب آئے - اے ازلی ابدی خدا" +

"یسوع (سلمہ اللہ) کے بارہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا نے اُس سے یہ کہہ کر کلام کیا" گو تم آسمان و زمین کے لوگوں کے برابر میری عبادت کرو اور خدا کی محبت تمہارے دل میں نہ ہو بلکہ اُس کی طرف سے نفرت ہو تو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا"۔ (جلد دوم۔ صفحہ ۲۱۰) "خدا تعالےٰ نے یسوع (سلمہ اللہ) کو کہا" فی الحقیقت جب میں اپنے بندے کے پوشیدہ خیالوں پر نگاہ ڈالتا ہوں اور اُن میں اِس دنیا کی نہ اُس دُنیا کی مُحبت پاتا ہوں تو میں اُس کے دِل کو اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں اور میں اس کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہوں" (جلد چہارم صفحہ ۲۵۸) کیمیاے سعادت میں جو اشارہ اِس مضمون کی طرف آیا ہے اُس کا ذکر ہو چکا ہے :۔

"یسوع (سلمہ اللہ) نے دنیا کو ایک بدصورت کُبڑی بڑھیا کی صورت میں دیکھا۔ اُس نے بڑھیا سے پوچھا کہ تو کتنے خاوند کر چکی ہے اس نے جواب دیا کہ وہ بے شمار ہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کہ اُن میں کوئی مر گیا یا کسی کو طلاق دیا گیا۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ خواہ وہ مر گئے یا اُن کو طلاق دیا لیکن میں نے اُن سبھوں کو قتل کیا۔ اُس نے کہا۔ مجھے تعجب ہے کہ یہ احمق یہ دیکھ کر بھی کہ تو نے دوسرے خاوندوں کے ساتھ کیا سلوک کیا پھر بھی تیری تمنا رکھتے ہیں"۔

"یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا" اس دنیا کو پیار کرنے والا اُس آدمی کی مانند ہے۔ جو سمندر کا پانی پی رہا ہو۔ جتنا وہ پیتا ہے اُتنا

ہی زیادہ پیاسا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ بغیر پیاس بجھے ہلاک ہوتا ہے"+
مگر الغزالی نے مسیح کی زندگی سے کبھی وہ نتیجہ نہیں نکالا جو انجیل کو غور سے پڑھنے والا نکال سکتا تھا۔ یعنی یہ کہ دنیا کا حقیقی تارک دوسروں کی خدمت کرنے ہی سے بن سکتا ہے نہ آدمیوں سے علیحدگی اختیار کرنے سے۔ محمدی تصوف سے ہمیشہ دو بد نتائج پیدا ہوئے جیسا کہ میجر ڈوری آس بُرن صاحب (Duri Osburn) نے بیان کیا "اس نے ان دو قسم کے لوگوں میں ایک گہری خلیج پیدا کر دی ہے۔ جو خدا کو جان سکتے ہیں اور جو تاریکی میں آوارہ پھرتے ہیں اور ریت رسوم کے چھلکوں پر گزران کرتے ہیں۔ بڑی تاکید سے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ دنیا کو کامل طور سے ترک کرنے کے ذریعہ آدمی کی ہستی کا حقیقی مقصد حاصل ہونا ممکن ہے۔ اس لئے سب شریف اور راست ذاتوں نے۔ ایسے لوگ جو اسلام کی زوال پذیر جماعت میں نئی جان ڈال سکتے تھے۔ اپنے معمولی کام کو چھوڑ دیا اور بیابانوں اور ویرانوں میں گھومنے لگے یا اپنی زندگیاں کاہلت اور غیر مفید بیکاری میں صرف کرنے لگے۔ جس حالت کا نام اُنہوں نے روحانی اعتکاف یا ذکر رکھا۔ لیکن یہ اُس بدی کا ایک جز ہے۔ ہمہ اوست کا منطقی نتیجہ اخلاقی شریعت کا عدم ہے۔ اگر خدا سب میں سب کچھ ہو اور انسان کی ظاہرا فردیت ثوت متخیلہ کا دھوکا

ہو تو کوئی ارادہ نہیں رہتا جو عمل کرے نہ نور قلب رہتا ہے کہ الزام دے اور تعریف کرے ۔ ہزاروں ناعاقبت اندیش اور مسرف ارواح درویشوں کے خاندانوں میں شریک ہوئے تاکہ جو آزادی اُن کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے اُس کا حظ اُٹھائیں ۔ اُن کی دینداری کی آڑ شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کی ٹٹی ہے ۔ اسلام کی رسمیات سے اُن کی آزادگی اخلاقی او امر و نواہی سے آزادگی ہے ۔ پس ایسی تحریک جس کا آغاز اِس اعلےٰ اور افضل مقصد سے ہُوا وہ بگڑتے بگڑتے بدی کا چشمہ بن گئی ۔ وہ ندی جو سر سبز دریا بن سکتی تھی وہ ایک وسیع دَلدل بن گئی جس سے امراض و موت بھرے بخارات نکلتے ہیں" ۔

یسوع کی تعلیم کے بارہ میں کتاب احیا میں یہ عبارت پائی جاتی ہے ۔ جہاں ممکن ہُوا ۔ میں نے نئے عہدنامے کا حوالہ بھی دے دیا ہے ۔ یہ مقامات کچھ تو متی کی انجیل سے لئے گئے ہیں خاص کر پہاڑی وعظ سے ۔ اِن کو پہلے نقل کیا ہے اور بعدازاں اپوکرفل اقوال کو ۔ کیونکہ کسی منطقی ترتیب کو قائم رکھنا مشکل ہے "یسوع نے کہا" اگر کوئی شخص تیرے پاس آئے جب کہ اُس نے روزہ رکھا ہے تو وہ اپنے سر پر تیل ملے اور اپنے ہونٹوں کو پونچھے تاکہ آدمی یہ نہ کہیں کہ وہ روزہ دار ہے اگر وہ اپنے داہنے ہاتھ سے خیرات دے تو اُس کا بائیاں ہاتھ نہ جانے ۔ اور اگر

وہ دعا مانگے تو اپنے دروازے پر پردہ ڈالے۔ کیونکہ سچ خدا اُس کی تکلیف سے ایسا ہی واقف ہے جیسا کہ وہ ہماری روزانہ خوراک کا علم رکھتا ہے" (جلد سوم۔ صفحہ ۲۰۳) ✦

"یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا موتیوں کو سوروں کے گلے میں نہ ڈالو۔ کیونکہ حکمت موتیوں سے بہتر ہے" (جلد اول۔ صفحہ ۴۳ + متی ۷ - ۶) ✦

"یسوع نے کہا (سلمہ اللہ) جو کوئی عمل کرے اور سکھلائے وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا" (جلد اول۔ صفحہ ۶ - متی ۵ - ۱۹) ✦

"یسوع نے کہا تم کب تک صراط مستقیم اُن لوگوں کو بتاؤ گے جو گمراہ جاتے ہیں اور خود اُن میں رہوگے جو پریشان خاطر ہیں"۔ (جلد اول۔ صفحہ ۴۴۔ متی ۲۳ - ۱۳) ✦

یسوع نے کہا "بدی کے معلم اُس بڑے پتھر کی مانند ہیں جو چاہ کے منہ پر پڑا ہے اور اُس کے پانی کو کاشت شدہ کھیتوں میں جانے نہیں دیتا" (جلد اول۔ صفحہ ۴۵۔ متی ۲۳ - ۱۳) ✦

یسوع نے کہا "وہ آدمی اہل حکمت سے کیسے تعلق رکھ سکتا ہے جو اپنی زندگی کے شروع سے آخر تک اس دنیا کی چیزوں کے فکر میں رہتا ہے"۔ (جلد اول۔ صفحہ ۴۶۔ متی ۶ - ۲۳) ✦

پھر اُس نے ذکر کیا کہ خدا نے یسوع سے یوں خطاب

کیا "اے ابن مریم - اپنے تئیں وعظ کر - کیونکہ اگر تو اپنے تئیں وعظ کریگا تو تو آدمیوں کو وعظ کر سکیگا اور اگر اس سے نہ ڈرے"۔ (جلد اوّل - صفحہ ۴۷) ✣

"یسوع نے کہا (سلمہ اللہ) مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے تئیں اِس دنیا میں فروتن بناتے ہیں کیونکہ وہ عدالت کے روز تختوں کے مالک ہونگے - مبارک ہیں وہ جو اس دنیا میں آدمیوں کے درمیان صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ قیامت کے دن فردوس کے وارث ہونگے - مبارک ہیں وہ جو اس دنیا میں غریب ہیں کیونکہ وہ قیامت کے روز خدا تعالےٰ کو دیکھینگے" (جلد سوم صفحہ ۲۳۷ - متی ۵ - ۳ سے ۹) ✣

"کسی نے یسوع سے کہا "آپ اپنے سفروں میں مجھے اپنے ساتھ لے چل"۔ اُس نے جواب دیا جو کچھ تیرے پاس ہے اُسے دے ڈال اور میرے پیچھے ہو لے" (جلد چہارم صفحہ ۱۷۰ - لوقا ۹ - ۵۷ - متی ۱۹ - ۲۱) (یہاں دو مقام خلط ملط ہیں) ✣

"یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا "اگلوں سے کہا گیا تھا دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک - لیکن میں تمہیں کہتا ہوں - بدی کے عوض بدی نہ کرو بلکہ جو کوئی تمہارے داہنے گال پر طماچہ مارے تو بائیں گال بھی اُس کی طرف پھیر دو اور جو کوئی تجھے اپنے ساتھ ایک میل لے جانا چاہے اُس کے ساتھ

دو میل چلا جا - اور جو کوئی تیرا چوغہ لینا چاہے اسے اپنے اندر کا کپڑا بھی لینے دے"۔ (جلد چہارم صفحہ ۵۲ - متی ۵ - ۳۰ سے ۴۱)۔ یہ آیات بہت کچھ صحیح اقتباسات ہیں - اور پہاڑی وعظ کے کسی ترجمے سے لئے گئے ہونگے۔ اور کہیں کچھ خلط ملط بھی کیا ہے ٭

"شاگردوں نے یسوع کو کہا (سلمہ اللہ) "دیکھ یہ مسجد کیسی خوبصورت ہے"۔ اُس نے جواب دیا - "اے میری قوم - میں تمہیں سچ کہتا ہوں - خدا اِس کے پتھر پر پتھر نہ چھوڑیگا بلکہ وہ اسے اس کے لوگوں کے گناہوں کے باعث برباد کر دیگا - فی الحقیقت خدا کو سونے روپے کی پرواہ نہیں - اور نہ اِن پتھروں کی جن پر تم تعجّب کرتے ہو - لیکن خدا سب سے زیادہ پاکیزہ دلوں کو پیار کرتا ہے اُن کے ساتھ خدا زمین کو بنا سکتا - اور اگر وہ نیک نہ ہوں تو وہ ضائع ہونگے"۔ (احیا - جلد سوم صفحہ ۲۸۸ - متی ۲۴: ۲)

یسوع نے کہا "دنیا کو اپنا آقا نہ بناؤ ورنہ وہ تم کو اپنا غلام بنا لیگی - اپنا خزانہ اُس کے پاس جمع کرو جو اُس کو نہ کھوئے - کیونکہ جو کوئی زمین میں خزانہ جمع کرتا ہے وہ ڈرتا ہے کہ کوئی اُسے برباد نہ کر دے - لیکن جس نے خدا کے پاس خزانہ جمع کیا اُس کو کوئی اندیشہ نہیں کہ اُس کے خزانے کو کوئی نقصان پہنچا سکیگا" (متی ۶ - ۹ سے ۲۱)۔ اور یسوع نے یہ بھی کہا "اے رسولوں کے گروہ دیکھو میں نے دنیا کو زمین پر اُنڈیل دیا ہے اِس لئے میرے

پیچھے اِس کو پھر نہ اُٹھا لینا کیونکہ اس دنیا کی خرابی یہ ہے کہ آدمی اس میں خدا کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اور دنیا کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ موجودہ دُنیا کو چھوڑے بغیر عاقبت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے اِس دُنیا میں سے گزر جاؤ لیکن اِس میں تعمیر نہ کرو۔ جان لو کہ سارے گناہ کی جڑ اِس دُنیا کی محبت ہے اور شاید ایک گھنٹہ کی تمنا جو اِس کی پیروی کرتے ہیں عاقبت کو ہمیشہ کے لئے کھو دینگے۔ اُس نے یہ بھی کہا۔ میں نے دنیا کو تمہارے سامنے پھینک دیا ہے اور تم اُس کی پُشت پر بیٹھے ہو اِس لئے موقعہ نہ دو کہ بادشاہ یا عورتیں اِس کے بارہ میں تم سے جھگڑا کریں۔ بادشاہوں کے بارہ میں میری صلاح یہ ہے کہ اُن سے اِس کے قبضے کے بارے میں کبھی جھگڑا نہ کرو کیونکہ وہ کبھی تم کو اسے واپس نہ دینگے۔ رہا عورتوں کا۔ دعا اور روزے کے ذریعہ اُن سے اپنی حفاظت کرو"۔ (جلد سوم۔ صفحہ ۱۳۹) یسوع نے کہا "اس دنیا کی محبّت اور عاقبت کی محبّت ایک ہی دِل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ جیسے پانی اور آگ ایک ہی دِل میں جمع نہیں ہو سکتے"۔ (جلد سوم۔ صفحہ ۱۴۰)

یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا "اے بدی کے معلمو۔ تم روزہ رکھتے۔ دعا مانگتے اور خیرات دیتے ہو اُس پر خود عمل نہیں کرتے اور تم وہ باتیں سکھاتے ہو جن کو تم خود نہیں سمجھتے۔ جو کچھ تم کرتے ہو

وہ کیسا بُرا ہے۔ تم منہ سے تو توبہ کرتے ہو لیکن تمہارے اعمال ناکارہ ہیں۔ تم اپنے چمڑوں کو بے فائدہ صاف کرتے ہو جب کہ تمہارے دل بدی سے بھرے ہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی مانند نہ بنو جس میں سے اچھا آٹا تو نکل جاتا ہے اور چھان رہ جاتا ہے اسی طرح تم اپنے منہ سے راستی کو نکال دیتے ہو۔ لیکن دغا تمہارے دلوں میں رہ جاتا ہے۔ اے دنیا کے غلامو! وہ آدمی عاقبت کو کیسے سمجھ سکتا ہے جس کی تمنا اس دنیا پر لگی ہوئی ہے۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے اعمال کے باعث تمہارے دِل گریہ وزاری کرینگے۔ تم نے دنیا کو تو اپنے منہ پر رکھا ہے اور نیک اعمال کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں تم نے اپنی مستقبل زندگی کو خراب کردیا۔ کیونکہ آنے والے جہاں کی نعمتوں کی نسبت تم نے اِس دنیا کی نعمتوں سے محبّت رکھی۔ بچوں میں سے کون تم سے زیادہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ کاش کہ تم اِسے جانتے! تم پر افسوس! کب تک تم صراطِ مستقیم کی تلقین ان لوگوں سے کروگے جو تاریکی میں ہیں اور تم خود شک میں مبتلا ہو؟ گویا تم ابنائے دنیا سے یہ طلب کرتے ہو کہ وہ اس کی عیش و عشرت کو ترک کریں تاکہ تم کو اُن سے حظ اُٹھانے کا کچھ موقعہ ملے۔ تم پر افسوس! اس تاریک گھر کو کیا فائدہ اگر چراغ جلا کر اُس کی چھت پر رکھا جائے۔ اور گھر کے کمرے

اندھیرے رہیں؟ اسی طرح تم کو کچھ فائدہ نہ ملیگا اگر علم کا نور تمہارے ہونٹوں پر ہو اور تمہارے دلوں میں تاریکی ہو۔ اے دنیا کے غلامو تمہاری راستبازی یا تمہاری آزادگی کہاں ہے؟ غالباً دنیا تم کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیگی۔ اور منہ کے بل گرادیگی اور خاک میں گھسیٹیگی۔ وہ تمہارے گناہوں کو تمہاری پیشانیوں پر آشکارا کریگی۔ پھر وہ تمہیں اپنے آگے دھکیلتی جائیگی حتیٰ کہ تم میں سے ہر ایک حالت عُریانی میں عدالت کے فرشتے کے حوالے کیا جائے تب تم کو تمہارے بداعمال کی سزا ملیگی"۔ (جلد سوم صفحہ ۱۸۳ متی ۲۳ - ۱ سے ۲۷) ÷

"کل کی خوراک کے بارے میں فکر نہ کرو۔ شاید کل تمہاری موت کا دِن ہوگا" (جلد چہارم۔ صفحہ ۳۳۰۔ متی ۶ - ۳۴) ÷

"پرندے کو دیکھو۔ وہ نہ بوتا۔ نہ کاٹتا نہ ذخیرہ جمع کرتا ہے اور خدا تعالےٰ اُسے روزی پہنچاتا ہے" (جلد چہارم صفحہ ۱۹۰ متی ۶ - ۲۶)

"یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا وہ دانا نہیں جو آزمائشوں میں بدن کی امراض میں اور جائداد کے ضائع ہونے میں مبتلا ہوکر خوش نہیں ہوتا۔ کیونکہ اِن کے ذریعہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے" (جلد چہارم۔ صفحہ ۲۰۵۔ متی ۵ - ۱۰) ÷

"یسوع کے بارہ میں لکھا ہے کہ اُس نے یہ کہا اگر تم کسی نوجوان کو خدا سے دعا مانگنے کا بہت گرویدہ دیکھو تو جان لو

کہ وہ ساری آزمائشوں سے بچ نکلا ہے"۔ (جلد چہارم ۔ صفحہ ۲۲۱ ۔ متی ۲۶ ۔ ۴۱) شاید گتسمنی میں مسیح کے الفاظ کی طرف اشارہ ہے ÷

"یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا خطا کاروں سے نفرت رکھنے کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کے طالب ہو۔ انہوں نے اُس کو کہا اے روح اللہ ہم کس کے ساتھ صحبت رکھیں"؟ اُس نے انہیں جواب دیا "اُن کے ساتھ صحبت رکھو جو تمہیں خدا کی یاد دلائیں اور جو لوگ تمہارے چال چلن پر ملامت کریں اور جن لوگوں کا نمونہ آئندہ جہان کے لئے تمہیں سرگرم بنائے" (جلد دوم صفحہ ۱۱

"یسوع (سلمہ اللہ) کے بارہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ اُس نے بنی اسرائیل کو کہا "جو تم بوتے ہو وہ کہاں اُگتا ہے"؟ انہوں نے جواب دیا "اچھی زمین میں" اور اُس نے کہا "میں سچ سچ کہتا ہوں حکمت صرف اُس دل کے سوا اور کہیں نہیں اُگتی جو اچھی زمین ہے" (جلد چہارم ۔ صفحہ ۲۵۶ ۔ مقابلہ کرو متی ۱۳ ۔ ۱ سے ۹)÷

"یسوع نے (سلمہ اللہ) کہا "فی الحقیقت فصل پہاڑوں پر نہیں اُگتی بلکہ میدانوں میں ۔ اِسی طرح حکمت اُن لوگوں کے دِل میں اثر کرتی ہے جو فروتن ہیں اور نہ مغروروں کے دِل میں" (جلد سوم ۔ صفحہ ۲۴۰ ۔ متی ۱۳ ۔ ۲۳) ÷

یسوع سلمہ اللہ نے کہا "نفیس کپڑوں سے مغرور نگاہیں

پیدا ہوتی ہیں" (جلد سوم صفحہ ۲۴۷) +

یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا" تمہیں کیا تکلیف ہے کہ تم راہبوں کے کپڑوں میں آتے ہو اور تمہارے دل پھاڑنے والے بھیڑیوں کے دل ہیں؟ اگر تم چاہو راہبوں کے کپڑے پہنو لیکن خوف خدا سے تمہارے دل فروتن بنیں" (جلد سوم صفحہ ۲۴۷- متی ۷- ۵) +

یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا۔"اے شاگردوں کی گروہ خدا تعالے کو پکارو۔ تاکہ یہ دہشت یعنی موت کی دہشت گھٹ جائے کیونکہ میں موت سے ایسے طریقے سے ڈرتا ہوں کہ میں اُس سے خوف زدہ رہتا ہوں" (جلد چہارم صفحہ ۳۲۴ ۔ متی ۲۶ - ۳۸)+

اب ہم یسوع کے دیگر اقوال جن کا ذکر الغزالی نے کیا ہے نقل کرینگے لیکن اُن کی ترتیب کچھ غلط ملط ہے۔ وہ نہ تو اقتباسات ہیں اور نہ غلط اقتباسات لیکن فہرست کی تکمیل کی وجہ سے وہ دلچسپی رکھتے ہیں اور اس لئے بھی کہ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ الغزالی اور دیگر مسلمانوں کا یسوع نبی کی تعلیم کے بارہ میں کیا خیال تھا ‡

یسوع نے (سلمہ اللہ) کہا" کتنے صحیح الجثہ شکیل چہرے اور فصیح زبانیں کل نار جہنم میں چلائیگی" (جلد چہارم صفحہ ۳۸۳)

یسوع نے کہا" تم میں سے کون سمندر کی لہروں پر گھر

سکتا ہے؟ دنیا ایسی ہی ہے اس لئے اس کو اپنا مسکن نہ بناؤ"۔ (جلد سوم ۔ صفحہ ۱۴۱) ÷

انہوں نے یسوع سے کہا ۔ "خدا کی محبت کا راز ہمیں سکھا" اُس نے جواب دیا "دنیا سے عداوت رکھو تو خدا تمہیں پیار کریگا" (جلد سوم ۔ صفحہ ۱۴۱ ۔ یعقوب ۴ ۔ ۴) ÷

یسوع نے کہا "اے میرے شاگردو دنیا کی کم سے کم چیزوں پر قناعت کرو جب تک کہ تمہارا مذہب با اطمینان ہے جیسے اہل دنیا دین کی کم از کم باتوں پر قناعت کرتے ہیں اور اُن کی جائداد با اطمینان (محفوظ) ہے" (جلد سوم ۔ صفحہ ۱۴۲) ÷

" یسوع نے کہا " اے شخص تو جو محض خالص سونے کے لئے دنیا کی تلاش کرتا ہے دنیا کا ترک کرنا اُس سے قیمتی خزانہ ہے" (جلد سوم ۔ صفحہ ۱۴۲) ÷

انہوں نے یسوع (سلمہ اللہ) سے پوچھا نیک اعمال میں کونسا عمل سب سے اعلےٰ ہے ۔ اُس نے جواب دیا ۔ " خدا جو کچھ خوشی سے عطا کرے اُسے قبول کرلینا اور اُسے پیار کرنا" (جلد چہارم ۔ صفحہ ۲۵۸) ÷

یسوع (سلمہ اللہ) ابن مریم نے کہا " اس دنیا کے چاہنے والوں پر افسوس وہ کتنی جلدی مرجائینگے اور اس دنیا اور مافیہا کو چھوڑ دینگے ۔ دنیا اس کو فریب دیتی ہے اور وہ اس پر بھروسہ

رکھتا ہے اور تکبر کرتا ہے وغیرہ" (جلد سوم صفحہ ۱۸۱- لوقا ۱۲ - ۲۱) ✤
یسوع نے (سلمہ اللہ) کہا "تم اپنے بدنوں کو کشتہ کرو تاکہ تمہاری روحیں خدا کا دیدار حاصل کریں" - (جلد سوم - صفحہ ۵۶ رومیوں ۸ - ۱۳) ✤

یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا "جو شخص نیک اعمال کی تعلیم دیتا اور اُس پر عمل نہیں کرتا وہ اُس عورت کی مانند ہے جو پوشیدگی میں زنا کی مرتکب ہوئی ہو اور اس کے گناہ کا نتیجہ اُس کی حالت سے دیکھنے والوں پر ظاہر ہو جاتا ہے" (جلد اول صفحہ ۴۸) ✤

یسوع نے کہا (سلمہ اللہ) "جو شخص کسی بھیک مانگنے والے کو اپنے گھر سے نکال دیتا ہے - فرشتے اُس کے گھر میں سات دن تک نہ جائینگے" - (جلد دوم - صفحہ ۱۶۲) ✤

آج تک بہت مسلمان اس قول کو اکثر نقل کیا کرتے ہیں - وہ سب مانتے ہیں کہ یسوع غریب و محتاج کا دوست تھا ✤

یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا - وہ شخص مبارک ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب سکھائی - وہ مغرور ظالم ہو کر نہ مریگا" - (جلد سوم - صفحہ ۲۳۵) ✤

یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا "وہ آنکھ مبارک ہے جو سوتی ہے اور خطا نہیں دیکھتی اور جو خطا نہیں اُس کے لئے جاگتی ہے" - (جلد چہارم - صفحہ ۲۶۰) ✤

شاگردوں نے یسوع (سلمہ اللہ) کو کہا "اعمال حسنہ میں کونسا سب سے اعلےٰ ہے"؟ اُس نے جواب دیا "جو کام خدا کے لئے کیا جائے اور خدا کے سوا کسی دوسرے کی تعریف نہ کی جائے"۔ (جلد چہارم۔ صفحہ ۲۷۳)+

یسوع ابن مریم کے شاگردوں نے کہا "اے روح اللہ۔ تیری مثل دنیا پر کوئی اور ہے"؟ اُس نے جواب دیا۔ "ہاں جس کسی کی کمر خدا کی یاد سے کسی ہے اور وہ اِس کی وجہ سے خاموش ہے اور صرف خدا کی عنایت ہی کا خواہاں ہے وہ میری مانند ہے" (جلد چہارم۔ صفحہ ۳۰۵)+

یسوع نے کہا "بدنظری سے خبردار ہو۔ کیونکہ جب یہ دل میں ہوئی تو اُس سے شہوت اور بدخواہش پیدا ہوتی ہے"۔ (جلد چہارم۔ صفحہ ۷۴۔ متی ۵-۲۸)+

یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا "جو کوئی کثرت سے جھوٹ بولتا ہے اُس کا حُسن اُس سے جاتا رہتا ہے اور جو بہت فکر کرتا ہے وہ بیمار رہتا ہے اور جو بدخصلت ہے وہ اپنے تئیں سزا دیتا ہے" (جلد سوم صفحہ ۹۸)+

یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اُس کا خادم ایسی شے کی نسبت جسے وہ ناراست جانتا ہے یہ کہے "خدا جانتا ہے" یا ایسی شے کے بارہ میں جو اُس نے

خواب میں دیکھی ہے جھوٹ کہے" (جلد سوم - صفحہ ۹۸) ✢
اپنے شاگردوں سے یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا۔ اگر تم اپنے کسی بھائی کو سویا ہؤا دیکھو اور ہوا کے جھونکے سے اُس کا کپڑا اُتر جائے تو ایسی حالت میں تم کیا کروگے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم اُسے ڈھانپ دینگے۔ یسوع نے کہا " نہیں بلکہ تم اس کا راز فاش کروگے"۔ انہوں نے کہا "خدا نہ کرے"۔ کون ایسی بات کریگا۔ اُس نے جواب دیا" جب تم سے کوئی اپنے بھائی کے خلاف کچھ سُنتا ہے تو وہ اِس میں مبالغہ کرتا ہے اور اُس خبر کو دوسری میں مشہور کرتا ہے" (جلد دوم - صفحہ ۱۴۲) ✢
یہ روایت ہے کہ یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا۔ اے شاگردوں کی گروہ تم خطا سے مبّرا ہو۔ لیکن ہم رسولوں کی گروہ کُفر سے مبّرا ہیں" (جلد چہارم - صفحہ ۱۲۴) ✢
یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا "مشکل سے دولتمند فردوس میں داخل ہوگا" (جلد چہارم - صفحہ ۱۴۰ - متی ۱۹ - ۲۳) ✢
یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا " سچ مچ میں ایک منقرر گھر کو پسند نہیں کرتا اور اس دنیا کی خوشیوں سے میں ناخوش ہوں"۔ (جلد چہارم - صفحہ ۱۴۰) ✢
یسوع (سلمہ اللہ) نے کہا " اِس دُنیا کے لوگوں کی جائداد پر نگاہ نہ کر۔ کیونکہ تمہارے ایمان کی روشنی میں وہ ہیچ ہے"

(جلد چہارم ۔ صفحہ ۱۴۴) ÷

یسوع سے کہا گیا "اگر تو ہمیں اجازت دے تو ہم گھر بنائینگے اور اُس میں خدا کی عبادت کرینگے"۔ اُس نے جواب دیا "ایسی بنیاد پر ہم کیسے تعمیر کر سکتے ہیں"؟ اُس نے کہا "دنیا کی محبت کے ساتھ تمہاری عبادت کیسے قائم رہ سکتی ہے"۔ (جلد چہارم ۔ صفحہ ۱۵۸) ÷

یسوع کے بارہ میں یہ روایت ہے کہ اُس نے کہا "چار چیزیں ہم کو بجز دشواری حاصل نہیں ہوتیں ۔ خاموشی جو عبادت کا اول اصول ہے ۔ فروتنی ۔ خدا کی کثرت سے یاد ۔ اور ساری حالتوں میں افلاس"۔ (جلد چہارم ۔ صفحہ ۱۵۹) ÷

یسوع (کلمہ اللہ) نے کہا "میں سچ تمہیں کہتا ہوں ۔ جو کوئی آسمان کی تلاش کرے وہ جَو کی روٹی کھائے اور کتوں کے ساتھ روڑی کے ڈھیر پر سوئے ۔ میرے لئے یہ کافی ہے"۔ (جلد چہارم ۔ صفحہ ۱۶۴) ÷

یسوع یہ کہا کرتا تھا ۔ اے بنی اسرائیل ۔ ندی کا پانی تمہارے لئے کافی ہو اور کھیت کی سبزی اور جو کی روٹی اور سفید روٹی سے خبردار ۔ کیونکہ وہ تمہیں عبادت سے باز رکھیگی"۔ (جلد چہارم ۔ صفحہ ۱۶۴) ÷

یسوع (کلمہ اللہ) نے کہا ۔ "میری خوراک بھوک ہے

میرے سارے خیالات خدا کا خوف ہیں۔ میرا لباس صوف ہے۔ موسم سرما میں میرے گرم ہونے کی جگہ سورج کی کرنیں ہیں۔ میری شمع چاند۔ میرا مرکب میری ٹانگیں۔ میری خوراک زمین کا پھل ہے میں خالی بستر جاتا ہوں۔ اور خالی بستر سے اٹھتا ہوں۔ پھر بھی مجھ سے کوئی زیادہ دولتمند نہیں" (جلد چہارم صفحہ ۱۴۰)۔

"یسوع نے کہا (سلمہ اللہ) جو کوئی دنیا کا متلاشی ہے۔ وہ اس آدمی کی مانند ہے جو سمندر کا کھارا پانی پیتا ہے جتنا زیادہ وہ پیتا ہے اتنا ہی زیادہ پیاسا ہوتا ہے یہ قول دوسری دفعہ آیا ہے۔ لیکن الغزالی کو اپنی اس کتاب میں اپنے اقوال کا تکرار بھی پسند تھا۔ اناجیل میں بیان ہوا ہے کہ جو کوئی اس سے معافی مانگتا جو اس کی تعریف کرتا ہے اس نے شیطان کو نکال دیا ہے" (جلد سوم۔ صفحہ ۱۲۷)۔

مفصلہ ذیل اقتباسات یا حوالجات اناجیل سے اس کے چھوٹے رسالوں میں آئے ہیں۔ "کیمیائے سعادت" میں انجیل کا یہ حوالہ ہے "جو کوئی بوتا ہے کاٹتا ہے۔ جو کوئی روانہ ہوتا ہے پہنچتا ہے جو کوئی ڈھونڈتا ہے پاتا ہے"۔ (متی ۷: ۷) ہم اس کے خط سے الفاظ نقل کر چکے ہیں "اے بچے"۔ "سچ مچ میں نے اناجیل میں دیکھا ہے"۔ اسی خط میں اس نے دولتمند اور لعزر کی تمثیل کا حوالہ دیا ہے۔ "جب

اہل دوزخ اہل جنت سے کہینگے "اُس میں سے تھوڑا پانی ہمیں دے جو خدا نے تمہیں ہماری زبانوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے عطا کیا ہے"۔ اُس نے یسوع سے یہ قول بھی منسوب کیا "میں تو مُردوں کو زندہ کرنے کے ناقابل نہ تھا۔ لیکن میں احمقوں کی احمقی کا علاج کرنے کے ناقابل تھا"۔ اُس نے سنہری قانون کو کئی بار نقل کیا اور یہ نہیں بتایا کہ کس چشمے سے اُسے لیا۔ یعنی یسوع کی انجیل کو چشمہ تسلیم نہیں کیا۔

یہ سب اور جو کچھ اُس نے "کیمیائے سعادت" میں خدا کی محبت کے بارہ میں کہا اُس سے میرے دل میں کچھ شک باقی نہیں رہتا کہ اُس نے نئے عہد نامے کو پڑھا۔ یوحنا کے خطوط اور یوحنا کی انجیل کا یہ گویا مسلمانی ترجمہ ہے۔ اِس بڑے صوفی نے خدا کی محبت کے سات نشان بتلائے ہیں۔ اوّل نشان یہ ہے کہ موت کا خوف نہ ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ خدا کی محبت کو باقی ساری دنیاوی چیزوں کی محبت پر ترجیح دے۔ تیسرا نشان یہ ہے کہ خدا کی یاد ہمیشہ اُس کے دل میں تازہ رہے۔ وہ خدا پر دھیان کرنا کبھی موقوف نہیں کرتا۔ ہر شخص اسی قدر کسی شے کو خیال کرتا اور اُسے یاد کرتا ہے جس قدر کہ وہ اُسے پیار کرتا ہے۔ چوتھا نشان یہ ہے قرآن کی عزت اور محبت۔ پانچواں نشان پوشیدہ دعا ہے۔ چھٹا خدا کی عبادت میں

خوشی محسوس کرنا۔ اور ساتواں نشان خدا کی محبّت کا یہ ہے کہ آدمی خدا کے خالص دوستوں اور فرمانبردار خادموں کو پیار کرے اور اُن سب کو اپنا دوست سمجھے۔ اور خدا کے سارے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھے اور اُن سے نفرت کرے۔ اور خدا اپنے ابدی کلام میں یہ فرماتا ہے۔ اُس کے رفیق کافروں کے لئے خوفناک ہیں اور ایک دوسرے کے لئے حلیم۔ ایک شیخ سے کسی نے پوچھا خدا تعالےٰ اور فردوس کے دوست کون ہیں؟ اُس نے جواب دیا۔ خدا کے دوست وہ ہیں جو خدا کے دوستوں پر اُس سے زیادہ رحیم ہیں کہ باپ یا ماں اپنے بچوں پر ہوں"۔ (ازبور ۱۰۳) +

الغزالی بحیثیت عالم شرع کے سارے مسائل میں ہمیشہ قرآن کی مطابقت پر مجبور ہے لیکن بحیثیت صوفی کے جب وہ قیاس کے گھوڑے دوڑا کر پردے کو چیر کر نکل جاتا ہے وہ بالکل متفرق ہے۔ ان سلم صاحب نے خدا کی ہستی پر جو کتاب لکھی اُس کے یہ الفاظ بار بار یاد آتے ہیں "اے خداوند میں تیرے گہراؤں کی تہ تک پہنچنے کی جرأت نہیں کرتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میری عقل کی رسائی وہاں تک نہیں لیکن ایک حد تک میں تیری صداقت کو سمجھنا چاہتا ہوں جس کو میرا دل مانتا اور پیار کرتا ہے۔ میں ایمان لانے کی خاطر سمجھنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں ایمان لاتا ہوں تاکہ میں سمجھوں" +

جب کبھی الغزالی ہم سے خدا کے قریب ہونے کا ذکر کرتا ہے
اور روح کی تمنا کا کہ انسانی شراکت اپنے خالق سے رکھے تو وہ
مسیحی تصور تجسم کے بہت قریب آجاتا ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچتا
نہیں۔ مثلاً "کیمیائے سعادت" میں اُس نے خدا کی محبت کا چوتھا
سبب یہ بیان کیا کہ انسان اور اُس کے خالق کے مابین ایک
مشابہت اور نسبت پائی جاتی ہے اور اس کے لئے محمد کے قول
کو نقل کیا "فی الحقیقت خدا نے انسان کو اپنی مثل پیدا کیا"۔
لیکن فوراً اِس کے بعد اُس نے یہ کہا "اِس مضمون کا زیادہ
ذکر کرنا خطرناک ہے کیونکہ عوام الناس کی سمجھ کی رسائی سے
پرے ہے۔ بلکہ اس کے بیان کرنے میں اصحاب عقل نے بھی
بہت لغزشیں کھائیں اور تجسم اور خدا کے ساتھ اتحاد کو ماننے
لگے۔ تو بھی جو مماثلت انسان اور خدا کے مابین پائی جاتی ہے
اُن علما کے اعتراض کو رد کرتی ہے جن کا اوپر ذکر ہوا جن کی
رائے یہ ہے کہ خدا ایسے وجود کو پیار نہیں کر سکتا جو اُس کی
اپنی نوع سے نہیں۔ خواہ اُن کے درمیان کتنا ہی بُعد ہو آدمی
خدا کو پیار کر سکتا ہے اُس مماثلت کی وجہ سے جو اِس قول
میں مذکور ہے۔ "خدا نے انسان کو اپنی مثل پیدا کیا"۔
انجیل کے اِس بیان کو بے شک الغزالی نے قبول کر لیا
"خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا" لیکن اِس بیان کو حذف کیا۔

"اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کر دیا"۔ خدا کے دیدار کا ذکر کرتے وقت اُس نے یہ کہا "سارے مسلمان اس بات کے ماننے کا دعوےٰ کرتے ہیں کہ خدا کا دیدار انسانی خوشی کا معراج ہے کیونکہ شریعت میں ایسا بیان ہوا ہے لیکن اکثروں کے نزدیک یہ صرف زبانی دعوےٰ ہے جس سے دل میں ذرا جوش پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ امر طبعی ہے۔ کیونکہ آدمی ایسی شے کی آرزو کیسے کرسکتا ہے۔ جس کا اُسے علم ہی نہیں! ہم مختصراً یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرینگے کہ خدا کا دیدار سب سے اعلےٰ خوشی جس کو آدمی حاصل کرسکتا ہے کیوں ہے +

اوّل تو آدمی کے ہر قوت کا ایک خاص عمل ہوتا ہے جس کو پورا کرنے سے اسے خوشی ہوتی ہے اور یہ سب قوا سے پر صادق آتا ہے۔ ادنیٰ جسمانی خواہش سے لیکر اعلےٰ عقلی ادراک تک۔ لیکن ادنے عقلی کوشش سے بھی جسمانی خواہشات کی نسبت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص شطرنج کی بازی میں مشغول ہو تو وہ بار بار کے بلانے پر بھی کھانا کھانے نہ آئیگا۔ اور اسی طرح ہمارے علم کا موضوع جیسا اعلےٰ ہوگا ویسے ہی ہماری خوشی اعلےٰ ہوگی۔ مثلاً وزیر کے رازوں کے جاننے کی نسبت بادشاہ کے رازوں کے جاننے میں زیادہ خوشی ہوگی۔ چونکہ خدا ہمارے علم کا اعلےٰ

ممکن موضوع ہے اِس لئے اُس کے علم سے دوسروں کی نسبت زیادہ خوشی حاصل ہوگی - جو خدا کا علم رکھتا ہے خواہ وہ اِسی دنیا میں ہو وہ گویا فردوس میں سکونت رکھتا ہے جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے وہ ایک فردوس ہے جس کے اثمار توڑنے سے کسی کا کینہ تمہیں باز نہیں رکھ سکتا اور نہ اُس کی وسعت اُن کی کثرت سے تنگ ہو سکتی ہے. جو اُس کو حاصل کرتے ہیں (۱ یوحنا ۴ - ۷ سے ۲۱) *

لیکن علم کی خوشی دیدار کی خوشی سے کمتر ہے - جیسے ہماری خوشی اپنے عزیزوں کا خیال کرنے میں بہ نسبت اُن کے دیکھنے کی خوشی سے کمتر ہے - مٹی اور پانی کے بدنوں میں ہمارا مقید ہونا اور عالم محسوسات کی اشیا میں مبتلا ہونا ایسا حجاب ہے جو ہم سے خدا کے دیدار کو چھپا لیتا ہے اگرچہ اُس کا کچھ علم حاصل کرنے میں وہ سدّ راہ نہیں - اِسی وجہ سے خدا نے کوہ سینا پر موسیٰ کہا "تو مجھے نہ دیکھیگا" *

اِس کتاب میں وہ بیان دُہرایا گیا کہ "صرف پاک دل" ہی خدا کو دیکھ سکتے ہیں اور یہ ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ جو تعلیم الغزالی نے یہاں دی وہ انجیل کے علم پر مبنی نہ ہو - اُس نے بیان کیا "جس کے دل میں خدا کی محبت دوسری شے پر غالب آگئی وہ اِس دیدار سے زیادہ خوشی حاصل کریگا بہ نسبت اُس کے جس

کے دِل میں اُس نے ایسا غلبہ حاصل نہیں کیا۔ جیسے دو آدمی ہوں جن کی قوت نظر یکساں ہو اور وہ ایک حسین چہرے کو دیکھ رہے ہوں۔ جو شخص اُس حسین کو پیار کرتا ہے وہ اُس کے دیکھنے سے زیادہ خوشی حاصل کریگا بہ نسبت اُس کے جو اُسے پیار نہیں کرتا۔ کامل خوشی کے لئے محض علم کافی نہیں جب تک کہ اُس کے ساتھ محبت نہ ہو اور خدا کی محبت آدمی کے دِل پر تصرّف حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ دنیا کی محبت سے پاک نہ ہو اور یہ پاکیزگی پرہیزگاری اور ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ تعلیم مسیح کے الفاظ سے کیسے مشابہ ہے۔ "مبارک ہیں وہ جو پاک دِل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھینگے"! الغزالی نے اپنے سارے دینی تجربات میں خدا کے دیدار ہی کی تلاش کی اور اُسے اِس دنیا اور اگلی میں سب سے اعلےٰ نعمت قرار دیا اگرچہ اُس نے اپنی ساری کوشش سے روح اور خدا کی حقیقت کو بیان کرنے کی کوشش کی لیکن اُس کے سامنے خالی دیوار ہی رہی وہ خدا کے دیدار کا آرزومند تو بہت ہے لیکن وہ اسلامی تصوّر سے اپنے تئیں آزاد نہ کر سکا کہ خدا معلوم نہیں ہو سکتا اور خلقت میں کوئی شے خالق سے مشابہ نہیں۔ آج تک صحت کے ساتھ یہ بتانا مشکل ہے کہ خدا کی ذات کے بارہ میں الغزالی کی کیا رائے تھی۔ اُس کی تصنیفات میں جرمنے کے عالم بار جر

(Borjer) اور سارجر (sorjer) کی طرح صوفی ہمہ اوست تعلیم اور تشخص کا عشری مسئلہ ایک دوسرے کے مطابق تھے۔ اسی مطابقت کی وجہ سے یہ بتانا مشکل ہے کہ آیا وہ ہمہ اوست کا قائل تھا یا لوٹز (Lotze) کی طرح مشخص ہمہ اوست کا۔ الغزالی کی تعلیم یہ تھی کہ روح کو ادراک حاصل ہے۔ لیکن ادراک بہ حیثیت صفت۔ مادہ یا ذات ہی میں موجود ہو سکتی ہے جو جسم کی ساری صفات سے مطلقاً خالی ہو۔ اُس کے رسالے "اَل ظنون" میں اُس نے یہ تشریح کی کہ نبی نے روح کی ذات منکشف کرنے سے کیوں انکار کیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ معمولی انسان اور اصحاب فکر۔ پہلی قسم کے لوگ مادیت کو ہستی کی شرط گردانتے ہیں اور غیر مادی ہستی کا تصور کر ہی نہیں سکتے۔ دوسری قسم کے لوگ اپنے منطق کے زور پر روح کا ایسا تصور کرنے لگتے ہیں جو خدا اور فرد روح میں سارے امتیاز کو دور کر دیتا ہے۔ اِس لئے الغزالی نے اپنی تحقیقات کے ہمہ اوستی سیلاب کو معلوم کر لیا اور اِس لئے روح کی ذات کی غایت کے بارہ میں خاموشی حاصل کی"+

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ الغزالی نے یسوع کی زندگی اور سیرت کے بارہ میں کیا بیان کیا اور خدا کا جو رشتہ ہمارے ساتھ ہے اُن کی محبّت کے ذریعہ جو اپنے سارے دلوں سے خدا کی تلاش

کرتے ہیں۔ کیا صرف یہی مسلمان ہیں یا اِس سے وسیع بھی خدا کی محبت ہے؟ کیا ساری روحیں اُس کی حفاظت میں ہیں؟

جو لوگ احاطہ اسلام سے باہر تھے اُن کے بارہ میں الغزالی کی کیا رائے تھی؟ اِس کے متعلق دو عجیب عبارتیں آئی ہیں اور جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ غالباً وہ اُس کی زندگی کے دو مختلف موقعوں پر لکھی گئیں۔ پہلی عبارت جو اُس کے زمانہ اور اُس کے اسلامی درجے کے لحاظ سے قابل بیان ہے اُس کی کتاب "فیصل التفریقہ بین الاسلام والزندیق" میں آئی ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے" میں یہاں بیان کرتا ہوں کہ ہمارے زمانے کے یونانی مسیحی اور ترک خدا کی رحمت میں شامل ہونگے۔ یعنی جو لوگ سلطنت کی سرحدوں پر رہتے ہیں جن کو دعوت اسلام نہیں ملی۔ کیونکہ وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم کے لوگوں نے تو محمد (صلے اللہ وسلم) کا نام کبھی نہیں سُنا اور وہ معذور ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اُس کا نام اور لقب اور جو معجزے اُس نے کئے اُن کا حال سُنا یہ بطور جوار یان کے مسلمانوں کے درمیان رہتے ہیں یہ حقیقی کافر اور منکر ہیں۔ اور تیسری قسم کے لوگ اِن دو کے مابین ہیں۔ اُنہوں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا نام سُنا لیکن اُس کے لقب اور سیرت کا ذکر نہیں سُنا بلکہ انہوں نے بچپن سے یہ سُنا کہ وہ

جھوٹا اور فریبی ہے جو محمد کہلاتا ہے اور جس نے نبوت کا دعوےٰ کیا۔ جیسے ہمارے بچوں نے خراسان کے جھوٹے نبی اُل مکا فنہ کا نام سنا جس نے نبوت کا دعوےٰ کیا تھا۔ اور میری رائے ہیں یہ تیسری قسم کے لوگ آئندہ کی امید کے لحاظ سے پہلی قسم سے علاقہ رکھتے ہیں"۔ یہ بیان اِس لئے بھی قابل لحاظ ہے کیونکہ اِسی باب میں اُس نے کہا کہ خدا نے آدم کو فرمایا (بمطابق حدیث) کہ "اُس کی اولاد میں سے ہر ہزار میں سے ۹۹۹ دوزخ کو جاتے ہیں اور صرف ایک بہشت کو" ✣

مگر کتاب احیاء العلوم کے آخری صفحہ پر الغزالی نے یہ رائے ظاہر کی کہ روز عدالت کو ہر ایک مسلمان خواہ اُس کی سیرت کیسی ہی ہو آگ میں داخل ہوگا! پھر اُس نے ایک حدیث نقل کی جس میں بیان ہے کہ ہر مسلمان کے لئے جو دوزخ کا مستوجب ہوگا خدا یہودی یا مسیحی کو فدیہ میں دیگا اور اُس نے اِس کفارہ کے مسئلہ کو خدا کی رحمت کی تشفی کے لئے اُن کی رعایت میں منظور کیا جو محمد کو مانتے ہیں اور خدا کے اِس حکم کو کہ وہ جہنم کو بے ایمانوں سے بھر دیگا (دیکھو سورۃ ۵۰ - ۲۹)۔ اِس کتاب کے آخری صفحہ میں (افسوس کی بات ہے) تعصب کی مسلمانی رُوح کا پھر اظہار ہے جو آجتک پایا جاتا ہے۔ اُس کے دوسرے رسالہ میں اِس سے زیادہ

وسیع اور فراخ رائے پائی نہیں جاتی۔ الغزالی کا جو سلوک مسیحیوں سے تھا اور انجیل سے جو اقتباسات اُس نے کئے اُس نے اُس کے فارسی خیال پر اثر کیا اور یسوع ناصری کو مابعد تصوف میں ایک ممتاز جگہ دی خاص کر صوفی شاعر جلال الدین رومی کی مثنوی میں اُس نے مسیح کی زندگی سے بڑا سبق نکالا جس کی طرف الغزالی نے اپنے اقتباسات میں صرف اشارہ کیا تھا کہ یسوع زندگی کا بخشنے والا ہے!

"اپنے تئیں مردہ شمار کرو تاکہ تو آزاد آزاد ہو کر دنیا کی قید سے آسمان کو اڑ جائے!

بہار آئے لیکن سنگ خارا پر کوئی سبزی نہ اگیگی یہ خزاں میں بھی خالی ہے اور بہار میں بھی اور سنگ خارا آدمی کا دل ہے جب تک خدا کا فضل دخل نہ دے اور اس کو کھیل کر مدت سے بنجر پڑے پر سبزی نہ اگائے۔

جب یسوع کا تازہ دم دل کی تہ کو چھوئیگا تو یہ زندہ ہوگا اُس میں سانس آئیگا اور پھر کلیاں نکلینگی" ؎

مشہد کا شہر طوس کے کھنڈرات کے متصل تھا جہاں الغزالی پیدا ہوا اور جہاں اُس نے وفات پائی۔ وہ فارسیوں کا مکہ کہلاتا ہے۔ ہزارہا حاجیوں کا ہجوم اُس کی گلیوں میں ہر سال نظر آتا ہے

امریکن پریسبٹیرین کلیسیا نے یہاں کام شروع کیا ہوا ہے اور بائیبل سوسائیٹیوں کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل کی ہزاروں کاپیاں فروخت ہوتی ہیں۔ "ہم نے خدا کے کلام سے شہر مشہد میں سیلاب پیدا کر دیا ہے" (بقول مسٹر Esselstyn) بارہا مجھے لوگوں نے آگاہ کیا کہ بازار میں کوئی مجھے قتل کر دیگا اگر تم بائیبل بیچنا اور وعظ کرنا بند نہ کروگے لیکن یہ جملہ "دیکھو میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" میرے کانوں میں گونجتا رہتا ہے اور ہم اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔ جو مقدس کتابیں مشہد اور اُس کے قرب و جوار میں فروخت ہوتی ہیں وہ بیج بویا جاتا ہے اور اگر ہم سُست نہ ہو جائیں تو اپنے وقت پر فصل کاٹینگے" +

آج کل کابلی آبرو والا افغان۔ ازبک تاتاری۔ درویش سفر کی گرد سے آلودہ اور پاؤں میں آبلے پڑے۔ بلکہ خراسان کا غریب سے غریب لڑکا بھی یسوع کی تعلیم و اعمال کا حال خرید سکتا ہے۔ اب کوئی مسلمان الغزالی کے چند انجیلی اقتباسات پر حصر نہیں رکھتا۔ فارس اور مشرق قریب کے لئے ایک نیاز نامہ شروع ہوا ہے۔ الغزالی کے ننانوے رسالوں کی نسبت نئے عہد نامے سے لوگ بہتر واقف ہیں اور ہم بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نئے عہد نامے کے پڑھنے والوں کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے مسلمان صوفی خدا کی سلطنت کے قریب ہیں اور اُن کے لئے الغزالی

آدمیوں کو مسیح تک پہنچانے میں اُستاد کا کام دے سکتا ہے ۔ کیا گلشن راز کے مصنف نے یہ نہیں لکھا "کیا تو جانتا ہے کہ مسیحیت کیا ہے؟ میں تجھے بتاؤنگا ۔ یہ تیری اپنی خودی کو دفن کر دیتا ہے اور تجھے خدا تک لے جاتا ہے۔ تو یروشلم ہے جہاں خدائے ازلی ابدی تخت نشین ہے۔ روح القدس یہ معجزہ کرتا ہے ۔ کیونکہ یہ جان لو کہ خدا کا وجود روح القدس میں بستا ہے جیسا کہ اپنے ہی روح میں"۔ خدا کے ایسے طالب آج کل ایسے لوگوں کو پائینگے جو اُن کو مسیح تک پہنچا دینگے ۔ کیونکہ جیسے ڈاکٹر جے ۔ ربنڈن ہیرس صاحب نے بیان کیا "ہم میں سے جتنے مسیح کو پیار کرتے ہیں وہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہم اُس کوچے میں رہتے ہیں۔ اور اُسی ٹیلیفون پر ہیں اور ہم ایک دوسرے کے دروازے کے پاس رہتے ہیں اور حد فاصل کو کھٹکا سکتے ہیں ہم گو معدودے چند ہیں ایک ہی چھت تلے ہیں اور ہم سب ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہیں اور دل کی رسائی ہو سکتی ہے ۔
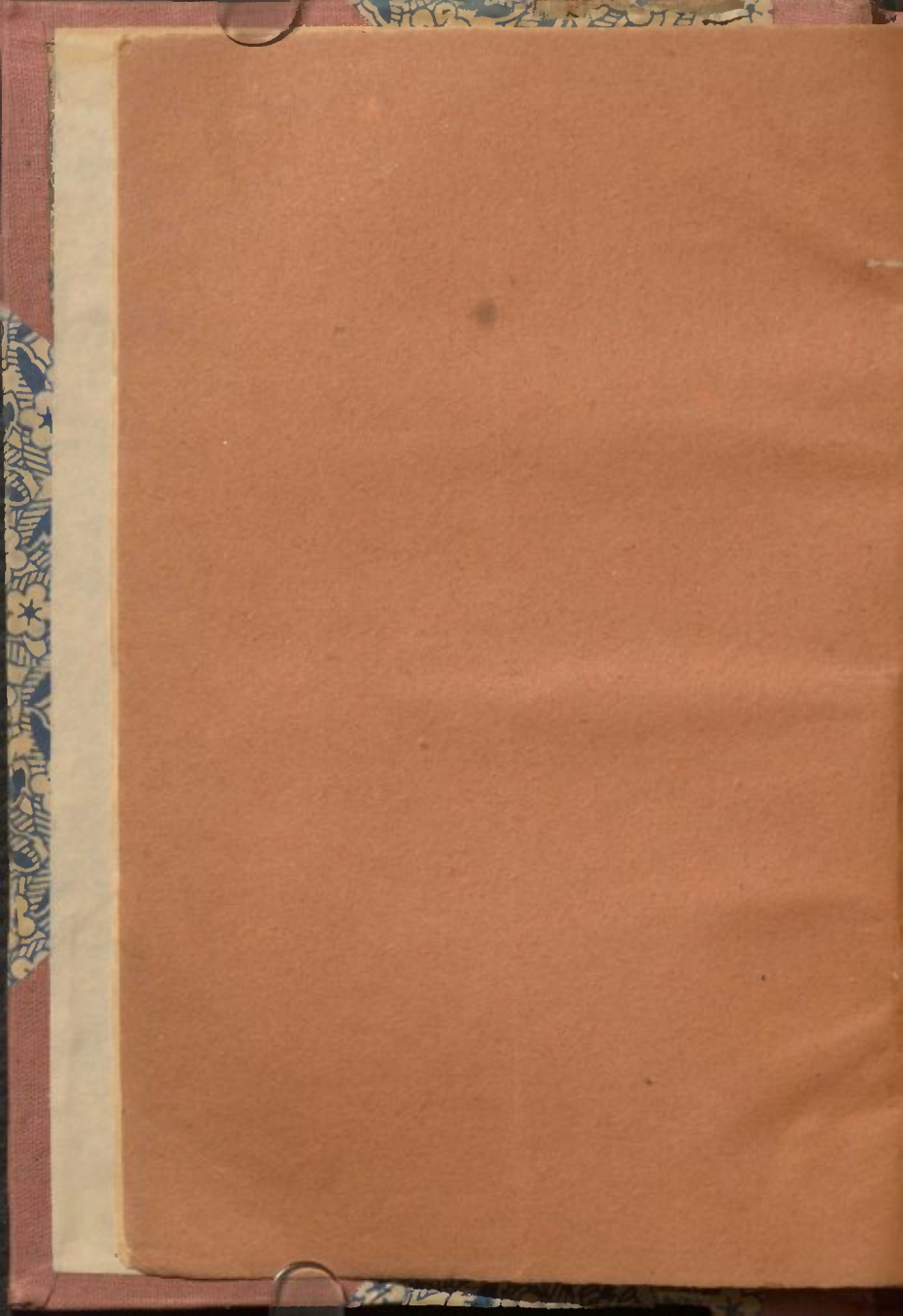
مسیحی پریس لاہور میں مسٹر غلام قادر مسیحی پرنٹر گوال منڈی لاہور کے اہتمام سے چھپی
اور مسٹر ایف۔ ڈی والرٹ سکرٹری پنجاب رلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور نے شائع کی